222008

ادبی خطوطِ غالب

یعنی

ایسے خطوں کا مجموعہ جنمیں مرزا غالب نے نکاتِ ادبیہ حل کیے ہیں، اشعار کے معنی سمجھائے ہیں اور شعراء کے متعلق رائے زنی کی ہے، مع ایک مفید دیباچہ اور ضمیمہ کے جسمیں مرزا غالب کے مکتوب الیہم کے حالات مع انکے نمونہ کلام کے درج ہیں

مرتبہ

جناب مرزا محمد عسکری صاحب بی۔اے۔ لکھنوی

سابق ہیڈ ٹرانسلیٹر گورنمنٹ آف انڈیا مؤلف "تاریخ ادب اردو"

باہتمام محمد جواد مالک مہتمم مطبع

نظامی پریس وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ میں چھپا

سنہ ۱۹۲۹ء

تمہید

چوتوئی کجاست شاہے بقلمرو معانی
تو بہیچ کس نمانند تو بہیچ کس نمانی

"غالباً اردوے معلّٰی اور عودِ ہندی دو ہی کتابیں ایسی ہیں جو مرزا غالب کے کمالِ اردو نثر نگاری کی شاہدِ عادل کہی جاسکتی ہیں، مولانا حالی نے "یادگارِ غالب" میں "لطائفِ غیبی"، "تیغِ تیز"، اور کسی ناتمام اردو قصّہ کو بھی اُن کی تصانیفِ نثرِ اُردو میں شمار کیا ہے مگر ان دونوں کتابوں کا بالفعل کہیں پتہ نہیں چلتا اور غالباً یہ کتابیں مرزا نے اپنے دوستوں کے نام سے چھپوائی تھیں اور قصّہ اُردو کے متعلق تو اس میں بھی شک پایا جاتا ہے کہ وُہ معرض وجود میں آیا بھی تھا یا نہیں۔ اِس قصّہ کی طرف مرزا کے بعض خطوط میں جو منشی شیو نرائن کے نام ہیں اکثر اشارے ملتے ہیں مگر اُنسے یہ کہیں نہیں پایا جاتا کہ مرزا نے اسکو فی الحقیقت پورا اور مکمل کردیا تھا بلکہ اُنسے صرف مرزا کی آمادگی مگر اسی کے ساتھ کچھ تذبذب بھی ظاہر ہوتا ہے مرزا کے ایک دوست مسٹر اسٹوارٹ ریڈ نے ایک قصّہ نثر اردو میں لکھنے کی اُن سے فرمائش کی تھی جسکی نسبت اپنی پریشانی کا اظہار مختلف خطوط میں کرتے ہیں۔

"جناب ہنری اسٹوارٹ ریڈ صاحب کو ابھی میں خط نہیں لکھ سکتا ان کی فرمائش ہے اردو کی نثر وہ انجام پائے تو اسکے ساتھ انکو خط لکھوں، مگر بھائی تم غور کرو۔ اردو میں اپنے قلم کا زور کیا صرف کرونگا، اور اس عبارت میں معانی نازک کیونکر بھرونگا۔ ابھی تو یہی سوچ رہا ہوں کہ کیا لکھوں کونسی بات کونسی کہانی کونسا مضمون تحریر کروں اور کیا تدبیر کروں، تمھاری رائے میں کچھ آئے تو مجھ کو بتاؤ۔"

(بنام منشی شیونرائن، مورخہ ۱۱ر دسمبر ۱۸۵۸ء)

"ریڈ صاحب کے باب میں میں نے یہ لکھا تھا کہ جب کچھ اردو کی نثر ان کے واسطے لکھ لونگا تو دستنبو کی خریداری کی خواہش کرونگا۔ معہذا تم سے صلاح پوچھی تھی کہ کس حکایت اور کس روایت کو فارسی سے اردو کروں تم نے اس بات کا بھی جواب نہ لکھا۔"

(ایضاً ۱۵ر دسمبر ۱۸۵۸ء)

"جناب ریڈ صاحب چاہی کرتے ہیں۔ میں اردو میں اپنا کمال کیا ظاہر کرسکتا ہوں اسمیں گنجائش عبارت آرائی کی کہاں ہے، بہت ہوگا تو یہ ہوگا کہ میرا اردو بہ نسبت اوروں کے اردو کے فصیح ہوگا، خیر بہر حال کچھ کرونگا اور اردو میں اپنا زور قلم دکھاؤنگا۔"

(ایضاً ۱۸ر دسمبر ۱۸۵۸ء)

میاں اردو کیا لکھوں، میرا یہ منصب ہے کہ مجھ پر اردو کی فرمائش ہو، خیر ہوئی۔ اب میں کہانیاں قصے کہاں ڈھونڈھتا پھروں

(ایضاً ۱۴ر جنوری ۱۸۵۹ء)

کی زندگی میں اور اُن کی وفات سے سات برس بیشتر چھپی[۱]۔ اِسکے اصلی محرک و جامع ایک شخص منشی ممتاز علی خاں تھے جو مرزا کے دوست تھے اور جن کا ذکر مرزا نے اپنے بعض خطوط میں بھی کیا ہے. انھوں نے چودھری عبدالغفور سرور اور خواجہ غلام غوث بیخبر کو بھی اس کار خیر میں شریک کیا اور انھیں تینوں صاحبوں کی کوشش سے وہ سب خطوط جمع ہوے تھے جو اب "عود ہندی" کے نام سے شایع ہوے ہیں. اسکا دیباچہ چودھری عبدالغفور سرور نے لکھا جس کے آخر میں وہ لکھتے ہیں.

" وہ مکتوب کہ بنام میرے آئے تھے ترتیب دیئے گویا جواہر بے بہا کان قلمدان سے نکال کر کشتی اوراق میں جمع کئے. چونکہ محبت جناب غالب میرے حال پر بہت غالب ہے لہذا نام اس انشا کا "مہر غالب" بکسر میم مناسب ہے. سال ختم تالیف بھی اسی نام سے مطابق پایا طبیعت اور بڑھی تحریر تاریخ کو دست و قلم بڑھایا ؎

انشا مملو بصد مطالب لکھی — یعنی ہے دستان طالب لکھی
موسوم کیا جو مہر غالب ہے سرور — تاریخ بھی اسکی "مہر غالب" لکھی

مرزا نے اس دیباچہ کو بہت پسند کیا چنانچہ چودھری صاحب موصوف کو اس طرح داد دیتے ہیں.

" اہاہا جناب منشی ممتاز علیخاں صاحب بارہرہ پہونچے صاحب، یہ تو سیاح گیتی نورد ثانی مخدوم جہانیاں جہاں گرد ہیں. بہر حال

---

۱ اسکی طبع ثانی مطبع نولکشور لکھنؤ سے ہوئی اور طبع ثالث بھی اسی مطبع سے ۱۳۰۴ھ مطابق ۱۸۸۷ء میں ہوئی

آپنے دیباچہ بہت اچھا لکھا ہے۔ کتاب کو اس سے رونق ہوجائیگی۔"

خواجہ غلام غوث بیخبر عود ہندی کا دیباچہ خود مرزا صاحب سے لکھوانا چاہتے تھے اور اس پر اصرار کرتے تھے مگر مرزا اس خدمت سے معافی چاہتے ہیں اور اپنے ظریفانہ انداز میں اُن کو لکھتے ہیں۔

"بندہ پرور اگر ایک بندۂ قدیم کہ عمر بھر فرمان پذیر رہا ہو بڑھاپے میں ایک حکم بجا نہ لائے تو مجرم نہیں ہوجاتا۔ مجموعہ نثر اردو کا انطباع اگر میرے لکھے ہوئے دیباچہ پر موقوف ہے تو اُس مجموعہ کا چھپ جانا بالفتح میں نہیں چاہتا! بلکہ چھپ جانا بالضم چاہتا ہوں سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

رسم ست کہ مالکان تحریر آزاد کنند بندۂ پیر

آپ بھی اُسی گروہ یعنی مالکان تحریر میں سے ہیں پھر اس شعر پر عمل کیوں نہیں کرتے۔"

پھر انھیں کو :-

"اس سے آگے آپ کو لکھ چکا ہوں کہ منشی ممتاز علی خاں سے میری ملاقات ہے وہ میرے دوست ہیں یہ بھی لکھ چکا ہوں کہ میں صاحب فراش ہوں اٹھنا بیٹھنا ناممکن ہے خطوط لیٹے لیٹے لکھتا ہوں اس حال میں دیباچہ کیا لکھوں۔"

یا تو ایک وقت تھا جب مرزا اپنے خطوط کے چھپوانے کے سخت مخالف تھے، یا اب وہی تجویز اُن کو اس قدر پسندیدہ معلوم ہوتی ہے کہ اپنے مسودات محفوظ رکھتے ہیں اور بغرض اشاعت اُن کو روانہ کرتے ہیں۔

خواجہ غلام غوث بیخبر کو اس طرح رقم طراز ہیں۔

پیر و مرشد کوئی صاحب ڈپٹی کلکٹر ہیں کلکتہ میں مولوی عبدالغفور خاں اُنکا نام۔ نساخ اُنکا تخلص ہے۔ میری اُنکی ملاقات نہیں۔ انھوں نے اپنا دیوان چھاپے کا موسوم بہ "دفتر بیمثال" مجھ کو بھیجا اُسکی رسید میں یہ خط میں نے اُنکو لکھا چونکہ یہ خط مجموعہ نثر اردو کے لائق ہے آپکے پاس ارسال کرتا ہوں۔ اور ہاں حضرت وہ مجموعہ چھپے گا بالفتح یا چھپے گا بالضم چھپ چکا ہو تو حق تصنیف کی جتنی جلدیں منشی ممتاز علی خاں کی ہمت اقتضا کرے فقیر کو بھیجئے۔

مرزا کے خطوط خود اُن کی زندگی میں بہت مقبول ہو گئے تھے اور لوگ انکے پڑھنے کے بہت خواہشمند تھے۔ چنانچہ بیخبر کو لکھتے ہیں۔

"اجی حضرت یہ منشی ممتاز علیخاں کیا کر رہے ہیں رقعے جمع کئے اور نہ چھپوائے فی الحال پنجاب احاطہ میں اُنکی بڑی خواہش ہے، جانتا ہوں وہ آپ کو کہاں ملینگے جو آپ اُن سے کہیں مگر یہ تو حضرت کے اختیار میں ہے کہ جتنے میرے خطوط آپ کو پہونچے ہیں وہ سب یا اُن سب کی نقل بطریق پارسل آپ مجھ کو بھیجدیں۔ جی یوں چاہتا ہے کہ اس خط کا جواب وہی پارسل ہو ع تم سلامت رہو قیامت تک"

اردوے معلےٰ سب سے پہلے اکمل المطابع دہلی میں چھپی اور یہ بھی مرزا صاحب کی زندگی میں شائع ہو گئی تھی جیسا کہ نواب علاؤ الدین احمد خاں کے اُس خط سے جو صفحہ ۹ پر درج ہے ظاہر ہوتا ہے۔ اس مطبع کے مہتمم میر فخرالدین

اور منشی مطبع لالہ بہاری لال مشتاق تھے جن کی کوشش بلیغ سے وہ سب
خطوط جمع ہوئے جو اُردوئے معلےٰ کے نام سے چھپے ہیں۔ اسی مطبع کے متعلق
مرزا منشی بہاری لال مشتاق مذکور کو لکھتے ہیں:۔

"حکیم غلام رضا خاں کے دوام صحبت کو اپنے طالع کی یاوری
سمجھو...... میاں سچ تو یہ ہے کہ اکمل المطابع اجمل المطابع بھی ہے
حکیم غلام نبی خاں منجملہ خوبان روزگار ہیں نکو خو اور نکو کردار ہیں،
میر فخرالدین آزاد منش اور سعادت مند نوجوان ہیں کم گفتار اور مرنج و
مرنجاں ہیں۔ تم چاروں شخص پیکر صدق و صفا و مہر و ولا کے چار عنصر ہو
جہاں آفریں تم چاروں صاحبوں کو خوشنود و دلشاد اور اکمل المطابع
کو بارونق و آباد رکھے"

اُردوئے معلےٰ کے شروع میں میر مہدی مجروح کا لکھا ہوا دیباچہ ہے
جسکے آخر میں یہ عبارت ہے۔

"منشی جواہر سنگھ صاحب جوہر...... کی طبع والا نے
یہ اقتضا کیا کہ یہ گوہرہائے شب افروز سلک تحریر میں منسلک ہوکر
زینت بخش عروس سخن ہوں اور یہ گلہائے پراگندہ جمع ہوکر ایک جا
گلدستہ ہوں تا اُسکے رواج روح پرور سے دماغ نکتہ سرایاں غیرت چمن
ہوں۔ اسواسطے میر فخرالدین صاحب مہتمم اکمل المطابع دہلی نے سعی بے پایاں
اور لالہ بہاری لال صاحب منشی مطبع مذکور نے کوشش فراواں سے
اکثر خطوط جمع کئے اور قصد انطباع کیا اور اُردوئے معلےٰ نام رکھا گیا

خطوط کے دیگر اقسام نثر میں نہیں پائی جاتی۔ میرے اس خیال کی تائید سطور ذیل سے بھی ہوتی ہے جو محترمی جناب مولوی عبدالحق صاحب نے مکتوبات حالی کے مقدمہ میں لکھی ہیں۔

خط نویسی دنیا کی اکثر زبانوں میں موجود ہے۔ موجودہ زبانوں میں علاوہ عربی و فارسی کے لاطینی، انگریزی، فرنچ، جرمن وغیرہ میں ایسی مستقل کتابیں خطوط و رسائل کی موجود ہیں جن سے مصنف کی اعلیٰ انشا پردازی کے علاوہ اُسکے اخلاق و عادات اور اُسکے ماحول کا بھی پورا پتہ چل جاتا ہے۔ زبان لاطینی میں ہاریس اور سسرو، انگریزی میں ملٹن، بیکن، کوپر، گولڈ اسمتھ بائرن، لارڈ چسٹر فیلڈ، کوپن وکنو۔ یہ وغیرہ۔ فرانسیسی میں والٹیر، ڈیڈرو وغیرہ

سلے سیرالمصنفین جلد دوم صفحہ ۳۶۷

کے خطوط ایسی تصانیف ہیں جو اُن زبانوں میں نثر کے معرکۃ الآرا کارنامے سمجھے جاتے ہیں۔

اردو میں اس صنف خاص کا حال معلوم نہیں مگر فارسی میں تو مکتوبات

بھی ترتیب پا رہے تھے اور یہ کوئی عجیب سی بات نہیں کیونکہ جس طرح نظم اردو نظم فارسی کے تتبع اور نقل تھی اور اب تک ہے اُسی طرح نثر اردو بھی پہلے بالکل فارسی نما لکھی جاتی تھی۔ انشائے خرد افروز مکتوبات احمدی و محمدی رقعات عنایت علی انشائے اردو و سرور وغیرہ اسی انداز کی کتابیں ہیں۔ جب رنگ بدلا اور نثر اردو میں زمانہ موجودہ کا رنگ پیدا ہوا تو منشی امیر احمد مینائی اور اکبر وغیرہ نے خطوط تحریر کیے جن میں تقلید فارسی اور مقفیٰ و مسجع روش کو چھوڑ کر

عبارت میں سادگی، بے تکلفی اور شگفتگی پیدا کی، مگر ان میں سے ایک کتاب بھی ایسی نہیں جو مرزا غالب کی تحریروں کے مقابلہ میں پیش کی جاسکے۔ قدما کا یہ رنگ تھا کہ وہ اپنی تحریروں کو جان جان کر مشکل بنانا پسند کرتے تھے۔ اسمیں اُنکو بڑا مزہ آتا تھا کہ آسانی سے انکی بات سمجھ میں نہ آئے، گویا انکی بات آسانی سے سمجھ جانا ایک جرم تھا اور اسمیں وہ اپنی اہانت سمجھتے تھے مشکل مطالب کو ثقیل اور نامانوس الفاظ میں صنائع بدائع کے زیورسے آراستہ کرکے پیش کرنا ہی وہ اپنا فرضِ منصبی سمجھتے تھے اور اسی طریقہ سے پڑھنے والے پر وہ اپنا سکہ جما لیتے تھے، طاہر وحید ابوالفضل اور بیدل کا یہی انداز ہے، ہرچند کہ رنگ ہر ایک کا الگ الگ ہے مگر اشکال سب میں جزو مشترک ہے۔

اُردو رقعات نویسوں نے بھی فارسی کی تقلید میں مشکل پسندی اختیار کی اپنے خطوط کے مطالب کو تو اسقدر دقیق و مشکل نہ بنا سکے مگر عبارت میں وہی رنگینی، وہی قافیہ پیمائی، وہی پیچیدہ فقرے وہی فضول باتیں جس کی دس دس سطریں بھی آپ چھوڑ جائیے تو نفس مطلب میں کچھ فرق نہ آئے۔

مرزا غالب کے بچپن اور جوانی کے زمانہ میں نثر نویسی کا یہی رنگ زوروں پر تھا، اسی وجہ سے ان کے رقعات فارسی ان تکلفات بارِدہ سے خالی نہیں ہیں مگر اُنکی نظرِ غائر نے جلد سے جلد ان خرابیوں کو دریافت کرلیا اور انکے دفعیہ پر اُنھوں نے کمرِ ہمت باندھ لی، چنانچہ پنج آہنگ کے لکھنے کے وقت اگرچہ ایک حد تک رسمِ قدیم کے موافق خطوط نویسی کے بارہ میں وہ اُن پرانی باتوں کے پابند تھے مگر پھر بھی اُن کو ان خامیوں کا اندازہ ہو چکا تھا اور وہ

اس سے احتراز کرنے لگے تھے، جہاں اُنھوں نے اُس کتاب میں القاب و آداب کے خزانہ اور بزرگانہ مراتب مقرر کئے اور اساطیر الاولین کو نگاہ میں رکھتے ہوئے دعائیہ فقرے مبتدیوں کے لئے جمع کردئے ہیں وہ یہ بھی لکھتے ہیں۔

ادا شناس داند کہ ہنجار من	جاننے والے جانتے ہیں کہ میرا
در نگارش این ست کہ چوں کلک و	طریقہ تحریر میں یہ ہے کہ جب قلم و
ورق بکف گیرم مکتوب الیہ را	کاغذ ہاتھ میں لیتا ہوں تو مکتوب الیہ
بلفظیکہ فراخور حالت اوست در سر	کو اُس لفظ کے ساتھ جو اُسکی حالت
آغاز صفحہ آواز دہم و زمزمہ سنج	کے موافق ہو صفحہ کے شروع میں
مدعا گردم، القاب و آداب و	پکارتا ہوں اور اُسکے بعد مطلب
خیریت گوئی و عافیت جوئی حشو و	لکھنا شروع کردیتا ہوں، القاب و
زائدست و بختگان حشو را وقع ننهند	آداب و خیریت گوئی اور خیر و
و نیز دانا شناسد کہ دریں باب	عافیت طلبی زائد و بیکار ہے اور
چہ ساحری تواں کرد و دریں	تحریر کار زوائد کی وقعت نہیں کرتے
شیوہ گنجائش سخن گستری	اور عقلمند لوگ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ
تا کجاست	اس معاملہ میں کیا ساحری کیجا سکتی
... ...	ہے اور اس طریقہ میں ادائے مطلب
... ...	کی گنجائش کہاں تک ہے
بماں اے ہوشمند سخن پیوند	اے سخن شناس عقلمند جان کہ
کہ نامہ نگار را آں باید کہ نگارش را	خط لکھنے والے کو چاہئے کہ تحریر کو

از گذارش دورتر نبرده رنگ
گفتن دہد مطلب را بداں روش
گزارد کہ دریافتن آں دشوار
نبود۔ اگر مطلبے چند در رشتہ باشد
در تقدیم و تاخیر ترتیب نگہی را بکار
برد و از آں پرہیزد کہ سخن گرہ در گرہ
گردد و اجزائے مدعا بہم درخورد
و زنہار استعارات دقیق و
لغات مشکلہ نامانوس در عبارت
درج نہ کند۔ و در ہر نورد رتبۂ
مکتوب الیہ در نظر دارد۔ تا تواند
سخن را درازی نہ دہد و از تکرار
الفاظ محترز باشد و بیشتر بمذاق
اہل روزگار حرف زند و از
احاطۂ قواعد و قوانینے کہ قرار دادہ
ایں مردم است بدر نہ رود
اما اندازۂ خوبی بیان
نگاہ دارد۔ و این
پارسی آمیختہ بتازی را

تقریر سے دور نہ لیجائے اور تحریر
میں تقریر کا رنگ پیدا کرے مطلب
کو اس انداز سے ادا کرے کہ
اسکے سمجھنے میں دشواری نہو، اگر
چند مطلب رکھتا ہو تو تقدیم و تاخیر
میں بڑی ہوشیاری سے کام لے اور
اس سے بچے کہ الفاظ پیچیدہ ہو جائیں
اور مطلب کے اجزاء ایک دوسرے سے ملجائیں
اور دقیق استعارے اور مشکل و نامانوس
لغات عبارت میں کبھی نہ لائے اور
ہر تحریر میں مکتوب الیہ کا مرتبہ نظر میں
رکھے اور جہانتک ممکن ہو تحریر کو طول
نہ دے اور ایک ہی لفظ کو بار بار لکھنے سے
بچے، اور زیادہ تر زمانے کے لوگوں کے
مذاق کے موافق (یعنی مانوس) الفاظ
لکھے اور جو قواعد و قوانین کہ ایسے لوگوں نے
بنادئے ہوں انسے باہر نجائے لیکن
اسی کے ساتھ خوبی زبان کو ہاتھ سے
نجانے دے، اور اس عربی ملی فارسی کو

در کشاکش تصرفات ہندی
زبانان پارسی نویس ضایع
نگذارد و لغات عربی جز بقدر
بایست صرف ننماید و پیوستہ
دران کوشد کہ سادگی و نغزی
شعار او گردد۔

ہندی فارسی نویسوں کے تصرفات
کے بیجا آمیزش سے خراب و ضایع
نہ کرے اور عربی لفظ صرف بقدر ضرورت
استعمال کرے اس سے زائد نہیں[سلہ]
اور ہمیشہ اسکی کوشش کرتا ہے کہ
سادگی اور لطافت اسکی عادت ہوجا‘‘

یہ عبارت ہر چند فارسی رقعات سے تعلق رکھتی ہے مگر اردو میں بھی انھوں نے یہی طرز بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ اختیار کیا، چنانچہ ایک خط میں مرزا حاتم علی بیگ مہر کو لکھتے ہیں :-

’’مرزا صاحب! میں نے وہ انداز تحریر ایجاد کیا ہے کہ مراسلہ کو مکالمہ بنا دیا ہے، ہزار کوس سے بزبان قلم باتیں کیا کرو، ہجر میں وصال کے مزے لیا کرو‘‘۔

مرزا تفتہ کو :-

’’بھائی! مجھ میں تم میں نامہ نگاری کا ہے کو ہے مکالمہ ہے‘‘۔

نواب انور الدولہ شفق کو :-

’’یہ خط لکھنا نہیں ہے باتیں کرنی ہیں اور یہی سبب ہے کہ میں القاب و آداب نہیں لکھتا‘‘۔

سلہ یہ نصیحت فارسی کے متعلق ہے مگر اس سے یہ نتیجہ ضرور نکلتا ہے کہ اردو کی تحریر میں عربی و فارسی دونوں زبانوں کے غیر مانوس اور ثقیل الفاظ سے بچتا رہے۔

"واہ او ل سا عزو دردی، کیا جگرخوں کن اتفاق ہے، پہلا عنایت نامہ جو حضرت کا مجکو آیا اُسمیں خبر مرگ ...."

یہ پہلا خط دوسرے نمبر پر ہونے کی سوائے بے توجہی و بے اعتنائی کے کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ یہی حال باقی خطوط کا بھی ہے جیسا کہ نقشہ سے ظاہر ہے

نمبر ترتیبی	نمبر در مجموعہ	تاریخ تحریر خط	مختصر مضمون خط
۱	۲	۲ر ستمبر ۱۸۶۳ء	(سب سے پہلا خط) تعزیت نامہ درباب وفات نواب میر جعفر علیخان
۲	۹	۳ر دسمبر ۱۸۶۵ء	گھڑی کے عطیہ کا شکریہ
۳	۱	۲۲ر مارچ ۶۶ء	"درفش کاویانی" کی رسید کی اطلاع، بوستان خیال کا اشتہار اور ایک نئے اخبار کا اشتہار خط میں بھیجا جاتا ہے۔
۴	۵	۹ر اگست ۶۶ء	شادیوں کی قرارداد کی خبر سنکر مبارکباد، نواب صاحب کے لڑکے کا تاریخی نام "سید مہابت علیخاں" رکھکر بھیجا تھا[۱] اُسکی رسید نہ پہونچنے کی شکایت
۵	۶	۱۴ر نومبر ۶۶ء	شادی میں بسبب ضعف نہ شریک ہوسکنے کی معذرت، نواب صاحب کی لڑکی کی تقریب بسم اللہ کی مبارکباد اور تاریخ، اپنی تصویر کی تیاری کی اطلاع۔
۶	۷	اوائل ۶۷ء	نواب صاحب کے افزائش عزّ وجاہ دعا لیا خطاب اور ہائیکورٹ سے مقدمہ جیتنے کی مبارکباد۔

[۱] اس سے ظاہر ہے کہ ایک درمیانی خط جسمیں نام درج کیا ہوگا اس مجموعہ میں نہیں ہے

مختصر مضمون خط	تاریخ تحریر خط	نمبر خط در ذخیرۂ ...	نمبر خط مجموعۂ حاضر
کسی دعوت میں عدم شرکت کی معذوری، تکرار مبارکباد مندرجہ خط نمبر ۳	۲؍اپریل ۶۶ء	۳	۷
سورت نہ پہونچ سکنے کی معذرت، خط دیر میں لکھنے میں ضعف و پیرانہ سالی کا عذر	۱۳؍مئی ۶۶ء	۸	۸
نواب صاحب مرزا کے کمال کی تعریف کرتے ہیں اس کا شکریہ۔ عطیہ (غالباً روپیہ) پہونچنے کا شکریہ "قاطع برہان" کی تیاری کی نواب صاحب کو اطلاع۔	۱۷؍دسمبر ۶۶ء	۱۰	۹
ضعف اس قدر طاری ہے کہ یہ خط کسی دوسرے سے لکھوایا ہے نواب صاحب کے شکوہ و شکایت کا جواب اپنے آلام و مصائب کا ذکر۔	۶؍اپریل ۶۸ء	۴	۱۰

"ادبی خطوط" کی ترتیب سے پیشتر ہمارا یہی خیال تھا کہ اردوئے معلی اور عود ہندی دونوں کتابوں کو اس انداز سے نئے سرے سے ترتیب دیں کہ مرزا کی آخر عمر کے اہم واقعات من وعن خود انھیں کی تحریر سے ظاہر ہو جائیں، مگر یہ کام بوجہ اکثر خطوط کے غیر مرتب صورت میں چھپنے اور بعض خطوط کے مجموعہ میں موجود نہونے اور تاریخوں کے نکل جانے کے اسقدر دشوار بلکہ محال معلوم ہوا کہ اِس ارادہ کو ترک کرنا پڑا اور صرف مرزا کے ادبی خطوط کے اجتماع پر کفایت کی گئی کہ یہ بھی ایک خاص اہمیت رکھتے ہیں "ادبی خطوط" سے اس مجموعہ میں مرزا کی وہ تمام تحریریں

اور عبارتیں مراد ہیں جن میں اُنھوں نے :۔

(۱) خواہ اپنے یا دوسروں کے اشعار کے معانی اور مطلب سمجھائے یا اُن پر تنقید کی

(۲) فارسی واردو شعرا اور مصنفین پر یا اُنکے کلام اور تصانیف پر رائے زنی کی

(۳) اپنے شاگردوں کے کلام پر اصلاحیں دیں۔

(۴) طریقۂ اصلاح

(۵) ادبی سوالوں کے جوابات۔

(۶) اپنی تصانیف کے چھپوانے میں کسقدر انہماک کیا اور کیا کیا زحمتیں اُٹھائیں

(۷) قاطع برہان کی تحریر و انطباع میں کیا کیا مدارج طے کرنا پڑے۔

(۸) تحقیق لغات و تذکیر و تانیث بعض الفاظ۔

ان کے علاوہ بھی بعض ایسی عبارتیں ان خطوط میں شامل کرنا پڑیں جنکا کوئی ادبی تعلق تو نہ تھا مگر وہ اِس طرح سے بعض ادبی خطوط میں شامل تھیں کہ اُن کو علیحدہ کر دینے سے ادبی مضمون بالکل مختصر رہجاتا یا اُن عبارتوں میں کوئی جدت شوخی یا ندرت ایسی پائی گئی کہ اُنکا بھی شامل کر دینا ضروری سمجھا۔ پس اس طریق سے اس اُستادِ اعظم کے بتائے ہوئے ادبی نکتے بھی دریافت ہو گئے اور اُسکا انداز بیان اور شوخی تحریر کا بھی مزہ اُٹھایا گیا، یعنی ہم خرما و ہم ثواب کا لُطف حاصل ہوا۔

مجموعی تعداد اُن خطوط کی جو اس مجموعہ میں شامل ہیں چھیانوے ہے اس میں، اور اُردوئے معلّٰی وعود ہندی کی ترتیب میں یہ فرق بھی ملحوظ رکھا گیا ہے کہ آخرالذکر کتابوں میں مکتوب الیہم کے نام بہت جلی بطور سرخی خط کے شروع میں

دیے گئے ہیں، مگر چونکہ غرض اصلی "کیا کہا گیا" ہے نہ یہ کہ "کس سے کہا گیا"
لہذا مکتوب الیہم کے نام خفی حروف میں خط کے آخر میں دیے گئے اور شروع میں
صرف سلسلہ کا نمبر ہے۔

اس زمانہ میں چونکہ کتب بینی کا شوق بہت کم رہ گیا ہے دلچسپ سے
دلچسپ کتاب بھی اول سے آخر تک پڑھنا دوبھر ہو جاتا ہے۔ لہذا ایسے اصحاب
کے لئے جو محض ایک سرسری نظر ڈال لینے کو غنیمت سمجھتے ہیں پورے پیرا کا
مطلب مختصر طور پر حاشیہ پر دیدیا گیا ہے تاکہ اگر جی چاہے اور اتنا وقت نکالا
جا سکے تو مزید معلومات کے شوق میں پورا پیرا پڑھ لیں ورنہ خط کا مطلب عبارت
حاشیہ ہی سے دریافت ہو سکتا ہے۔

یہ مجموعہ طالب لطف اور طالب علم دونوں کے فائدہ کے واسطے موجودہ ایڈیشن
عود ہندی اور اردوئے معلی سے معلومات اور دلچسپی دونوں اعتبار سے کسی طرح
کم نہیں بلکہ ترتیب خطوط اور بعض دیگر معلومات مفیدہ کے لحاظ سے اُن سے کچھ
زیادہ ہے۔

اب ہم مختصراً یہ دکھلانے کی کوشش کرینگے کہ مرزا نے نامہ نگاری میں
لفظاً و معنًی کیا کیا تصرفات کئے اور کیا کیا جدتیں اور لطافتیں پیدا کیں۔

(۱) لفظی تصرفات (الف) پرانے طرز کے القاب و آداب اور عبارت خاتمہ کو
ترک کیا۔ (ب) پرانے طرز کے بے مزہ مقفّیٰ و مسجع فقرے جو قدیم
نثر نگاروں کی شان تھی ترک کئے اور عبارت میں ایسی دل آویزی اور بے تکلفی پیدا کی
جس کا لطف ہمارے کسی بیان سے ظاہر نہیں ہو سکتا صرف اصل خطوط کو پڑھنے سے

سمجھ میں آسکتا ہے۔

القاب کی قدیم روش ترک کرنے میں مرزا نے اپنے انھیں اصولوں پر عمل کیا جن کا ذکر صفحہ ۱۷ میں ہوا یعنی مکتوب الیہ کو اسکی حالت کے موافق آغاز خط میں پکارنا یہی لفظ "پکارنا" اس عظیم الشان انقلاب کا پتہ دیتا ہے جو مرزا نے اپنے خطوط کے ذریعے سے اردو نثر نگاری میں کیا ہے۔ مرزا کے مکتوب الیہ دو قسم کے لوگ تھے (۱) وہ جو اُن سے سن یا مرتبے میں بڑے تھے یا جن سے بے تکلفی کم تھی (۲) وہ جو اُن سے سن میں کم تھے یا جن سے بے تکلفی بہت تھی۔ باستثنا چند لوگوں کے جن کا مرزا بہت ادب و لحاظ کرتے تھے دوسری صنف میں اُنکے زیادہ تر مکتوب الیہ شامل ہیں کیونکہ اُن کے اکثر اعزا، واحباب اور نیز اُن کے تمام شاگرد اسی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ مگر یہ بات قابل لحاظ ہے کہ وہ بڑے سے بڑے آدمیوں سے بھی تکلف و تصنع کی گفتگو کبھی نہیں کرتے بلکہ موقع موقع سے اُن سے بھی ایسی مذاق اور ظرافت کی باتیں کر جاتے ہیں کہ پڑھنے والے کو مطلق معلوم نہیں ہوتا کہ کاتب و مکتوب الیہ کے سن یا مرتبے میں کسی قسم کا فرق ہے۔ البتہ اس قسم کے لوگوں کے خطوط کو یا تو وہ کسی پرانے طرز کے القاب سے شروع کرتے تھے مثلاً نواب میر غلام بابا خاں کو "نواب صاحب جمیل المناقب عمیم الاحسان" یا کوئی لفظ مختصر جیسے "قبلہ" "جناب نواب صاحب" وغیرہ صاحب عالم مارہروی کو "پیر و مرشد" مولوی عبد الغفور خاں نساخ کو جناب مولوی صاحب قبلہ۔

مگر مرزا کی تمام صناعی و جدت و شوخی صرف دوسری صنف کے لوگوں کے القاب میں جن سے وہ حد درجہ بے تکلف تھے نمایاں ہوتی ہے مثلاً اپنے شاگرد رشید مرزا تفتہ کو "نور نظر و لخت جگر، میری جان، صاحب، بھائی، مہاراج منشی صاحب آو مرزا تفتہ گلے لگ جاؤ، اچھا میرا بھائی، جیتے رہو اور خوش رہو وغیرہ

• میر مہدی مجروح کو برخوردار کامگار، نور چشم، جان غالب، میاں لڑکے میاں سید زادے، اہاہا! میرا پیارا مہدی آیا، صاحب یہ تماشا دیکھو وغیرہ۔

• مرزا علاء الدین احمد خاں کو، جانا جانا، اقبال نشانا، میری جان، علائی ہمہ داں، مرزا علائی مولائی، یار، بھتیجے وغیرہ۔

یہ وہ لوگ ہیں جن سے مرزا سے کمال بے تکلفی اور محبت و یگانگت تھی، اُن سے کم درجہ پر جو تھے اُن کے القاب میں کوئی خاص جدت، ندرت یا شوخی و بے تکلفی نہیں پائی جاتی، مثلاً منشی شیو نرائن کو، برخوردار نور چشم برخوردار اقبال نشان، برخوردار کامگار لکھنے پر کفایت کرتے ہیں،

مرزا امیر الدین احمد خاں معروف بہ فرخ مرزا کو جو بہت کمسن تھے عجب شاعرانہ انداز سے القاب لکھا ہے اور اسکے معنی بھی سمجھائے ہیں۔

"اے مردم چشم جہاں بیں غالب" پہلے القاب کے معنی سمجھ لو
یعنی چشم جہاں بین غالب کی پتلی چشم جہاں بیں تمھارا باپ
مرزا علاء الدین خان بہادر اور پتلی تم ...."

• ان سب لقابوں سے مرزا کی کیفیات قلبی کا پورا اندازہ ہوتا ہے، جسوقت اور جس حالت و کیفیت میں وہ ہوتے تھے ویسا ہی تراوش قلم کا انداز تھا، مگر مولانا حالی کا یہ خیال بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے، کہ وہ اسپنے خطوط میں

کوئی نہ کوئی بات ایسی ضرور لکھنا چاہتے تھے جس کو پڑھ کر ان کا مکتوب الیہ خوش اور باغ باغ ہو جائے۔

* مقفیٰ و مسجع فقروں کا ترک۔ اس موقع پر پیشتر ہم مولوی غلام امام شہید اور منشی غلام غوث بیخبر کے رقعوں کے چند سطر بطور نمونہ پیش کرتے ہیں تاکہ اس زمانہ کی عام خطوط نگاری کی روش معلوم ہو جائے اور یہ بھی اندازہ ہو کہ مرزا نے کیا کمال کیا کہ اس قسم کی عبارت کو جو ان کے زمانہ میں نہ صرف رائج بلکہ داخل فیشن تھی بدلکر کیسی سادہ بے تکلف شوخ اور لطف انگیز عبارت کا رواج دیا۔ جو ہمارے نزدیک ایک بہت بڑا اعجاز ہے۔

مولوی غلام امام شہید کا رقعہ تہنیت و تعزیت آمیز:۔

مجموعہ انشائے شیریں زبانی دیباچہ کتاب سحر معانی، زاد خستہ قلم بعد تشریح مراتب اشتیاق و آرزومندی کے تعزیت کے مضمون سے آنسو بھی بہاتا ہے اور کچھ خوشی میں آکر مبارکباد کا مضمون بھی زبان پر لاتا ہے، زمانہ میں خوشی و غم دونوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے اور دنیا میں دھوپ چھاؤں کی طرح شادی کے ہاتھ میں ماتم کا ہاتھ ہے۔ دو پھول ایک ہی شاخ میں پھوٹتے ہیں، ایک دولھا دولھن کے سہرے کے کام آتا ہے دوسرا میت کی تربت پر چڑھایا جاتا ہے۔ دو موتی ایک سیپ میں پیدا ہوتے ہیں ایک بادشاہ کے تاج میں لگاتے ہیں دوسرے کو کھرل میں پیسکر دوا میں ملاتے ہیں ایک ہی کافور سے دو شمعیں بنتی ہیں ایک محفل سرود کے کام آتی ہے

دوسری مردے کے مزار پر جلائی جاتی ہے۔ چمن میں کلی اگر کھلکھلا کر ہنستی ہے شبنم بے اختیار اُسکے ہنسنے پر روتی ہے۔ جس باغ میں خزاں ہو وہاں بہار بھی ہے اور جہاں گُل ہو وہاں خار بھی ہے۔

..........." اھ

بیخبر کا خط مولوی غلام امام شہید کے نام :-

قبلہ میری شوخی دیکھیے ! یوسف کو آئینہ دکھاتا ہوں، خورشید کو روشنی کی حکایت سناتا ہوں۔ گلزار میں پھول لے جاتا ہوں، ختن میں مشک تحفہ بھیجتا ہوں، دریا کے سامنے روانی کے معانی بیان کر رہا ہوں، چاند کے روبرو نور افشانی کا معاملہ حل کرتا ہوں، لعل کے حضور میں رنگ کی دُکان کھولتا ہوں، قند کے مواجہ میں شیرینی تولتا ہوں، مسیحا سے کہتا ہوں جاں بخشی کی روایت سنیے، موسیٰ سے تمنا کرتا ہوں کہ ید بیضا کی چمک دکھیئے یعنی حضرت کا دیوان مرتب کر کے آپ کے حضور میں پیش کرتا ہوں

..........." ۵۲

مرزا نے بھی روش زمانہ کے موافق مقفیٰ عبارت اپنے اکثر خطوط میں

اھ ماخوذ از سیر المصنفین جلد اول صفحہ ۱۹۰ (یہ رقعہ جنگنامہ نعمت خان عالی کی ابتدائی چند سطوروں کا ترجمہ معلوم ہوتا ہے)

۵۲ ماخوذ از سیر المصنفین جلد اول صفحہ ۲۱۳

قائم رکھی (میرے خیال میں تقریباً چالیس فیصدی خطوط اسی رنگ میں ہیں) مگر اس روش میں بھی اُنکی بے تکلفی اور شوخی اُسی طرح جلوہ گر ہے جس طرح کہ اُنکی سادہ عبارت میں ہے اور معراج کمال یہ ہے کہ تصنع میں بے تصنعی اور بناوٹ میں سادگی کا لطف آتا ہے۔

یہاں پہلے اُنکی مقفیٰ عبارت کا ایک نمونہ پیش کیا جاتا ہے جس سے ناظرین کو اندازہ ہوجائے گا کہ مرزا میں اور شہید و بیخبر وغیرہ کی قسم کے لوگوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

مقفیٰ عبارت کا نمونہ :۔ (ہم اِس خط کو اِس طریقہ سے لکھتے ہیں کہ قوافی اچھی طرح سے واضح ہو جائیں یہ امر خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ ہر چند عبارت مقفیٰ ہے مگر برخلاف خطوط شہید و بیخبر متذکرہ بالا کے ایک ایک فقرہ میں علیحدہ علیحدہ مضمون ہے)

یارب! یہ ایک خط جو مجکو بڑودہ گجرات سے آیا ہے، کاتب نے اپنے کو احمد حسن قنوجی بتایا ہے اُدھر سے اظہار آشنائی ہے، میری طرف سے یہ بیجیائی ہے، کہ مجکو اُن کی اور اپنی ملاقات یاد نہیں آتی، سوچتا ہوں کوئی بات یاد نہیں آتی۔ خانۂ نسیاں خراب عشرۂ قتالہ کے مرحلہ کا رہ پیما ہوں، شاید اگر جیوں گا تو اس کا بھی مجھے علم نہ رہے گا کہ میں کون ہوں اور کیا ہوں۔ سینسٹھ برس کی عمر ہوئی حواس ظاہری میں سے سامعہ و شامہ باطل، حواس باطنی میں سے حافظہ زائل۔ بسبب نسیان کے اکثر مطالب ضروری تلف ہوجاتے ہیں

خدایا کیا اس عمر میں سب آدمی ایسے خرف ہوجاتے ہیں حیراں ہوں کہ آپ کو سید لکھوں مولوی لکھوں خان لکھوں، خط میں تو خیر کچھ لکھدونگا خط کا کیا عنوان لکھوں۔ بندہ پرور فقیر معاف رہے، حضرت کا دل غبار کدورت سے صاف رہے۔ مولوی عبدالجمیل صاحب بریلوی کو جانتا ہوں، بلکہ اُن کا احسان مانتا ہوں۔ کہ باوجود عدم ملاقات ظاہری اکثر اُن کے خطوط آتے رہتے ہیں، گویا وہ اپنا نام ہمیشہ مجکو یاد دلاتے رہتے ہیں۔ نہ آپ کہ بعد ایک عمر ناگاہ یہ نامہ یاد فرمائیں، اور اپنی اور میری ملاقات کا زمانہ یاد نہ دلائیں، بہر حال تمھارا دعاگو ہوں، خیر جو ہوں۔ اس خط کے جواب میں ایسا کچھ لکھو کہ تم کو پہچان جاؤں، کب ملے تھے کتنی ملاقاتیں ہوئی تھیں۔ یہ سب طرح جان جاؤں......."

(بنام مولوی احمد حسن قنوجی)

غیر مقفیٰ سادہ عبارت کا نمونہ :-

"بھائی! اس مرض میں بھی تیرا ہم طالع اور ہمدرد ہوں، اگرچہ یک فنہ ہوں مگر مجھے اپنے ایمان کی قسم میں نے اپنی نظم و نثر کی داد باندازہ بایست پائی نہیں آپ ہی کہا، آپ ہی سمجھا۔ قلندری و آزادگی و ایثار و کرم کے جو دواعی میرے خالق نے مجھ میں بھر دئے ہیں بقدر ہزار ایک ظہور میں نہ آئے۔ نہ وہ طاقت جسمانی کہ اک لاٹھی ہاتھ میں لوں اور اُس میں شطرنجی اور ایک ٹین کا لوٹا

مع سوت کی رسی کے لٹکالوں اور پیادہ پاچلدوں کبھی شیراز جا نکلا، کبھی مصر میں جا ٹھہرا کبھی نجف جا پہونچا۔ نہ وہ دستگاہ کہ ایک عالم کا میزبان بن جاؤں اگر تمام عالم میں نہو سکے نہ سہی جس شہر میں رہوں اس شہر میں کوئی بھوکا ننگا نظر نہ آئے ....

وہ جو کسی کو بھیک مانگتے نہ دیکھ سکے اور خود در بدر بھیک مانگے وہ میں ہوں " (بنام نواب علاء الدین احمد خان)

بندگی و سلام لکھنے کا نیا ڈھنگ

استاد میر جان کو اِس راہ سے کہ میری پھوپھی اُن کی چچی تھیں اور یہ مجھ سے عمر میں چھوٹے ہیں دُعا اور اس رو سے کہ دوست ہیں اور دوستی میں کمی و بیشی سن و سال کی رعایت نہیں کرتے سلام اور اس سبب سے کہ اُستاد کہلاتے ہیں بندگی اور اس نظر سے کہ یہ سید ہیں دُرود ، اور موافق مضمون اِس مصرع کے :- سوا اللہ واللہ فی الوجود سجود "

معنوی تصرفات یعنی خطوط میں ایسی باتوں کا ذکر جس سے کاتب و مکتوب الیہ دونوں کے اخلاق و عادات پر پوری روشنی پڑتی ہے :-

(۱) مرزا ارسال خطوط میں دن تاریخ بلکہ وقت تک کی تفصیل کے پابند تھے :-

" جناب چودھری صاحب آپ کا عنایت نامہ اسوقت پہونچا اور

یہ وقت صبح کا ہے دن بدھ کا ربیع الثانی کی چوبیسویں اور دسمبر
کی پہلی ...." (بنام چودھری عبدالغفور سرور)

(۲) تحریر جواب میں تاخیر نہیں کرتے :-

"خط کے پہونچنے سے بہت خوش ہوا، ڈاک کیا ہے خاک ہے
خیر ادھر پڑھا اُدھر جواب لکھا، خدا کرے یہ میرا خط جلد پہونچے ورنہ
یہ آپ کو خیال ہو گا کہ غالب نے ہمارے خط کا جواب لکھا......"
(ایضاً)

(۳) انگریزوں کو خطوط و قصائد وغیرہ بھیجنے کا شوق اور اُن کے جواب
و خوشنودی سے مسرّت

"نواب لفٹنٹ گورنر بہادر غرب و شمال کو نسخہ دستنبو بہ سبیل ڈاک
بھیجا تھا اُن کا خط فارسی مشعر تحسین عبارت و قبول صدق ارادت
و مودت بسبیل ڈاک آگیا، پھر قصیدہ بہاریہ تہنیت و مدحت میں
بھیجا گیا اس کی رسید آگئی، وہی خانصاحب بسیار مہربان
دوستانہ القاب اور کاغذ افشانی، ازاں بعد ایک قصیدہ جناب
رابرٹ منٹگمری صاحب لفٹنٹ گورنر بہادر قلمرو پنجاب کی مدح
میں بتوسط صاحب کمشنر بہادر دہلی گیا اُسکے جواب میں خوشنودی نامہ
بتوسط کمشنر بہادر کل مجکو آگیا.........." (ایضاً)

ہنری اسٹوارٹ ریڈ صاحب ممالک مغربی و شمالی کے مدرسوں کے ناظم
اور گورنمنٹ کے بڑے مصاحب ہیں امن کے دنوں میں ایک ملاقات
میرے اُن کی ہوئی تھی میں نے اب ایک سادہ بے جلد (کتاب دستنبو)

اُن کو بھیجی تھی، کل اُن کا خط مجکو اِس کتاب کی رسید میں آیا، بہت تعریف لکھتے تھے اور ہاں بھئی ایک تماشہ اور ہے وہ مجکو لکھتے تھے یہ دستنبو پہلے اِس سے کہ تم بھیجو مطبع مفید خلائق نے ہمارے پاس بھیجی ہے اور ہم اسکو دیکھ رہے اور خوش ہو رہے تھے کہ تمہارا خط مع کتاب کے پہونچا، اُن کے اِس لکھنے سے یہ معلوم ہوا کہ مطبع میں سے گورنر کی نذر بھی ضرور گئی ہوگی، کیا اچھی بات ہے کہ وہاں بھی میرے بھیجنے سے پہلے میرا کلام پہونچ جائے گا۔ میں چیف کمشنر پنجاب کو یہ کتاب بھیج چکا ہوں اور نواب گورنر کی نذر اور ملکہ کی نذر اور سکرتریوں کی نذر یہ پارسل انشاءاللہ آج روانہ ہو جائینگے دیکھوں چیف کمشنر کیا لکھتے ہیں اور گورنر کیا فرماتے ہیں ؎

تانہالِ دوستی کے بردہد | حالیا رفتیم و تخمے کاشتیم

(بنام منشی ہرگوپال تفتہ)

(۴) مرزا کے زمانہ میں ڈاک کا انتظام اچھا نہ تھا اسی وجہ سے وہ اکثر کہتے ڈاک کے اب ڈاکو ہو گئے "ڈاک کیا ہے خاک ہے" اور شاید اِسی ڈاک کی بدنظمی کی وجہ سے وہ بیرنگ خط بھیجنا پسند کرتے اور دوسروں کو بھی فہمائش کرتے تھے کہ تم بھی بیرنگ بھیجو۔

"ایک قاعدہ آپکو بتاتا ہوں اگر اسکو منظور کیجئے گا تو خطوط کے نہ پہونچنے کا احتمال اُٹھ جائے گا اور رجسٹری کا دردسر جاتا رہے گا آدھ آنہ نہ سہی ایک آنہ سہی، آپ بھی خط بیرنگ بھیجا کیجئے اور میں بھی

بیرنگ بھیجا کروں، بیڈ خطوط تلف بھی ہوتے ہیں، اِس قاعدہ کا جیسا کہ میں واضع ہوا ہوں بادی بھی ہوا اور یہ خط بیرنگ بھیجا......

...........،، (بنام چودھری عبدالغفور سرور)

(۵) طریق اصلاح، دوستوں کے کلام کی اصلاح پر بالکل فخر و مباہات نہیں کرتے بلکہ تہذیب و انکسار کو مدنظر رکھتے ہیں:-

"جناب شیخ صاحب (یعنی شیخ عطا حسین صاحب) کیوں مجکو محجوب کرتے ہیں اس باب میں اس سے زیادہ عرض نہیں کرسکتا کہ افادہ مشترک ہے قصیدہ و مثنوی بھیج دیجیے، لطف اُٹھاؤنگا اور جو کچھ میرے خیال میں آئے گا بے تکلف عرض کردونگا، میرا سلام کہئے اور مثنوی اور قصیدہ اُن سے لیکر جلد بھیج دیجئے ....،، (ایضاً)

"صاحب یہ مثنوی تو میرے واسطے ایک مرثیہ ہوگئی۔ ہے ہے اُس بزرگوار کے جگر میں کیا کیا گھاؤ پڑے ہونگے تب یہ تراوش خونناب ظہور میں آئی ہوگی، مزہ یہ ہے کہ عنوان بیان سے حق بجانب انھیں کے معلوم ہوتا ہے۔ چونکہ اصل کاغذ میرے نظر میں نہیں اور حقیقت حال مجھپر مجہول ہے اسواسطے انجام و آغاز اندازہ و انداز کچھ نہیں سمجھا۔ حک و اصلاح کو آپ بنظر اصلاح نظر فرمائیں میں نے بحسب دستور ہر جگہ منشا ر اصلاح لکھدیا ہے........،، (ایضاً)

"سنو صاحب یہ تم جانتے ہو کہ زین العابدین خاں مرحوم میرا فرزند تھا اور اب اُسکے دونوں بچے کہ وہ میرے پوتے ہیں میرے پاس

آتے ہیں اور سب مجھکو ستاتے ہیں اور میں تحمل کرتا ہوں، خدا گواہ ہے کہ میں تم کو اپنے فرزند کی جگہ سمجھتا ہوں، پس تمہارے نتائج طبع میرے معنوی پوتے ہوئے جہان عالم صورت کے پوتوں سے کہ مجھے کھانا نہیں کھانے دیتے، مجکو دوپہر کو سونے نہیں دیتے، ننگے ننگے پاؤں میرے پلنگ پر رکھتے ہیں، کہیں پانی لڑھاتے ہیں، کہیں خاک اُڑاتے ہیں، میں تنگ نہیں آتا تو اُن معنوی پوتوں سے کہ اُنمیں یہ باتیں نہیں ہیں کیوں گھبراؤں گا۔ آپ انکو جلد میرے پاس بسبیل ڈاک بھیجدیجئے کہ میں اُن کو دیکھوں، وعدہ کرتا ہوں کہ پھر جلد اُن کو تمہارے پاس بسبیل ڈاک بھیجدونگا ....''

(بنام منشی ہرگوپال تفتہ)

(۶) دوستوں کا عشق:-

"تمہارے دستخطی خط نے میرے ساتھ وہ کیا جو بوے پیراہن نے یعقوب کے ساتھ کیا تھا، میاں یہ ہم تم بڈھے ہیں، یا جوان ہیں، توانا ہیں یا ناتوان ہیں، بڑے بیش قیمت ہیں یعنی بہر حال غنیمت ہیں کوئی جلا بھنا کہتا ہے ؎

یادگارِ زمانہ ہیں ہم لوگ　　　یاد رکھنا فسانہ ہیں ہم لوگ

وہی بالاخانہ ہے اور وہی میں ہوں سیڑھیوں پر نظر ہے کہ وہ میر مہدی آئے وہ میر سرفراز حسین آئے وہ یوسف مرزا آئے وہ یوسف علیخاں آئے، مرے ہوؤں کا نام نہیں لیتا، بچھڑے ہوؤں میں سے کچھ گنے نہیں،

اللہ اللہ اللہ ہزاروں کا میں ماتمدار ہوں میں مرونگا تو مجھکو کون روئیگا

.... (بنام میر سرفراز حسین)

"میرن صاحب کو بہت بہت دعا کہنا اور میری طرف سے

پیار کرنا ...." (بنام میر مہدی مجروح)

(۷) دوستوں کی دلشکنی کسی طرح روا نہیں رکھتے صاحب عالم سجادہ نشین مارہرہ ایک بدخط شخص تھے اُنکی تحریر مرزا صاحب سے نہیں پڑھی جاتی تھی چودھری عبد الغفور سرور کو اُن کے اکثر خط واپس کر دئیے ہیں اور لکھا ہے کہ آپ اُن کی تحریر اپنے قلم سے لکھ کر بھیجد یجئے، مگر اِس کا تذکرہ اُن سے نہ کیجئے گا اللہ اکبر! یہ تہذیب اور دلشکنی کا خیال ۔)

"حضرت صاحب یعنی صاحب عالم کی خدمت میں عرض کیا تھا

کہ آپ جو کچھ لکھیں وہ بقلم چودھری صاحب لکھا جائے، حضرت نے نہ مانا

اور پھر عبارت بدست خاص لکھی واللہ باللہ نہ مجھسے نہ اور کسی سے پڑھی گئی

ناچار آپ کا خط پھر آپ کو بھیجتا ہوں حضرت سے کچھ نہ فرمائیے گا

مگر اس عبارت کو اپنے ہاتھ سے نقل کرکے مجکو بھجوا دیجئے گا، ضرور اور

جلد" (بنام چودھری عبد الغفور سرور)

"یہ خط ناچار از رُوئے اضطرار واپس بھیجتا ہوں واسطے خدا کے

میرے پیر و مرشد کے ارشادات کو ایک ورق کاغذ پر اپنے ہاتھ سے

نقل کرکے بھیجد یجئے تاکہ مجھ بدنصیب کو معلوم ہو کہ حضرت نے

کیا لکھا ...." (ایضاً)

"حضرت کی تحریر کا ایک لفظ سوائے سعادت توام شاہ عالم کے
اگر پڑھا گیا ہو تو دیدے پھوٹیں، ایمان نصیب نہو، وہ خط بدستور
آپکے پاس واپس بھیجتا ہوں اور اُسی سفید کاغذ پر حرف بہ حرف
اُسکی نقل کرکے پھر مجھے بھیجدیجے تاکہ اِسکے جواب لکھنے میں سعادت
حاصل کروں لیکن بہت جلد بہت جلد ...." (ایضاً)

(۸) دوستوں کی مصیبت و پریشان حالی میں دلی ہمدردی اور اسکو رفع
کرنیکی دلی خواہش :-

"بھائی! ہوش میں آؤ! غور کرو! یہ مقدور مجھ میں نہیں کہ
اُن کو یہاں بلاکر ایک الگ مکان رہنے کو دوں اور اگر یا وہ نہو تو
تیس روپیہ مہینہ مقرر کردوں کہ بھائی یہ لو اور دریبہ اور چاوڑی اور
اجمیری دروازہ کا بازار اور لاہوری دروازہ کا بازار نا پتے پھرو اور
اردو بازار اور خاص بازار اور بلاقی بیگم کا کوچہ اور خان دوراں خاں
کی حویلی کے کھنڈر گنتے پھرو۔ اے میر مہدی! تو درماندہ و عاجز
پانی پت میں پڑا رہے میرن صاحب وہاں پڑے ہوئے دلّی دیکھنے
کو ترسا کریں، سرفراز حسین نوکری ڈھونڈھتا پھرے اور میں ان غمہائے
جانگداز کی تاب لاؤں، مقدور ہوتا تو دکھا دیتا کہ میں نے کیا کیا
ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ، اللہ! اللہ! اللہ........."
(بنام میر مہدی مجروح)

(۹) مرزا کے اکثر مکتوب الیہ اُنکے نادیدہ دوست تھے، جن کو اُنھوں نے

کبھی نہیں دیکھا تھا مگر پھر بھی خطوط کے طرزِ ادا سے معلوم ہوتا ہے کہ مدتوں کے یارِ غار ہیں۔ ایک نہیں بلکہ صدہا صحبتوں کے لطف اُٹھائے ہوئے ہیں۔ یہ اعجازِ تحریر ہے کہ نادیدہ لوگوں کے اخلاق و عادات سے بھی اسطرح واقف معلوم ہوتے ہیں کہ گویا اُن کے ساتھ مدتوں صحبت رہی ہے۔

(۱۰) مرزا کے اکثر احباب کی علیحدہ علیحدہ جماعتیں اور ٹولیاں تھیں جنکا ذکر اُس جماعت کے کسی سر برآوردہ شخص کے خطوط میں برابر ہوتا رہتا ہے اور اُس جماعت کے ہر ہر فرد کو مرزا حسب مدارج بے تکلفی و محبت سے یاد کرتے رہتے ہیں مثلاً ایک جماعت کے احباب حسب ذیل ہیں :۔

مرزا علاء الدین احمد خاں، انکے چچا زاد بھائی مرزا شہاب الدین احمد خاں، مرزا علی حسین خاں، استاد میر جان، حمزہ خاں (ایک بوڑھے آدمی علاء الدین احمد خاں کے اُستاد۔ تھے) مرزا قربان علی بیگ سالک۔ مرزا شمشاد علی بیگ رضواں،

دوسری جماعت کے احباب :۔

صاحب عالم مارہروی، انکے بیٹے شاہ عالم، چودھری عبدالغفور سرورؔ، چودھری غلام رسول، شیخ عطا حسین،

تیسری جماعت کے احباب

نواب میر غلام باباخان، میاں داد خاں سیاح، میر ابراہیم علی خاں وفا حکیم احمد حسن قنوجی وغیرہ،

چوتھی جماعت کے احباب،

میر مہدی مجروح، اُنکے چھوٹے بھائی میر سرفراز حسین الملقب بہ مجتہد العصر،

میرن صاحب، یوسف علیخاں، یوسف مرزا، حکیم میر اشرف علی،

پانچویں جماعت کے احباب

مرزا تفتہ، مرزا حاتم علی مہر، منشی نبی بخش حقیر، اُن کے بیٹے منشی عبداللطیف وغیرہ،

اُن کو لکھتے ہیں :۔

"تمھاری آنکھوں کے غبار کی وجہ یہ ہے کہ جو مکان دلی میں
ڈھائے گئے اور جہاں جہاں سڑکیں نکلیں جتنی گرد اُڑی اُسکو آپ نے
ازراہِ محبت اپنی آنکھ میں جگہ دی ...."

نواب امین الدین احمد خاں نے دریافت کیا تھا کہ سُنا جاتا ہے آپ نے شراب چھوڑ دی ہے اِس کی کیا اصلیت ہے، اسپر اُن کے بیٹے مرزا علاء الدین خاں کو لکھتے ہیں :-

" بھائی کو سلام کہنا اور کہنا کہ صاحب وہ زمانہ نہیں کہ ادھر متھرا داس سے قرض لیا اُدھر درباری مل کو جا مارا ادھر خوب چند چین سکھ کی کوٹھی جا لوٹی ہر ایک پاس تمسک مہری موجود، شہد لگاؤ چاٹو نہ مول نہ سود، اس سے بڑھکر یہ بات کہ روٹی کا خرچ بالکل بھائی کے سر، باایں ہمہ کبھی خان نے کچھ دیدیا کبھی الور سے کچھ دلوا دیا کبھی ماں نے کچھ آگرہ سے بھیجدیا، اب میں اور باسٹھ روپیہ آٹھ آنے کلکٹری کے، سو روپیہ رام پور کے، قرض دینے والا ایک میرا مختار کار وہ سود ماہ بماہ لیا چاہے، مول میں قسط اُس کو دینی پڑے، انکم ٹکس جُدا

جواب دیا کہ جس طرح وہ جلائینگے"۔ بارے مہینا پورا نہیں گذرا تھا کہ
رام پور سے علاوہ وجہ مقرری اور روپیہ آگیا، قرض متفرق ادا ہوگیا
متفرق رہا، خیر رہو، صبح کی تبرید رات کی شراب جاری ہوگئی، گوشت
پورا آنے لگا، چونکہ بھائی صاحب نے وجہ موقوفی اور بحالی پوچھی تھی
اُن کو یہ عبارت پڑھا دینا........"

(۱۳) مرزا اپنی شہرت اور نام آوری کو مسلم جانتے ہیں :-

"قسم شرعی کھا کر کہتا ہوں کہ ایک شخص ہے کہ اُس کی عزت
و نام آوری جمہور کے نزدیک ثابت اور متحقق ہے اور تم صاحب بھی جانتے ہو
مگر جب تک اُس سے قطع نظر نہ کرو اور اُس مسخرہ کو گمنام اور ذلیل نہ سمجھ لو
تم کو چین نہ آئے گا۔ پچاس برس سے دلی میں رہتا ہوں، ہزارہا خط
اطراف و جوانب سے آتے ہیں، بہت لوگ ایسے ہیں کہ محلہ نہیں لکھتے، بہت لوگ
ایسے ہیں کہ محلہ سابق کا نام لکھ دیتے ہیں۔ حکام کے خطوط فارسی

وانگریزی یہاں تک کہ ولایت کے آئے ہوئے صرف شہر کا نام اور میرا نام، یہ سب مراتب تم جانتے ہو اوران خطوط کو تم دیکھ چکے ہو اور پھر مجھ سے پوچھتے ہو کہ اپنا مسکن بتا۔ اگر میں تمہارے نزدیک امیر نہیں، نہ سہی، اہل حرفہ میں سے بھی نہیں ہوں کہ جب تک محلہ اور تھانہ نہ لکھا جائے ہرکارہ میرا پتہ نہ پائے، آپ صرف دہلی لکھ کر میرا نام لکھ دیا کیجیے، خط کے پہونچنے کا میں ضامن ....

.......؛؛ (بنام مرزا علاء الدین احمد خاں)

(۱۴) پنشن سے دربار اور خلعت کی برقراری مقدم سمجھتے ہیں :-

"مجھے تو دربار وخلعت کے لالے پڑے ہیں تم کو پنشن کا فکر ہے یہاں کے حاکم نے میرا نام فرد میں نہیں لکھا میں نے اسکا اپیل نواب لفٹنٹ گورنربہادر کے ہاں کیا ہے، دیکھئے کیا جواب آتا ہے..........

........" (بنام میر مہدی مجروح)

(۱۵) اہل یورپ کے مذاق کے خلاف مرزا کے خطوط میں کھانے پینے کی چیزوں اور زبان کے چٹخاروں کا کہیں پتہ نہیں، مگر شراب کو مستثنیٰ کر کے جسکا ذکر اکثر خطوط میں ہے، مرزا کے ماکولات کا بھی کہیں کہیں ذکر ہے۔

"شام کا کھانا بھی سویرے آتا ہے کئی طرح کے سالن، پلاؤ، مطنجن، پسندے، دونوں وقت روٹیاں، خمیری چپاتیاں، مربّے، اچار، میں بھی خوش، لڑکے بھی خوش (یہ رامپور کے کھانے کی تفصیل ہے) ٹیاں چاول مجھے پڑھتے نہیں، لمبے نہیں، پتلے نہیں، اب زیادہ

قصد کرد، پرانے اور پتلے چاول آیش ایک روپیہ کے خرید کر کے بھیجدو، یاد رہے نئے چاول قابض ہوتے ہیں اور پرانے چاول قابض نہیں ہوتے یہ میرا تجربہ ہے .... (بنام حکیم غلام نجف خاں)

"خصی بکروں کے گوشت کے قلیے، دو پیازے، پلاؤ، کباب جو کچھ تم کھا رہے ہو مجکو خدا کی قسم اگر اس کا خیال بھی آتا ہو۔ خدا کرے بیکانیر کی مصری کا کوئی ٹکڑا تم کو میسر نہ آیا ہو کبھی یہ تصور کرتا ہوں کہ میرجان صاحب اسی مصری کے ٹکڑے چبا رہے ہونگے تو یہاں میں رشک سے اپنا کلیجہ چابنے لگتا ہوں ....

(بنام مرزا علاء الدین احمد خان)

"تاریخ نے مزہ دیا، خدا جانے وہ خرمے کس مزہ کے ہونگے جنکی تاریخ ایسی ہے دیکھو صاحب ع قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید؛ تاریخ دیکھی اسکی تعریف کی، خرمے کھائینگے اسکی تعریف کرینگے، کہیں یہ تمہارے خیال میں آئے کہ یہ حسن طلب ہے کہ ناحق تم دین محمد غریب کو دوبارہ تکلیف دو ابھی رقعہ لیکر آیا ہے ابھی خرمے لیکر آئے لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ اگر بفرض محال تم یوں ہی عمل میں لاؤگے اور میاں دین محمد کے ہاتھ خرمے بھجواؤگے تو ہم بھی کہینگے تازہ تسے بہتر۔ پارہ ۱۲۷۲ سے بہتر (آخری دو فقروں میں تجنیس خطی ملاحظہ کے قابل ہے) .... (بنام میر احمد حسین میکش)

آخر عمر میں یہ غذا رہ گئی تھی:۔

"اس مہینے یعنی رجب کی آٹھویں تاریخ سے بہترواں برس
شروع ہوا، غذا صبح کو سات بادام کا شیرہ قند کے شربت کے ساتھ
دوپہر کو سیر بھر گوشت کا گاڑھا پانی، قریب شام کبھی کبھی تین
تلے ہوئے کباب، چھ گھڑی رات گئے پانچ روپیہ بھر شراب خانہ ساز
اور اسیقدر عرق شیر........" (بنام منشی حبیب اللہ خاں ذکاؔ)

(۱۶) انگریزی زبان میں شعراء اردو کا تذکرہ :-

" وہ (ٹیگن صاحب) تذکرہ شعراء ہند کا انگریزی میں لکھتے ہیں
مجھ سے بھی انھوں نے مدد چاہی میں نے سات کتابیں بھائی ضیاءالدین
خاں صاحب سے مستعار لیکر ان کے پاس بھیجدیں، پھر انھوں نے مجھ سے
کہا کہ جن شعراء کو تو اچھی طرح جانتا ہے انکا حال لکھ بھیج، میں نے
سولہ آدمی لکھ بھیجے بقید اسکے کہ اب زندہ موجود ہیں اور اس اعداد
کی صورت یہ ہے (۱) نواب ضیاءالدین احمد خاں بہادر رئیس لوہارو
.........(۲) نواب مصطفےٰ خان بہادر علاقہ دار جہانگیر آباد....
........(۳) منشی ہرگوپال معزز قانونگو سکندر آباد کے کہ تفتہ تخلص
کرتے ہیں اسداسد خاں غالب کے شاگرد...... اصل یہ ہے کہ تذکرہ
انگریزی زبان میں لکھا جاتا ہے اشعار ہندی اور فارسی کا ترجمہ شامل
نہ کیا جائیگا صرف شاعر اور اس کے استاد کا نام اور شاعر کے مسکن اور
وطن کا نام مع تخلص درج ہوگا..........................۱۸۶۴ء

(بنام منشی ہرگوپال تفتہ)

(۱۷) تصویر کے متعلق۔ اپنی تصویر کے متعلق مرزا نے جن خطوط میں ذکر کیا ہے یا جس کو جس کو وہ تصویر بھیجی ہے اُن کا حوالہ یہاں دیا جاتا ہے :۔

"میاں محمد فضل تصویر کھینچ رہے ہیں جلدی نہ کرو، دیر آید درست آید (یہ تصویر قلمی معلوم ہوتی ہے) .... (بنام میر مہدی مجروح)

"بارے بصورت تصویر دونوں صاحبوں (یعنی حکیم سید احمد حسن مودودی اور نواب میر ابراہیم علی خاں وفا) کی خدمت میں میرا سلام پہونچنا معلوم ہوا۔ اگرچہ اس صورت میں چلنا پھرنا خدمت بجا لانی نہیں ہو سکتی مگر خیر حضرت کے پیش نظر حاضر رہونگا ......" (بنام حکیم سید احمد حسن مودودی)

"آج ۱۶ر جون ۱۸۶۷ء بارہ بجے عنایت نامہ آیا، سرنامہ دیکھ کر سفید یہ صحیح مراد سمجھا، ننگا ایک چھوٹی سی خس کی ٹٹی کے پاس بیٹھا ہوا تھا، خط پڑھ کر وہ حال طاری ہوا کہ اگر ننگا نہ ہوتا تو گریبان پھاڑ ڈالتا، اگر جان عزیز ہوتی تو سر پھوڑتا اور کیونکر اس غم کی تاب لاتا کہ میں نے اپنے کو کھنچوا کر بصورت تصویر آپکی خدمت میں بھیجا، لفافہ انگریزی اقبال نشان شہاب الدین خاں سے لکھوا کر بیرنگ رسال کیا اس قربان میں اس لفافہ کے رسید نہ پائی ظاہرا ڈاک پر ڈاکو گرے اور میرے بیچ بے روح کے ٹکڑے اُڑا دیئے ...." (بنام شہزادہ بشیر الدین)

"صاحب اس بڑھاپے میں تصویر کے پردہ میں کیا کھنچا پھروں گوشہ نشین آدمی عکس کی تصویر اُتارنے والے کو کہاں ڈھونڈوں، دیکھو ایک جگہ میری تصویر بادشاہ کے دربار میں کھنچی ہوئی ہے

اگر وہ ہاتھ آجاوے گی تو وہ ورق بھیجدونگا ....

(بنام میاں داد خاں سیاح)

"تصویر کا حال یہ ہے کہ ایک مصوٗ صاحب میرے دوست میرے چہرے کی تصویر اُتار کر لے گئے اُسکو تین مہینے ہوئے۔ آج تک بدن کا نقشہ کھینچنے کو نہیں آئے میں نے گوارا کیا آئینہ پر نقشہ اُتروانا بھی۔ ایک دوست اس کام کو کرتے ہیں عید کے دن وہ آئے تھے میں نے اُن سے کہا کہ بھائی میری شبیہ کھینچ دو وعدہ کیا تھا کہ کل تو نہیں پرسوں اسباب کھینچنے کا لیکر آؤنگا۔ یہ پانچواں مہینہ ہے آجتک نہیں آئے ....." (ایضاً)

(۱۸) دیوان اردو کی خراب طباعت سے بیزاری، مرزا کا دیوان مطبع احمدی شاہدرہ دلی میں جسکے مالک محمد حسین خاں اور مہتمم مرزا امو جان تھے پہلی مرتبہ چھپا۔ قیمت چھ آنہ، غالباً یہ دیوان بہت خراب چھپا ہوگا جس کی وجہ سے مرزا اسقدر ناراض و بیزار ہیں۔

"دیوان اردو چھپ چکا۔ ہائے لکھنؤ کے چھاپے خانے۔ جس کا دیوان چھاپا اُسکو آسمان پر چڑھا دیا حُسن خط سے الفاظ کو چمکا دیا! دلی پر اور اُسکے بانی پر اور اُسکے چھاپہ پر لعنت۔ صاحب دیوان کو اس طرح یاد کرنا جیسے کوئی کتے کو آواز دے ...."

(بنام میر مہدی مجروح)

(۱۹) مرزا اپنے بے تکلف دوستوں سے استداد زر میں بے تکلف تھے۔

"یہ تمہارا دعا گو اگرچہ اور امور میں پایہ عالی نہیں رکھتا۔

مگر احتیاج میں اُس کا پایہ بہت عالی ہے، یعنی بہت محتاج ہے، سو دو سو میں میری پیاس نہیں بجھتی۔ تمہاری ہمت پر سو ہزار آفرین جے پور سے اگر مجکو دو ہزار ہاتھ آجاتے تو میرا قرض رفع ہو جاتا اور پھر اگر دو چار برس کی اور زندگی ہوتی تو اتنا ہی قرض اور ملجاتا۔ یہ پانسو تو بھائی تمہاری جان کی قسم متفرقات میں جاکر سو ڈیڑھ سو بچ رہیں گے سو وہ میرے صرف میں آئینگے اور وہ جو سو بابو صاحب منگوائے گئے تھے وہ صرف انگریزی سوداگر کے دینے تھے۔ قیمت اُس چیز کی جو ہمارے مذہب میں حرام اور تمہارے مشرب میں حلال ہے، سو وہ دیے گئے .... " (بنام مرزا تفتہ)

یہ پانسو روپیہ وصول ہو کر حسب ذیل طریقہ سے خرچ کیے گئے :۔

" ہنڈوی بارہ دن کی میعادی تھی چھ دن گذر گئے تھے چھ دن باقی تھے۔ مجکو صبر کہاں مِتی کاٹ کر روپیہ لے لئے قرض متفرق سب ادا ہوا بہت سبکدوش ہو گیا۔ آج میرے پاس سینتالیس روپیہ نقد بکس میں اور چار بوتل شراب اور تین شیشے گلاب کے توشہ خانہ میں موجود ہیں الحمد للہ علی احسانہ .... " (ایضاً)

(۲۰) مرقع نگاری یعنی الفاظ کے ذریعے سے سماں کھینچنا۔ مرزا کے خطوط میں اکثر جگہ اس قسم کے سین ہیں جن میں کسی آدمی یا منظر یا موقع کی ہو بہو تصویر کھینچدی ہے۔ وفادار ماما :۔

" بی وفادار جن کو تم کچھ اور بھائی خوب جانتے ہیں اب تمہاری

پھوپی نے اُن کو وفادار بیگ بنا دیا ہے، باہر نکلتی ہیں نہ سودا تو کیا لائیں گی مگر خلیق اور ملنسار ہیں رستے چلتوں سے باتیں کرتی پھرتی ہیں جب وہ محل سے نکلیں گی ممکن نہیں کہ اطراف نہر کی سیر نہ کرینگی ممکن نہیں کہ دروازہ کے سپاہیوں سے باتیں نہ کرینگی ممکن نہیں کہ پھول نہ توڑیں اور بی بی کو جا کر نہ دکھائیں اور نہ کہیں کہ یہ پھول تمہارے چچا کے بیٹے کی کائی کے ایں یعنی تمھارے چچا کے بیٹے کی کیاری کے ہیں ...." (بنام مرزا علاء الدین احمد خاں)

صاحبوں اور میموں کے آئے اور خیموں میں اُترے کچھ کم تنو صاحب اور
میم جمع ہوے سب سرکار رامپور کے مہمان۔ کل سہ شنبہ ۵ دسمبر حضور پرنور
بڑے تجمل سے آغا پور تشریف لیگئے ۱۲ پر دو بجے گئے اور شام کو ۵ بجے
خلعت پہن کر آئے۔ وزیر علی خاں خانساماں خواصی میں سے روپیہ
پھینکتا ہوا آتا تھا۔ دو کوس کے عرصہ میں دو ہزار سے کم نہ نثار ہوا ہوگا
آج صاحبان عالیشان کی دعوت ہے ٹین اور شام کا کھانا یہیں
کھائینگے۔ روشنی، آتش بازی کی وہ افراط کہ رات دن کا سامنا کریگی

قبضۂ قدرت میں رکھا ۔ آدمی کو بدنام کیا ہے "

بھائی ! کیا پوچھتے ہو۔ کیا لکھوں۔ دلّی کی ہستی منحصر کئی ہنگاموں پر ہے ۔ قلعہ، چاندنی چوک، ہر روز مجمع مسجد جامع کا' ہر ہفتہ سیر جمنا کے پل کی، ہر سال میلہ پھول والوں کا' یہ پانچوں باتیں اب نہیں، پھر کہو دلّی کہاں ۔ ہاں کوئی شہر قلمرو ہند میں اس نام کا تھا۔ نواب گورنر جنرل بہادر ۱۵ دسمبر کو یہاں داخل ہونگے' دیکھئیے کہاں اُترتے ہیں اور کیونکر دربار کرتے ہیں۔ آگے کے دربار میں سات جاگیر دار تھے کہ انکا الگ الگ دربار ہوتا تھا ۔ جھجر، بہادر گڈھ، بلب گڈھ، فرخ نگر، دوجانہ، پاٹودی، لوہارو، چار معدوم محض ہیں جو باقی رہے اسمیں سے دوجانہ، لوہارو۔ تحت حکومت ہانسی حصار پاٹودی حاضر۔ اگر ہانسی حصار کے صاحب کمشنر بہادر اُن دونوں کو یہاں لے آئے تو تین رئیس۔ ورنہ ایک رئیس۔ دربار عام والے مہاجن لوگ سب موجود اہل اسلام میں سے صرف تین آدمی باقی ہیں۔ میرٹھ میں مصطفےٰ خاں سلطان جی میں مولوی صدرالدین خاں، بلی ماروں میں سگِ دنیا موسوم بہ اسد تینوں مردود و مطرود۔ محروم و مغموم، تم آتے ہو چلے آؤ، .... خانچند کے کوچہ کی سڑک دیکھ جاؤ۔ بلاقی بیگم کے کوچہ کا ڈھنیا۔ جامع مسجد کے گرد ستر ستر گز گول میدان نکلنا سن جاؤ "

" شہر کا حال میں کیا جانوں پون[1] ٹوٹی کوئی چیز ہے وہ جاری

[1] یعنی چونگی ۱۲

ہوگئی ہے۔ سوائے اناج اور اُپلے کے کوئی چیز ایسی نہیں جس پر محصول لگا ہو جامع مسجد کے گرد پچیس پچیس فٹ گول میدان نکلے گا۔ حویلیاں ڈھائی جائیں گی۔ دارالبقا فنا ہوجائے گی، رہے نام اللہ کا خانچند کا کوچہ شاہ بولا کے بڑھ تک ڈھے گا۔ دونوں طرف پھاوڑہ چل رہا ہے"

"لو جامع مسجد واگزاشت ہوگئی خلیلی قبر کی طرف سیڑھیوں پر کبابیوں نے دکانیں بنالیں۔ انڈا مرغی کبوتر بکنے لگا۔ دس آدمی مہتمم ٹھہرے۔ مرزا الٰہی بخش، مولوی صدرالدین تفضل حسین خان، تین یہ سات اور، ۷ نومبر ۱۴ جمادی الاول سال حال جمعہ کے دن ابوظفر سراج الدین بہادر شاہ قید فرنگ اور قید جسم سے رہا ہوئے۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ راجعون۔

"آبادی کا حکم عام لوگوں کو کمال لطف اور نرمی سے آباد کرتے جاتے ہیں اور ایک نقل ہنود وہاں کے صاحب کمشنر بہادر اعظم نے جو دیکھا کہ محلے میں ہنود بھی بسے ہوئے ہیں اہل اسلام نہیں ہیں۔ ہنود کو اور علاقوں پر بھیج دیا۔ اور انکی جگہ مسلمانوں کو بھرتی کیا۔"

"عملداری کی وہ صورت ہے جو غدر سے پہلے تھی۔ اب یہاں ٹکٹ چھاپے گئے ہیں میں نے بھی دیکھے۔ فارسی عبارت یہ ہے "ٹکٹ آبادی درون شہر دہلی بشرط ادخال جرمانہ" مقدار روپیہ کی حاکم کی رائے پر ہے آج پانچ ہزار ٹکٹ چھپ چکا ہے۔ کل تو اتوار یوم التعطیل ہے۔ پرسوں دوشنبہ سے دیکھیے یہ کاغذ کیونکر تقسیم ہوں۔"

مضمون بہت طویل ہے اور دلچسپ ہے اور ہم جانتے ہیں کہ مرزا کے قطعات
پر جتنی مرتبہ نگاہ ڈالی جائے گی اُسی قدر اُن کے غوامض اور دقائق اور دلچسپ
باتوں پر عبور ہوتا جائے گا، اور اس دریائے ذخار سے برابر درِ شاہوار نکلتے آئینگے،
اور جس طرح امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام ابو حنیفہ رح کے متعلق فرمایا تھا کہ

اَعِدْ ذِكْرَ نُعْمَانٍ لَنَا اِنَّ ذِكْرَهُ

هُوَ الْمِسْكُ مَا كَرَّرْتَهُ يَتَضَوَّعُ

اُسی طرح مرزا غالب کے ذکر کا اعادہ و تکرار بھی مثل مشک کے ہمیشہ خوشبو دیتے اور
مشامِ جاں کو معطر کرتے رہینگے - مگر بخوف طوالت اور اپنی عاجز بیانی کا اعتراف
کرتے ہوے اور اس شعر کو پڑھتے ہوے کہ

داماں نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار
گلچینِ بہارِ تو ز داماں گلہ دارد

ہم اس مقدمہ کو ختم کرتے ہیں -

خاکسار محمد عسکری عفی عنہ

لکھنو، مورخہ ۱۳ اگست ۱۹۲۹ء

ادبی خطوط مرزا غالبؔ

یعنی

ایسے خطوط جنمیں مرزا نے نکات ادبیہ حل کیے ہیں، اشعار کے معنی سمجھائے ہیں اور شعراء کے متعلق رائے زنی کی ہے،

نمبر ۱

اپنا ذوق فارسی اور مسلک خلاف جمہور۔ شراح غلطی کرسکتے ہیں اور اون کے کلام کو وحی نہ سمجھنا چاہیے۔ "دیوانگری محبت تو" الخ کی تشریح۔ "دیوانگی محبت" اور "دیوانگی و محبت" میں فرق۔ "تا ہر چہ گفتی از تو مکرر شنودمے" کی تشریح۔

اپنا ذوق فارسی اور مسلک خلاف جمہور

(چودھری صاحب شفیق مکرم کی خدمت میں بعد ارسال سلام مسنون عرض کرتا ہوں کہ آپ نے ذرہ پروری اور درویش نوازی کی ورنہ میں سزاوار ستایش نہیں ہوں) ایک سپاہی زادہ ہیچمداں اور پھر دل افسردہ و روان فسردہ۔ ہاں ایک طبع موزوں اور فارسی زبان سے لگاؤ رکھتا ہوں اور یہ بھی یاد رہے کہ فارسی کی ترکیب الفاظ اور فارسی اشعار کے معنی کی پرداز میں میرا قول اکثر خلاف جمہور پائیے گا اور حق بجانب میرے ہوگا۔

شارح غلطی کرسکتے ہیں اور اُن کے کلام کو وحی نہ سمجھنا چاہیے

پہلے میں حضرت سے پوچھتا ہوں کہ یہ صاحب جو شرحیں لکھتے ہیں کیا یہ سب ایزدی سروش ہیں اور اُنکا کلام وحی ہے۔ اپنے قیاس سے معنی پیدا کرتے ہیں۔ یہ میں نہیں کہتا کہ ہر جگہ اُن کا قیاس غلط ہے۔ مگر یہ بھی نہیں کوئی کہہ سکتا کہ جو کچھ یہ فرماتے ہیں وہ صحیح ہے اسی چھاپے میں کہ جسکا آپ حوالہ دیتے ہیں" منکہ باشم عقل کل الخ" اس شعر کی شرح کو ملاحظہ کیجیے عبارت وہ تعقید سے لبریز کہ مقصود شارح کا سمجھا بھی نہیں جاتا اور جب غور و تامل کے بعد سمجھ لیجیے تو وہ معنی ہرگز لائق اس کے نہیں ہیں کہ فکر سلیم اوسکو قبول کرے۔ پھر " احسان تو بشگافتہ الخ" اس مصرع کی توجیہ کتنی بیہودہ اور بے نفع ہے۔ عرفی کو کہاں سے لاؤں جو اوس سے پوچھوں کہ بھائی تو نے اس شعر کے کیا معنی رکھے ہیں۔

دیوانگری محبت تو الخ کی تشریح

دیوانگری محبت تو[1]	کامروز مسلم ست مارا
بیگانہ ز تاج کرد تارک	آوارہ ز کفش کرد پارا

جیسا کہ دوسرے شعر کے مفہوم کو شارح کہتا ہے کہ دیوانگی میں یہ حالت بعید نہیں ایسا ہی اگر کوئی کہے منصب یوانی سے یہ بات بعید ہے تو پھر شارح کیا جواب دیگا۔ ہاں یہ کہیگا کہ غلبہ محبت میں پاس وضع نہ رہا اور دیوان جی صاحب پگڑی سے ننگے سر اور ننگے پاؤں نکل بھاگے۔ ہم نے مانا مگر ہم پوچھتے ہیں کہ "دیوانگی"

---

[1] ان اشعار کی تشریح خط نمبر۲ میں کی گئی ہے [2] عرفی قصیدہ نعتیہ

کیوں نہ لکھیں کہ دوسرے شعر کے معنے بے تکلف منطبق ہو جائیں اور توجیہات درمیان نہ آئیں۔

"دیوانگی محبت" اور "دیوانگی و محبت" میں فرق

فقیر کے نزدیک "دیوانگی محبت" تو صحیح اور بے تکلف ہے اور "دیوانگی و محبت" غلط محض اور "دیوانگری محبت" تو تکلف محض۔ دیوانگی اور محبت دو صفتیں کیوں جمع کریں۔ غور کیجیے عطف واو یہ چاہتا ہے کہ یہ شخص پہلے سے دیوانہ تھا اور پھر اسی حالت میں اس کو محبت پیدا ہوئی۔ دیوانگی میں تاج و کفش بیچا تھی محبت پیدا ہونے کے بعد یہ حالت طاری ہوئی۔ کیا بے مزہ توجیہ ہے۔ ہاں "دیوانگی محبت" یعنی وہ جنون جو فرط محبت میں بہم پہونچا اُسنے اس احوال کو پہونچایا۔ فقیر "دیوانگی محبت" کہیگا اور "دیوانگی و محبت" کہنے کو منع کریگا اور "دیوانگری محبت" کہنے کو نہ مانع آئے گا نہ تسلیم کریگا۔ زیادہ اس سے کیا عرض کروں۔ یاد آوری اور رہنمائی کا شکر بجالاتا ہوں و بس۔

اب یہاں سے روئے سخن حضرت پیر و مرشد صاحب عالم صاحب کیطرف ہے۔ اپنے مخدوم و مطاع حضرت صاحب کیخدمت میں بندگی عرض کرتا ہوں اور حیران ہوں کہ اور کیا کہوں ......

"تا ہرچہ گفتی از تو مکرر شنودمے" کی تشریح

ع تا ہرچہ گفتی از تو مکرر شنودمے "شدمے" کی رعایت سے کہ وہ بیائے مجہول ہے بمعنی "میشد" اکثر صاحب "گفتی" کو بھی بیائے مجہول پڑھتے ہیں تاکہ "میگفت" کے معنی پیدا ہوں۔ اس صورت میں

خطاب سے بطرف غیبت کے رجوع کرتے ہیں اور "گفتی" بیائے معروف کہ صیغہ واحد حاضر ہے ازمنہ میں سے شعار زمانۂ ماضی رکھتا ہے اور "شدن" "شود" یہ سب استقبال کے مقتضی ہیں اور معروف "گفتی" ماضی ہے پس اگر "گفتی" بیائے معروف کہیے تو اوپر کے مصرعہ میں "بُدی" کہنا ہوگا۔ بودی کا مخفف۔ خلاصہ یہ کہ اگر وہاں "بدی" کہیے تو یہاں "گفتی" بیائے معروف بے تکلف درست اور بیائے مجہول غلط ہے اور اگر وہاں "شدے" کہیے تو یہاں "گفتے" بیائے مجہول کہیے۔ غیبت اور خطاب کا تفرقہ مٹا دیجئے۔ "گفتے" بیائے مجہول میں خطاب حاضر مقرر رہتا ہے۔ اور تو کا لفظ جو قریب ہے وہ اس معنی کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ نظائر اُسکے فارسی میں بہت ہیں۔ رباعی کے باب کی پرسش ہرگز نہ رہے۔ نہیں کہی زیادہ حد ادب (بنام چودھری عبدالغفور سرور)

نمبر ۲

تکمیل فارسی کے واسطے مناسبت طبیعت اور تتبع اہل زبان ضروری ہے۔

تشریح ؎ منکہ باشم عقل کل را ناوک انداز ادب + مرغ اوصاف تو از اوج بیان انداختہ

تشریح ؎ انعام تو بر دوختہ چشم دہن آز + احسان تو بشگافتہ ہر قطرۂ یم را

تشریح ؎ ناموس نگہداشتی از جود نگیتی + جز پردگیان حرم معدن دیم را

؎ وقت است کہ این قوم بہر کوچہ بازار + پرسند زہم فشار رسوائی ہم را

رباعی کی حقیقت۔ رباعی خاقانی ذوقافیتین۔ رباعی غالب۔ اقسام نثر۔

رقعۂ غالب درنثر مرجز (بلینک ورس)

تکمیل فارسی کے لیے مناسبتِ طبیعت اور تتبع اہلِ زبان ضروری ہے۔

(بندہ پرور مہربانی نامہ آیا سر پر رکھا آنکھوں سے لگایا) فارسی کی تکمیل کے واسطے اصل الاصول مناسبت طبیعت کی ہے۔ پھر تتبع کلام اہل زبان لیکن نہ اشعار قتیل و واقف و شعرائے ہندوستان کہ یہ اشعار سوائے اسکے کہ ان کو موزونی طبع کا نتیجہ کہیئے اور کسی تعریف کے شایاں نہیں ہیں۔ نہ ترکیب فارسی نہ معنی نازک۔ ہاں الفاظ فرسودہ عامیانہ جو اطفال دبستاں جانتے ہیں اور جو متصدی نثر میں درج کرتے ہیں وہ الفاظ فارسی یہ لوگ نظم میں خرچ کرتے ہیں۔ جب رودکی و عنصری و خاقانی و رشید وطواط اور اُن کے امثال و نظائر کا کلام بالاستیعاب دیکھا جائے اور اُن کی ترکیبوں سے آشنائی بہم پہونچے اور ذہن اعوجاج کیطرف نہ لیجائے تب آدمی جانتا ہے کہ ہاں فارسی یہ ہے۔

منکہ باشم عقل کل را ناوک اندازِ ادب[1]
مرغ اوصاف تو از اوج بیاں انداختہ

"منکہ باشم" اس کی جو شرح چھاپہ میں لکھی ہے اوسکو ملاحظہ کیجیے اور معنی میرے خاطر نشان کیجیے تو میں سلام کروں۔ پہلے نظر یہاں لڑنی چاہیے کہ "از اوج بیان انداختہ" کا فاعل کون ہے اور مفعول کون ہے۔ اگر "عقل کل" کو انداختہ کا مفعول اور "منکہ" کے کاف کو کدامیہ ٹھہراوُگے تو بے شبہہ "انداختہ" کے فاعل دو ٹھہرینگے

[1] عرفی قصیدہ حمد

ایک " ناوک انداز ادب " اور ایک " مرغ اوصاف تو " - ایک فعل اور دو فاعل یہ کیا
طریق اور کیسی تحقیق ہے - اب فقیر سے اُسکے معنے سُنیے " من " " انداختہ "
کا مفعول " را " مقدر " منکہ " کا کاف توصیفی " ناوک انداز ادب " ادب آموز
یعنی اُستاد " مرغ اوصاف تو " فاعل - مجھکو کہ عقل کل کا اُستاد ہوں تیرے
مرغ توصیف نے اوج بیان سے گرا دیا عقل کل تک کہ وہ علویوں میں اعلیٰ ہے
اُسکا ناوک پہونچ سکتا، مگر مرغ اوصاف اوس مقام پر ہے کہ یہاں اس
ناوک انداز کو ناوک پہونچانے کی گنجایش نہیں - اوج بیان سے گرنا عاجز آنا
ہے قدرت وہ کہ عقل کل سے بھی زیادہ اور عجز یہ کہ اوج بیان سے گر گیا - اچھا
مبالغہ ہے مرغ اوصاف کی بلندی کا - اور کیا خوب مضمون ہے اظہار عجز باوجود
دعوی قدرت کا -

انعام تو بر دوختہ چشم دہن آز
احسان تو بشگافتہ ہر قطرہ یم را[۱]

انعام تو بر دوختہ چشم دہن آز احسان تو بشگافتہ ہر قطرہ یم را
پہلے مصرع کے تو معنے وہی ہیں جو چھاپے میں لکھے
ہیں مصرعہ ثانی کی شرح میں گمراہ ہو گیا " احسان تو ہر قطرہ دریا بشگافت تا ہم بقید
حباب نیامد " - یہ ہیچمدان اس معنی کے معنی نہیں سمجھا - سیدھی بات ہے مگر خیال میں
جب آئیگی کہ اساتذہ کے مسلمات معلوم ہوں - کمال ایثار و عطا میں مروارید

---

[۱] عرفی - قصیدہ نعتیہ

دیا قوت اور بحسرِ معدن کی کم حقیقتی آتی ہے لعل و دُر کا معدوم ہو جانا اور بحسرِ کان کا خالی رہ جانا نئی نئی طرح سے باندھا ہے۔ چنانچہ میں نے کسی زمانے میں اسی زمین میں ایک قصیدہ لکھ کر وزیر الدولہ والی ٹونک کو بھیجا تھا۔ اُس میں کے دو شعر آپ کو لکھتا ہوں۔

ناموس نگہ داشتی از جود دگیتی [1] | جز پردگیان حرم معدن ویم را
دفت است کہ این قوم بہر کوچۂ بازار | پرسند ز ہم نشار رسوائی ہم را

ناموس نگہ داشتی از جود دگیتی
جز پردگیان حرم معدن ویم را
دفت است کہ این قوم بہر کوچۂ بازار
پرسند زہم نشار رسوائی ہم را

"پردگیان حرم معدن ویم" لعل و گوہر جو کثرتِ ایثار سے کوچہ و بازار میں خاک آلودہ پڑے ہوئے ہیں۔ وہ باہم دگر در دمندانہ یہ گفتگو کرتے ہیں کہ اس شخص نے سب کی حرمتیں رکھ لیں اور سب کی آبروئیں بچائیں ہم کو اس قدر بےحرمت اور ذلیل کیوں رکھا ہے۔ قطرۂ دریا کا حساب کے واسطے چیز نا یجا ہے مقولہ عرفی کا یہ ہے کہ جتنے موتی دریا میں ہاتھ آئے وہ بخشدیے اور بخشش کا ذوق باقی رہا۔ چونکہ قطرہ میں بالقوۃ استعداد موتی ہو جانے کی ہے تو اس احتمال سے ہر قطرۂ دریا کو چیر ڈالا اگر موتی ہاتھ

---

[1] قصیدۂ غالب در مدح وزیر الدولہ والی ٹونک

آویں تو وہ سائلوں کو دیئے جاویں[1]۔ پہلے مصرعہ میں حرص کا سیر کر دینا موافق مسلمات شعر ممتنع۔ اور اسکا مرفوع میں آنا اغراق۔ دوسرے مصرعہ میں باحتمال استعداد بالقوۃ قطرہ کو چیر ڈالنا اور پھر اس طرح کہ ہر قطرہ کو۔ یہ اغراق سے گذر کر تبلیغ وغلو ہے۔

یہان سے خطاب حضرت صاحب عالم کیطرف ہی (مخدوم مکرم و مطاع معظم قبلۂ دیدہ و دل) کہ جو میرے اور اپنے ملنے کو از قسم فرض محال نہیں مانتے ہیں۔ خدا کرے ایسا ہی ہو جیسا وہ جانتے ہیں۔ تقصیر معاف ہو اگر دنیا میں ظہور ہر امر کا بحسب مساعدت اسباب ہے تو اس تمنا کا حصول مانند اعادۂ شباب ہے

[1] مختصر یہ کہ شارح کے معنے کے مطابق تو احسان نے دریا کے قطروں کو اسواسطے چیرا کہ وہ بذل وعطا کے حساب میں پورے پڑ جائیں۔ مگر مرزا صاحب کے معنی نہایت شاعرانہ اور لطیف ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ قطرے چیرنے کی غرض یہ تھی کہ اون میں استعداد موتی بننے کی دریافت کیجائے اگر اُن میں ایسی استعداد پائی تو وہ سب موتی انعام میں دیدیئے۔

وان فاق الوری فی الجنس والفصل
فان الدر بعض القطر فی الاصل

یہ شعر علامہ عبد الجلیل بلگرامی کا مرزا کے خیال اور معانی کی تصدیق کرتا ہے علی ہذا القیاس متنبی کا شعر

وان تفق الانام وانت فیھم — فان المسک بعض دم الغزال

بھی انہیں معانی کا مؤید ہے۔

کوئی وجہ نہیں پاتا آپ کے یہاں تشریف لانے کی اور کوئی صورت نظر نہیں آتی میرے وہاں آنیکی (اگرچہ حیز امکان سے باہر نہیں مگر وقوع میں تامل ہے) اب جو بھائی منشی نبی بخش صاحب کو خط لکھونگا تو آپکا سلام ضرور لکھ دونگا۔ آپنے احباب ابعاض کی خیر و عافیت عموماً لکھی بالتخصیص حضرت شاہ عالم صاحب کا سلام نہ لکھا کیا وہ وہاں نہیں ہیں اور اگر کہیں ہیں تو اونکا حال مجھکو لکھئے اور اگر وہاں ہیں تو میرا سلام اونکو کہئے ؎

رباعی کی حقیقت | رباعی کے باب میں بیان مختصر یہ ہے کہ اُسکا ایک وزن معین ہے۔ عرب میں دستور نہ تھا سوائے عجم کے۔ یہ بحر ہزج میں سے نکالا ہے "مفعول مفاعلن فعولن" ہزج مسدس اخرب مقبوض مقصور۔ اس وزن پر "فعلن" بڑھا دیا ہے "مفعول مفاعلن فعولن فعلن"۔ زحافات اس میں بعض کے نزدیک اٹھارہ اور بعض کے نزدیک چوبیس ہیں اور وہ سب جائز اور روا ہیں اور اس بحر کا نام بحر رباعی ہے۔ رباعی سچ ہے کہ سوائے اس بحر کے اور بحر میں نہیں کہی جاتی اور یہ جو مطلع اور حسن مطلع کو رباعی کہتے ہیں اس راہ سے کہ چار مصرعے ہیں کہو ورنہ رباعی نہیں ہے نظم ہے۔ قدما کو بیشتر اسکا التزام تھا کہ ہر مصرعہ میں قافیہ رکھتے تھے۔

رباعی خاقانی ذوقافیتین | خاقانی برعایت صنعت ذوقافیتین کہتا ہے رباعی

من بودم و آن نگار روحانی روئے | افگندہ دران دو زلف چوگانی گوئے

خلقے بدر ایستادہ خاقانی جوئے ۔۔۔ من در حرم وصال سبحانی گوئے

ایک رباعی | میں پانچ سات برس سے بہرا ہو گیا ہوں ایک رباعی چار قافیہ کی اس مضمون خاص کی میں نے لکھی ہے بے رعایت صنعت ذو قافیتین رباعی دارم دل شاد دیدہ بینائے ، وزکری گوشم بنود پروائے ، خوبست کہ نشنوم زہر بو دلائے ، گلبانگ انا ربکم الاعلائے ۔ فقیر اس باب میں متعصب ہے اور وزن کی دو بیت میں قافیہ والی کو رباعی نہ کہیگا ۔

اقسام نثر | (۱) نثر عاری نہ قافیہ نہ وزن (۲) نثر مسجع قافیہ موجود وزن مفقود ۔ مگر اس میں تسجیع کی رعایت ضرور ہے یعنی فقرہ میں کے الفاظ متماثل اور ملائم ہمد گر ہوں اور اگر یہ بات نہ ہوگی اور صرف قافیہ ہوگا تو اسکو مقفے کہینگے نہ مسجع (۳) نثر مرجز وہ ہے کہ وزن ہو اور قافیہ نہو جب آپ لا الہ قتیل کے گڑھے ہوئے فقرے دیکھ چکے ہیں تو مجکو فقرہ تراشی کی تکلیف کیوں دیتے ہیں زمانہ گزشتہ میں بھائی ضیاء الدین خانصاحب نیر تخلص ایک مختصر سا دیوان حضرت نظامی کا مجکو دکھلانے لائے تھے اُس میں نثر مرجز تھی میں اُس دن نواب مصطفےٰ خاں حسرتی کو خط لکھا چاہتا تھا اسی وضع پر خط لکھا اور وہ خط "پنج آہنگ" میں ہی مگر میں نے اس طرز میں بمقتضائے شوخی طبع یہ بات کی ہو کہ ایک جگہ جو فقرے مقفی ہو گئے ہیں اور وہ لفظ مجکو پسند آگئے ہیں میں نے اسکو یوں ہی رہنے دیا ہو ۔ اسکو دستور میں تصور نہ کیجئے گا وہ رقعہ یہ ہے[۱] ۔

---

[۱] ایسے اصحاب کے لیے جو مرزا غالب کے کلام کے عاشق تو ضرور ہیں مگر (بقیہ نوٹ صفحہ آیندہ پر)

رقعہ غالب در نثر
مرحوم رلبنیک درس

ہاں خواجۂ بے پروا! من بندہ کہ غمناکم، وز غصہ جگر چاکم، خواہم سخنے گفتن، آں روز کہ می رفتند، آں نامہ فرستادند، کز دیدن آں خوں شد، دل تا جگراز اندہ، گفتم چہ کنم غالب، چوں کار دگرگوں شد، می بایدم اینک رفت، تا عذر سخن خواہم، چون گرد و غبارے بود، رفتن نتوانستم،

اُن کی بولی نہیں سمجھتے اور نہ سمجھنے کی زحمت گوارا فرماتے ہیں اس خط کا مضمون صاف اور عام فہم اردو میں لکھا جاتا ہے تاکہ ہر شخص اسکو سمجھ لے اور یہ دیکھے کہ مرزا معمولی معمولی باتوں کو کس شاعرانہ انداز سے اور کیسے دلچسپ پیرایہ میں بیان کرتے ہیں۔ یہ خط نواب مصطفےٰ خان شیفتہ کے نام ہے جن سے مرزا صاحب کو کمال محبت اور خلوص تھا اور انکو بھی مرزا صاحب سے حد درجہ کی عقیدت اور محبت تھی۔ مرزا کو نواب صاحب سے اُن کی بے پروائی کی سخت شکایت ہے اسی وجہ سے خط میں انکو "خواجۂ بے پروا" کے القاب سے یاد کرتے ہیں اور لکھتے ہیں:۔

"مجکو نہایت افسوس اور رنج ہے اور اسی رنج میں میں آپ کو یہ خط لکھ رہا ہوں۔ جس دن آپ جانیوالے تھے اور وہ رقعہ بھیجا تھا تو اُسکو پڑھ کر مجھے بیحد افسوس ہوا۔ میں دل میں سوچا کہ اب کیا کروں؟ کام بگڑ گیا مجکو اسی وقت جاکر معذرت کرنا چاہیے۔ جانے کو بالکل تیار تھا مگر شدت گرد و غبار کیوجہ سے نہ جا سکا۔ پھر شام ہوگئی اور بالکل اندھیرا ہوگیا۔ میں اُسی رنج و غم میں پڑ رہا مگر سوتا کیا خاک۔ غم زدوں کو کہیں نیند آتی ہے۔ اسی حالت میں صبح ہوگئی اور آفتاب نکل آیا۔ اور میں نے اُسی کرب بیچینی میں دلکا راز زبان پر (بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ پر)

آں روز بشام آمد، لا بلکہ سیہ تر شد، سر ماندہ ببالیں بر چوں
غمزدگاں ختم، ہے ہے چہ تواند خفت، آں خستہ کہ غمخوارش، بر زخم
نمک ریزد، وز دیدۂ بیدارش، شور آبہ رواں باشد،
چوں از اُفق شرقی خورشید درخشندہ، ناگاہ سرے برزد، آتش
بجہاں در زد، مرغ سحری پر زد، رفتم بجگر کاوی، واں راز نہانی
را، از دل بزباں دادم، در صورت تنہائی، بے پردہ چو ہمرازاں
نے آمد و ہمدم شد، چنداں کہ دم اندر نے، از مہر دمید مَن،
چوں من نبوا آمد زاں نالہ کہ بر لب بود، از باطن نے سر زد، آں
دم کہ نفس با نے، زیں گونہ کشاکش کرد، یک کاغذ نوشتہ،
بود است بدستم در، چوں نالہ نمودے داشت، زاں شعلہ کہ دودے
داشت، بر صفحہ نشاں ہا ماند، گفتم مگر ایں صفحہ، غمنامۂ راز استے،

لانا چاہا ناگاہ اُسی عالم تنہائی سے ایک صورت مثل نے کے پیدا ہوئی اور میری مونس و غمخوار
بنی۔ میں نے چاہا کہ اپنے نالوں کا اظہار اُس کی آواز سے کروں مگر اُسکی آواز بھی میرے نالوں کی
طرح درد انگیز تھی۔ جس وقت کہ میری سانس میں اور نے میں کشاکش جاری تھی۔ میں نے ایک سادہ
کاغذ اٹھایا اور جو دھواں کہ میرے دل سے اُسوقت اُٹھ رہا تھا وہ نقوش کی صورت میں کاغذ
پر جسم گیا اور ایک تحریر کی صورت اُسنے اختیار کرلی۔ اُس کاغذ کو جو میرا دلی راز اور نیز دلی نیاز
تھا۔ میں نے خط سمجھکر موڑا اور فوراً اوسکو لفافہ میں بند کرکے اور (بقیہ نوٹ صفحہ آیندہ پر)

فہرست نیاز استے، باید کہ فرد بچیم، وانگہ بہ نشا مندی، زی خواجہ رواں سازم، کوتاہ کنم گفتن، آں نامہ کہ من گفتم، حجاب درِ والا، بردند و رواں کردند،

ہرچند در اندیشہ پیداست کہ خوش باشد، با خواجگی استغنا، با ایں ہمہ خوش نبود، پوزش نہ پذیرفتن،

امروز سحرگاہاں، روشن گہر، آں نیر، کش روح رواں دانم، بل خوبتر ازاں دانم، دیوان نظامی را، آورد بسوئے من، زیں گونہ نواہا بود در پردۂ گفتارش، کز ذوق بہ ہنجارش، ایں زمزمہ سرکردم، بالا گہر اکبر خاں، خوانند سلام از من (بنام چودھری عبد الغفور سرور)

نمبر ۳

"دستنبو" کیونکر شروع ہوئی "من آں دریائے آشوبم کہ از تاثیر خاصیت" کی شرح

بندہ پرور (آپ کا تفقد نامہ محررہ پندرہ نومبر آج پنجشنبہ کے دن

تیرہ لکھے آپ کی خدمت میں روانہ کیا۔ ہرچند کہ جانتا ہوں کہ آپ کی شان شایان بے پروائی و استغنا ہے مگر پھر بھی کسی کا عذر نہ قبول کرنا اچھی چیز نہیں ہی۔ آج میرے عزیز و حبیب ضیاء الدین خان نیر آئے تھے اور دیوان نظامی نسخہ مجھے دکھانے لائے تھے اس میں ایک ایسی دلکش چیز نظر پڑی کہ اسی طرز پر یہ خط آپکو لکھ رہا ہوں۔ اکبر خاں صاحب کو میرا سلام پہونچے"

اٹھارہ نومبر کو یہاں پہونچا۔ مارہرہ کا خط دلی چوتھے دن آیا۔ ہر دلی کا خط مارہرہ دیر میں کیوں پہونچتا ہے۔ لو تمہاری خوشی اب کی یہ خط بیرنگ بھیجتا ہوں۔ مگر مجھکو اطلاع دیجیئے گا کہ کس دن پہونچا۔

"دستنبو" کیونکر شروع ہوئی

۱۱ رمئی ۱۸۵۷ء کو یہاں فساد شروع ہوا میں نے اُسی دن گھر کا دروازہ بند اور آنا جانا موقوف کردیا۔ بے شغل زندگی بسر نہیں ہوتی۔ اپنی سرگزشت لکھنا شروع کی۔ جو سُنا گیا وہ بھی ضمیمہ سرگزشت کرتا گیا۔ مگر بطریق لزوم مالایلزم اسکا التزام کیا ہے کہ زبان فارسی قدیم جو دساتیر کی زبان ہے اُس میں یہ نسخہ لکھا جاوے اور سوائے اسما کے کہ وہ نہیں بدلے جاتے کوئی لغت عربی اس میں نہ آوے چنانچہ ایک نسخہ آپ کی خدمت میں بھیجتا ہوں مگر یہ نذر ہے جناب قبلہ و کعبہ حضرت صاحب عالم صاحب کی۔ اور چونکہ وہ آپکے بزرگ ہیں جرأت نہ کرسکا کہ آپ کی نذر کروں اور سیر میں اونکو مشترک رکھوں نذر اون کی ہو اور فیضیابی آپکی مطالعہ سے۔ ہیہات یہ کاتب اساتذہ کے کلام کو کیا بگاڑ دیتے ہیں گویا مسخ کردیتے ہیں۔ اُنسے بعید نہیں لیکن تمسے اور حضرت صاحب سے بعید ہے کہ سہو کاتب کا نہ سمجھ لیا۔

من آں دریائے آشوبم کہ از تاثیر خاصیت الخ[۵]

دو کا فونکا علی التواتر آنا دوسری بات ہے۔

---

۵ عرفی کے ایک قصیدہ نعتیہ کا اڑتالیسواں شعر ہے ؎ من آں دریائے آشوبم کہ از تاثیر خاصیت * بود تسکین ست موج انگیز و آرام است طوفانش۔ یہ قصیدہ خاقانی کے اس قصیدہ کے جواب میں ہے جسکا مطلع یہ ہے ؎ دل من پیر تسلیم است و من طفل زباں دانش الخ

"دریائے آشوب" کیا ٹکسال باہر لفظ ہے۔ استعارہ یا کنایہ صحیح مگر یہ محل نہیں ہے۔ یہاں تو دریا چاہیئے بے شایبہ استعارہ و کنایہ۔ عیاذاً باللہ عرفی اگر ایک بڑا قدح بھنگ کا یا ایک بوتل شراب کی پیئے ہوئے ہوتا تو بھی یوں نہ لکھتا۔ اُس غریب کا مصرعہ یوں ہے سے من آں دریا پُر آشوبم کہ از تاثیر خاصیت"۔ "دریا" موصوف "پُر آشوب" صفت۔ دوسرے مصرعہ کا کاف صفت کی تفسیر۔

(بنام چودھری عبدالغفور سرور)

نمبر ۴

قتیل کی نسبت رائے۔ "کدہ" کی ترکیب دیگر الفاظ کے ساتھ۔ نثر مرجز اور نثر مقفےٰ کا فرق۔ نظامی اور ظہوری کی نثروں کے اوزان۔ اقسام نثر مسجع اور مُرصّع کا فرق۔ "حاشا" اور "حاش للہ" اسکی نسبت عیشی کی رائے "ہمہ عالم" کے اعتراض کا جواب۔ "انتظار" اور "انتظاری"

اب خطاب بجناب حضرت عالم صاحب کیطرف ہے پیر و مرشد قلم کا کام زبان سے لینا یعنی تحریر کے مطالب کو پڑھنا اور پڑھا دینا آسان ہے اور زبان کا کام قلم سے لینا دشوار ہے۔ یعنی جو کچھ کہا چاہیئے اُسکو کیونکر لکھا چاہیئے۔ وہ بات کہاں کہ کچھ میں نے عرض کیا کچھ آپنے فرمایا دو چار باتوں میں جھگڑے نے انجام پایا۔ خیر دولت ہمزبانی کہاں میسر۔ آپکے حکم بجا لانے کو اپنا شرف جانتا ہوں اور عرض کرتا ہوں کہ نظامی کا ایسا ہوا کہ جبتک فرخ آباد کا کھتری دیوانی سنگھ تم

قتیل | متخلص بہ قتیل جس کو حضرت نے مرحوم لکھا ہے اُسکی تصدیق نہ کرے تب تک اُسکا کلام قابل استناد نہو قتیل اساتذہ سلف کے کلام سے قطعاً آشنا ہی نہیں اُسکے علم فارسی کا ماخذ اُن لوگوں کی تقریر ہے جو کہ نواب سعادتعلیخاں کے وقت میں ممالک مغربی کی طرف سے لکھنؤ میں آئے اور ہنگامہ آرا ہوئے بیشتر سادہ کشمیری یا کابلی و قندہاری دکرانی احیاناً کوئی عامہ اہل ایران میں سے بھی کوئی ہو مانا کہ عظماے ایران سے بھی کوئی ہوگا۔ تقریر اور ہے تحریر اور ہے۔ اگر تقریر بعینہ تحریر میں آیا کرے تو خواجہ بقراط اور شرف الدین علی یزدی اور ملا حسین واعظ کاشفی اور طاہر وحید یہ سب نثر میں کیوں خون جگر کھایا کرتے۔ وہ سب اسطرح کی نثریں جو لالہ دیوانی سنگھ قتیل متوفی نے بتقلید اہل ایران لکھی ہیں نہ رقم فرمایا کرتے۔

"کدہ" کی ترکیب دیگر الفاظ کیساتھ | یہ شخص مدعی ہے کہ "کدہ" کا لفظ سوائے پانچ چار اسم کے اور اسم کیساتھ ترکیب نہیں پاتا۔ پس "آرزو کدہ" اور "دیوکدہ" اور "نشترکدہ" اور مثال اسکے جو ہزار جگہ اہل زبان کے کلام میں آیا ہے وہ نادرست ہے۔ میں اور آپ بیٹھیں اور اسکے خرافات پڑھے جائیں اور جو میں عرض کروں اوس پر حضرت غور فرمائیں تب معلوم ہو کہ یہ کتنا لغو اور فارسی دانی سے کتنا بیگانہ ہے۔

نثر مرجز اور نثر مقفےٰ | آمدم بر سر مدعا۔ نثر مرجز اُسکو کہتے ہیں کہ وزن ہو اور قافیہ نہو

مقابل مقفی کے کہ قافیہ ہو اور وزن نہو۔ اور یہاں یہ بھی سمجھا چاہیے کہ وزن میں قید

نظامی اور ظہوری کی نثر کے اوزان | منظور نہیں مثلاً حضرت نظامی علیہ الرحمۃ کی

نثر کا وزن یہ ہے۔ مفعول مفاعیلن مفعول مفاعیلن۔ حضرت ظہوری علیہ الرحمۃ

فرماتے ہیں، ”راتیش سروبن گلشن فتح خنجرش ماہی دریائے ظفر۔ یہ نثر مرجز

ہے وزن اسکا فعلاتن فعلاتن فعلن۔ کاتبوں نے مقفےٰ کرنیکے واسطے

صورت بدل دی ہے اور کچھ تصرف کیا ہے کہ

نثر مرجز رہی نہ مقفےٰ۔ چنانچہ اساتذہ فن ”لن تنالوا البر

حتیٰ تنفقوا“ اس آیت سراسر ہدایت اثر کو نثر مرجز کہتے ہیں اور اُسکا وزن یہ ہے

فاعلاتن فاعلاتن فاعلن ”و یرزق من حیث لا یحتسب“ اسکا وزن فعولن

فعولن فعولن فعول۔

اقسام نثر | بندہ کی تحقیقات یہی ہے کہ نثر تین قسم ہے۔ مقفےٰ قافیہ ہے اور وزن

نہیں۔ مرجز وزن ہے اور قافیہ نہیں۔ عاری نہ وزن ہے نہ قافیہ۔ مسجع ہی

مقفی ہے کہ دونوں فقروں میں الفاظ ملائم اور متناسب ہمہ گر ہوں۔

مسجع اور مرصع کا فرق | نظم میں یہ صنعت آپڑے تو اُنکو مرصع کہتے ہیں اور نثر اس صنعت

پر مشتمل ہو تو اُسکو مسجع کہتے ہیں۔ اس قاعدہ کو نہ عبد الرزاق بدل سکتا ہے

نہ صاحب ”قلزم ہفتگانہ“ نہ یہ قطرہ ہی بے سروپا۔

حاشا اور حاش للہ | ”حاشا و حاش للہ“ کلام اہل عرب میں اسیطرح ہے

جس طرح آپ فرماتے ہیں مگر پارسیوں نے ازراہ تصرف کے بمعنی "زنہار" قرار دیا ہے یعنی تاکید۔ اگر منفی پر آئے تو نفی کی تاکید اور مثبت پر آئے تو اثبات کی تاکید۔ میں کسی کلمہ کا استعمال نہیں کرتا جبتک اہل زبان کے کلام میں نہیں دیکھتا۔

اسکی نسبت عیشی کی رائے

عیشی بیچارہ اسکے لائق نہیں کہ مستند علیہ پڑے مگر یہ لفظ غلط نہیں لکھا ہے اُس غریب نے۔ حضرت قبلہ فارسیوں کے تصرفات اگر دیکھئے تو حیران رہ جائیے۔ مجکو اسوقت کہاں یاد ہے اور کتاب کے نام تو کوئی ورق بھی لکھا ہوا میرے پاس نہیں۔ "حاشا" کا کوئی شعر مؤکد نفی اگر یاد آجائیگا تو آپ کو لکھا جائیگا۔ سہ۔ ہرزہ مشتاب و پے جادہ شناساں بردار + ایکہ در راہِ سخن چوں تو ہزار آمد و رفت +

یہ مثنوی جس میں یہ مصرعہ ہے ع حاش للہ کہ بدنی گویم + کلکتہ میں میں نے لکھی ہے۔ پانچہزار آدمی فراہم تھے اور جو اعتراض مجھپر کیے تھے اُس میں سے

"ہمہ عالم" کے اعتراض کا جواب

ایک اعتراض یہ تھا کہ "ہمہ عالم" غلط ہے یعنی "ہمہ" کا لفظ "عالم" کے ساتھ ربط نہیں پا سکتا۔ قتیل کا حکم یوں ہے۔ عرض کیا گیا کہ حافظ کہتا ہے ع ہمہ عالم گواہ عصمت اوست + سعدی کہتا ہے ع عاشقم بر ہمہ عالم کہ ہمہ عالم ازوست۔ غرض اس تحریر سے یہ ہے کہ مثنوی ہاں لکھی گئی اور ایک ایک نقل مولوی کرم حسین بلگرامی اور مولوی عبدالقادر رام پوری اور مولوی نعمت علی

عظیم آبادی اور اُن کے امثال اور نظائر کے پاس بھیجی گئی۔ اگر یہ لوگ جگہ پاتے تو میری کھال اُدھیڑ ڈالتے۔ اب ایک نسخہ ہے "ابطال ضرورت" اگرچہ صاحب اُسکا ہندی ہے بلکہ ہندو ہے مگر قابل اچھا ہے۔ دیکھیے اساتذہ کیا کیا تصرفات نمایاں کر گئے ہیں۔

"انتظار" اور "انتظاری" میں نے آج تک اردو میں "انتظاری" بمعنے "انتظار" نہ آپ لکھا نہ اپنے شاگردوں کو لکھنے دیا۔ اساتذہ مسلم الثبوت کے ہاں فارسی میں موجود ہے حاشا ایسا نہیں کہ اُن میں فارسی والوں کو تامل ہو۔ زیادہ حد ادب

(بنام چودھری عبدالغفور سرور)

نمبر ۵

مرزا اہل زبان کے پیرو اور ہندیوں میں سوائے امیر خسرو دہلوی کے سب کے منکر ہیں۔ "قاطع برہان" کی تیاری۔ "انگبین و شہد ناب" اور "حرص و آز" کی تصحیح۔ "کمیاب" اور "نایاب" ۔ "کم" کی ترکیب دیگر الفاظ کے ساتھ۔ "اندک" بمعنی "کم" ۔ نثر مرجز اور نثر مسجع۔ اقسام ثلاثہ نثر۔ صاحب "دستور شگرف" اور ملا غیاث الدین کی رائے کی تنقید درباب "وزن" اور "سجع"

یہاں سے روئے سخن صاحب عالم صاحب کیطرف ہے۔ جناب فیض مآب مولائی و مرشدی تسلیم قبول کریں۔ اور اُس تحریر سے جواب میرے پاس بھیجی ہے

مجکو شاداں اور اپنے بخت اور قسمت پر نازاں تصور فرمادیں۔ سب سمجھا اور سب مطالب کا جواب لکھتا ہوں پہلے اپنا ایک شعر کمال گستاخی کو کارفرما کر لکھتا ہوں اور یہ نہیں لکھتا کہ یہ شعر میں نے کیوں لکھا ہے شعر یہ ہے

مرا بہ غیر زیک ضبط در شمار آورد — فغاں کہ نیست زپروانہ فرق تا مگسش

مرزا اہل زباں کے پیرو اور ہندیوں میں سوائے امیر خسرو دہلوی کے سب کے منکر ہیں

بہرحال حضرت کو یہ معلوم ہے کہ میں اہل زبان کا پیرو اور ہندیوں میں سوائے امیر خسرو دہلوی کے سب کا منکر ہوں جب تک قدما یا متاخرین میں مثل صائب و کلیم و اسیر و حزیں کے کلام میں کوئی لفظ یا ترکیب نہیں دیکھ لیتا اسکو نظم اور نثر میں نہیں لکھتا۔ جن لوگوں کے محقق ہونے پر اتفاق ہے جمہور کو اُن کا حال کیا گزارش کروں۔ ایک اُن میں صاحب "برہان قاطع" ہے۔ اب اِن دنوں میں برہان قاطع دیکھ رہا ہوں اور اُس کے فہم کی غلطیاں نکال رہا ہوں اگر زیست باقی ہے تو اِن نکات کو جمع کر کے اِس نسخہ کا نام

"قاطع برہان" کی تیاری

"قاطع برہان" رکھوں گا۔ ع ۔ کجا بود منزل کجا تا ختم

"انگبین و شہد ناب" اور "حرص و آز" کی تصحیح

شعر فردوسی میں "انگبیں و شہد" اور شعر استاد میں "حرص و آز" واقعی بادی النظر میں زائد معلوم ہوتا ہے۔ "شیر ناب" بہتر ہے لیکن حرص و آز کو کیا کیجیے گا۔ میں عرض کرتا ہوں کہ وہاں بھی "خشم و آز" ہے ہرگز حرص و آز نہیں۔ حکما اور صوفیہ قوت غضبی اور قوت شہوی

کی تعدیل میں منہمک کرتے ہیں۔ قوت غضبی کی اصلاح سے فضیلت شجاعت اور قوت شہوی کی اصلاح سے فضیلت عفت حاصل ہے۔ اور یہ مسئلہ علم اخلاق میں مبرہن ہے۔ "دو دیدۂ من حرص و آز" بے معنے محض۔ اُستاد کو بدنام کیا۔ ایک اسم دو مسمے تراشے۔ واحد حقیقی کا تثنیہ۔ اِس سے علاوہ مرد عارف حکیم نے قوتِ شہوی کی اصلاح کا ذکر کیا اور قوت غضبی کا مذکور بھی نہ کیا۔ میں نے خود "خشم و آز" دیکھا ہے اور یہی بجا ہے۔ شہد کی جگہ شیر اور حرص کی جگہ خشم درست۔ میری رائے آپ کی رائے کے مطابق۔

"کمیاب" اور "نایاب" | گر "گوگرد سُرخ" اور "پیل سفید" میں ساکت ہوں۔ یہ تقریر کہ "گوگرد سُرخ" کمیاب اور "پیل سفید" نایاب ہے میرے دلنشین نہوئی۔ کبریتِ احمر اور کیمیا اور عنقا ان سب کا ایک حکم ہے۔ نظراس قاعدہ پر "لعل سفید" بہتر ہے اور "کبریتِ احمر" اور "پیل سفید" بے جوڑ ہے جیسے امیر خسرو کی انملیاں۔

"کم" کی ترکیب دیگر الفاظ کے ساتھ | ایک قاعدہ اور عرض کرتا ہوں۔ "کم" کا لفظ اہل فارس کی منطق میں کہیں افادۂ معنی سلب کلی بھی کرتا ہے جیسے "کم آزار" یعنی نیازارندہ نہ یہ کہ کم آزارندہ "کم ہمتا" یعنی بے ہمتا بلکہ اندک کا لفظ بھی اسیطرح آتا ہے۔ جیسا کہ میرا خداوند نعمت نظامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتا ہے۔ ؎

"اندک" بمعنے "کم" | پس و پیش چون آفتابم یکے ست ٭ فروغم فراوان فریب اندکے ست

یعنی فریب بالکل نہیں نہ یہ کہ کچھ ہے۔ پس کمیاب اور نایاب ایک چیز ہے۔

نظامی نے "لعل سپید" کہا ہے کسی صاحب طبع نے اسکو غلط سمجھکر "بیل سپید" بنا دیا ہے۔ "انگبین و شہد ناب" شاید مثل غم و اندوہ، مسرت و فرحت، ہو یا ہو "شیر ناب" ہی ہو بلکہ "شیر ناب" بہتر ہے۔ لیکن "حرص و آز" تو کسی طرح درست نہیں۔ عارف کا دعوی ناقص اور لغو رہا جاتا ہے۔ اگر یہ قباحت لازم نہ آتی تو بھی ہم حرص و آز کو مُسلّم نہ رکھتے کس واسطے کہ غلام کا شبہہ بکمال وضوح غم و اندوہ و عدل و داد کا نظیر نہیں ہو سکتا۔ ہاں انگبیں و شہد کے جواز میں ہم مضائقہ نہ کرینگے مگر "شیر ناب" کو اُس سے اچھا سمجھینگے۔ شہد میوے کی حلاوت کے واسطے اور شیر فراشیں لطافت کے واسطے۔ "حاشا" و "حاش للہ" کا جواب آغاز تحریر میں لکھ چکا آپ کی اس نظیر لکھنے سے اُسکے جواز پر میرا یقین نہ بڑھا "لو کشف الغطا، ما ازددت یقینا"

نثر مرجز اور نثر مسجع

نثر مرجز کے باب میں پیر و مرشد کو اتنا تامل کیوں ہے یہ جو نثریں آپ نے لکھی ہیں۔ سوائے اُس نثر کے جسکو آگے لکھوں گا۔ یہ تو سب مسجع ہیں یعنے پہلے فقرہ کا ہر لفظ وزن میں موافق ہو دوسرے فقرے کے لفظ سے۔ نظم میں یہ صنعت آ پڑے تو نظم کو مرصع کہینگے۔ اور نثر میں واقع ہو تو نثر کو مسجع کہینگے۔ جو حضرات کہ اس نثر کو مرجز کہتے ہیں وہ نثر مسجع کی مثال ہم کو دیں۔ زنہار زنہار یہ نثر مرجز نہیں مسجع ہے۔ ہاں یہ نثر مرجز ہے "صاحبا مشفقا تا شفیق ولی، زید الطافکم الی الابد، بعد تبلیغ بندگی و نیاز، بر ضمیر منیر روشن باد" اگر وہ نثر کہ

جسکو میں نے مسجع کہا ہے مرجز ہے تو اس کمبخت نثر کا کیا نام ہے۔ نہیں وہ مسجع ہے اور یہ مرجز ہے۔

اقسام ثلثہ نثر

میں تو بہت مختصر مفید لکھ چکا ہوں آپ مانیں تو کیا کروں وزن نہو قافیہ ہو وہ مقفے۔ وزن ہو قافیہ نہو وہ مرجز ہے۔ الفاظ فقرتین وزن میں برابر ہوں وہ مسجع۔ اس صنعت کو بیشتر نثر مقفے میں صرف کرتے ہیں اور چاہو قافیہ کا التزام نہ کرو۔ بہر رنگ اقسام ثلثہ نثر یہی ہے۔ حضرت نے نثر مسجع کو مرجز کہا ہے۔ جواب یہی ہے کہ اگر مرجز یہ ہے تو مسجع کس نثر کو کہتے ہیں۔ اس سے زیادہ نہ مجکو علم نہ یارائے کلام۔ قتیل لکھنوی اور غیاث الدین ملائے مکتبی رامپوری کی قسمت کہاں سے لاؤں کہ تم جیسا شخص میرا معتقد ہو اور میرے قول کو معتمد سمجھے۔ بعد تمام خط کی تحریر کے خیال آیا شاید کسی بات کا جواب رہ نہ گیا ہو میں نے آپکے خط کو دیکھا

صاحب دستور شگرف اور ملا غیاث الدین کی رائے کی تنقید در باب "وزن" اور "سجع"

اور ایک بات "دستور شگرف" کی عبارت میں نظر آئی "مرجز کلامیست منثور کہ وزن دارد سجع ندارد" اس تعریف کو دیکھیے اور نمونہ نثر کو دیکھیے وہ موزوں کہاں ہے جو "وزن دارد" اُسپر صادق آئے۔ وزن بمعنی تقطیع شعر مفقود۔ "سجع ندارد" خدا جانے یہ بزرگ سجع کسکو کہتا ہے۔ سجع ہموزن ہونا دو لفظوں کا فقرتین میں یا مصرعین میں۔ سو اس نثر میں موجود ہے۔ موجود کو مفقود اور مفقود کو موجود لکھا ہے اور پھر کلام اُس کا مقبول ہے۔ اللہ اللہ اللہ ملا غیاث الدین لکھتا ہے "پس

مرجز نثرے باشد کہ کلمات فقرتین آں شرحا ہا موزون باشد در تقابل یکدیگر بدون رعایت سجع"۔ خدا کے واسطے سجع تو اُسی کو کہتے ہیں کہ کلمات فقرتین یا مصرعین ہموزن یکدیگر ہوں۔ سو اس نثر میں موجود ہے۔ "بدون رعایت سجع" کے کیا معنی مگر یہ دونوں صاحب وزن کو برابر ہونا کلمات کا سمجھتے ہیں اور سجع تقطیع شعر کو کہتے ہیں۔ اس عقدہ کی رکاکت اظہر من الشمس ہے صاحب "دستور شگرف" کا کلام نص اور مولوی غیاث الدین کا کلام حدیث نہیں ہے۔ آپ بھی غور فرمایئے اور انصاف کیجئے۔ (بنام چودھری عبدالغفور سرور)

نمبر ۶

نصیر الدین طوسی۔ مخصوص حروف فارسی۔ عبدالواسع ہانسوی۔ "بمراد" و "نامراد"۔ قافیہ شایگاں۔ ایطاء مع امثلہ۔ ایطائے جلی و خفی۔ ملا غیاث الدین وغیرہم سے خفگی۔

سکینم عرض گو نکرہ باش۔ پیرو مرشد آج ہی ایک خط چودھری عبدالغفور صاحب کے نام روانہ کیا ہے اور اسی خیال سے کہ وہ گرمی ہنگامۂ شادی میں اس خط کا آپ کی نظر سے گزرنا بھول نہ جائیں یہ خط جداگانہ آپ کو آج ہی بھیجتا ہوں۔ صحاب ثلثہ کی عبارت نثر مرجز کے باب میں اتنی ہی ہے "وزن دارد و سجع ندارد" خدا کیواسطے وزن تقطیع شعر کو کہتے ہیں وہ مثال کی نثر میں کہاں ہے۔ سجع اسکو کہتے ہیں کہ کلمات کے فقرتین وزن میں برابر ہوں۔ یہ صنعت مثال کی نثر میں موجود ہے۔ جو ہے اُسکا سلب جو نہیں اُسکا ثبوت کیونکر مانوں۔ کیا آپ کی یہ مرضی ہے

کہ الفاظ کے موزون ہونے کو وزن اور تقطیع شعر کو سمع مان لوں۔ میں تو نہ مانونگا آپ کو اختیار ہے۔ یہ کلام معصوم کا نہیں کہ اُسکے مسلم نہ رکھنے سے آدمی کافر ہو جاوے۔ زبان فارسی مُردے کا مال ہے عرب کے ہاتھ بطریق یغما آیا ہے۔ جس طرح چاہیں صرف کریں۔

نصیرالدین طوسی | خواجہ نصیرالدین طوسی ٹھ سے حرف کا زبان فارسی میں نہ آنا لکھتے ہیں اور ذال نقطہ دار کا ذکر نہیں کرتے الّا کوئی لغت

مخصوص حروف فارسی | فارسی ایسا بتائیے کہ جس میں ذال آئی ہو۔ گزاشتن و گزشتن و پزیرفتن سب زے سے ہے۔ کاغذ دال مہملہ سے ہے۔ اس کا ذال سے لکھنا اور کواغذ کو اس کی جمع قرار دینا تعریب ہے بہ تحقیق اور آسم آتش (آذر) بدال ابجد ہے نہ بذال تخذ۔ کوئی لفظ متحد المخرج فارسی میں نہیں بلکہ قریب المخرج بھی نہیں۔ تے ہے طوے نہیں۔ سین ہے تے نہیں اور صاد نہیں۔ ہائے ہوز ہے حائے حطی نہیں۔ یہانتک کہ قاف نہیں اس راہ سے کہ غین متحد المخرج بلکہ قریب المخرج ہے۔ زے کے ہوتے ذال کیونکر۔

عبدالواسع ہانسوی | وہ میاں صاحب ہانسی کے رہنے والے بہت چوڑے چکلے جناب عبدالواسع فرماتے ہیں کہ "بے مراد" صحیح اور "نامراد" غلط۔ ارے تیرا ستیاناس جائے۔ بے مراد اور نامراد میں وہ فرق ہے جو زمین اور آسمان میں ہے

"بے مراد" اور "نامراد" | نامراد وہ ہے کہ جس کی کوئی مراد کوئی خواہش کوئی آرزو نہ بر آوے۔ بے مراد وہ کہ جس کا صفحۂ ضمیر نقوش مدعا سے سادہ ہو از قسم "بے مدعا" و "بے غرض و مطلب"۔ حسبۃً للّٰہ ان دونوں امروں میں کتنا

فرق ہے۔ "ناپروا"، اور "ناکام"، اور "نادرست" اور "ناچار" کہ یہ مخفف "ناچارہ" اور
"ناہار" کہ یہ مخفف "ناآہار" ہے اور "نامراد" اور "ناانصاف"۔ یہ سب درست ہیں
ہائے کہاں گئے ہانسی والے معلم۔

قافیہ شائگاں قافیہ شائگاں کہ جس کو عرب ایطا کہتا ہے وہ دو طرح پر ہے۔
خفی و جلی اہل خرد نے خاک اُڑائی ہو اور بات بنائی ہے خفی و جلی کی تفسیر میں
وہ کچھ لکھا ہے کہ صاحب طبع سلیم کبھی اُسکو نہ سمجھے چہ جائے آنکہ مانے۔ اصل

ایطائے مع امثلہ یہ ہے کہ ایطا وہ قافیہ ہے کہ جو دو حرف ایک صورت کے
ہوں جیسے الف فاعل گویا و بینا و شنوا۔ شعر ز سیر سہ ؎ اے دانہ تسبیح خیالت
دل دانا + سر حلقۂ مستان رخت دیدۂ بینا۔ اور نون دال مضارع کا جیسا اُستاد کے
اس مطلع میں ہے ؎ دل شیشہ و چشمان تو ہر گوشہ برندش مست ست مبادا کہ
بناگہ شکنندش۔ اور ایسا ہی الف نون جمع کا مثل "چراغان" و "جوانان"۔ اور ایسا
ہی الف نون حالیہ مانند "گریاں" و "خنداں"۔ پس اگر یہ مطلع میں آپڑے تو

ایطائے جلی و خفی ایطائے جلی ہے۔ اگر غزل یا قصیدہ میں بطریق تکرار قافیہ
میں آپڑے تو ایطائے خفی ہے۔ ائمہ فن نے وہ کچھ لکھا ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا۔ اگر قابل
تحقیق ہو تو میرے بیان پر غور کرو اور جو عبدالواسع اور غیاث الدین اور عبدالرزاق
ان ناموں کی شوکت نظر میں ہے تو تم جانو۔ ایک شخص بھیک مانگتا ہے باپ نے اُسکا نام
میر بادشاہ رکھ دیا۔ اصل فارسی کو اس کھتری بچہ قتیل علیہ ما علیہ نے تباہ کیا۔

ملا غیاث الدین وغیرہم سے خفگی رہا سہا غیاث الدین رامپوری نے کھو دیا۔ اُن
کی قسمت کہاں سے لاؤں جو صاحب عالم کی نظر میں اعتبار پاؤں خالصاً للہ

غور کرو کہ وہ خران نا شخص کیا کہتے ہیں اور میں خستہ و دردمند کیا بکتا ہوں واللہ قتیل فارسی شعر کہتا ہوا ور نہ غیاث الدین فارسی جانتا ہے۔ میرا یہ خط پڑھو یہ نہیں کہتا کہ نخواہی نخواہی پڑھو قوت ممیزہ سے کام لو ان غولوں پر لعنت کرو سیدھی راہ پر آجاؤ۔ اگر نہیں آتے تو تم جانو اور تمہاری بزرگی پرادر مرزا تفتہ کی نسبت پر نظر کرکے لکھا ہے۔ نہیں کہتا کہ خواہی نخواہی میری تحریر کو مانو مگر اُس کھتری بچہ اور راس العلم سے مجکو کمتر نہ جانو۔ عربی کا صرف اور ہے اور فارسی کا قاعدہ اور ہے سمجھو یا نہ سمجھو تم کو اختیار ہے۔ عقل کو کام فرماؤ غور کرو۔ سمجھو عبد الواسع پیغمبر نہ تھا۔ قتیل برہمانہ تھا۔ واقف غوث الاعظم نہ تھا۔ میں یزید نہیں ہوں شمر نہیں ہوں مانتے ہو تو مانو نہ مانو تم جانو۔ (بنام صاحب عالم صتا)

نمبر ۲

تکرار بعض الفاظ۔ "پرفضا" اور "پرفزا" ضمائر متصل واحد غائب و واحد متکلم۔

تکرار بعض الفاظ "پرفضا" اور "پرفزا" جناب عالی "چھا چھا" ترجمہ ہندی ایکبار "چھا" کفایت کرتا ہے۔ "انواع انواع" ہماری آپ کی بول چال میں ہے لیکن تحریر میں درست نہیں "چمن پرفضا" "چمن پرفزا" زائے ہوز کیوں لکھا۔

ضمائر متصل واحد غائب و حاضر و متکلم خطاب واحد غائب فقط شین ہے نہ اش ہاں اگر حسب لفظ مبنی ہائے انتہائی حرکت پر ہو مثل غمزہ و چشمہ و خانہ و دا

تو اسکو یوں لکھتے ہیں چشمہ اش غمزہ اش خانہ اش دانہ اش اور باقی سب الفاظ کا حرف آخر شین سے ملجاتا ہے۔ خطاب واحد حاضر خطاب واحد غائب خطاب واحد متکلم ت ش س م ہے۔ الف کو یہان کیا دخل۔ اور وہ جو دکھنی بوہرہ یعنی جامع برہان قاطع ات اش ام لکھتا ہے۔ غلط کرتا ہے۔

جہاں تم نے بعد اپنے نام کے یہ اشعار لکھے ہیں ؎ پریشان تر ز خوشیم داستانے است الخ وہاں ربط کلام جاتا رہا تھا۔ ایک جملہ فاصل کر دیا ہے یعنی "بدیں اشعار زمزمہ سرا ست" یہ خبر اُس کاف توصیفی کی ہے۔ اور آگے جو نثر ہے اُس کا فاعل وہی مصنف ہے.....

(بنام چودھری عبدالغفور سرور)

نمبر ۹

ندامت اور خجالت کا فرق طرح لبکون اور طرح لقبحہ را کا فرق
مؤنث الفاظ تخلص کیلیے جائز ہیں۔

میرے شفیق کو میرا سلام پہونچے۔ دونوں مخمس بعد اصلاح پہونچتے ہیں مثار اصلاح سمجھ لیجئے " سید عالی نسب و سرور والاحسب" یہ افتتاح کلام اور ابتدائے خطاب کے درخور نہ تھا مصرعہ ثالث اس کی جگہ رکھ دیا گیا۔ دوسرے بند کی دو طرح پر تخمیس ہی۔ دونوں بے عیب ہیں اور مزید لطف کسی میں نہیں۔ جن مصرعوں کو چاہو رہنے دو "گزشت از افلاک" "از افلاک گزشت" ایک فارسی رہا اور دوسرا ہندی حضرت نے دونوں فارسی میں لکھے تھے

ندامت اور خجالت کا فرق | ندامت فعل پر مترتب ہوا کرتی ہے۔ ترجمہ اسکا پشیمانی۔
حضرت یوسف کو ندامت کیوں ہو مگر خجالت۔ اس کا ترجمہ شرمندگی آپ
غور کیجئے کہ ندامت اور خجالت میں کتنا فرق ہے۔ جہاں آپ نے "عرق ریز
ندامت" لکھا وہ محل خجالت کا تھا۔ آپ نے ندامت کیوں لکھا۔ بہرحال وہ
مصرعہ تو بدل گیا لیکن اطلاع ضرور تھی۔

طرح بسکون را اور طرح بفتحہ را کا فرق | طرح بفتح اول و سکون ثانی بمعنی فریب ہے۔ اور تصویر
مونث الفاظ تخلص کیلئے جائز | کے خاکے کو بھی کہتے ہیں۔ اور بمعنی آسائش دنیا
بھی مجاز ہے۔ مرادف طرز و روش بھی طرح ہے بفتحتین بس اس کا تفرقہ منظور رہا کرے
نسیم تخلص اچھا ہے اگر کوئی یہ کہے کہ نسیم مونث ہے۔ جواب اسکا یہ ہے کہ جرأت
اور وحشت اور ایسے بہت تخلص ہیں کہ وہ مونث ہیں۔ باایں ہمہ اگر بدلا چاہئیے
تو اس کا ہموزن "سلام" و "سلیم" اور "خیال" بھی ہے۔ اس میں سے جو
پسند آئے آپکے عم عالی مقدار اور آپ کے بزرگ آموزگار کو میرا سلام پہونچے

(بنام چودھری عبدالغفور سرور)

نمبر ۹

ظہوری کے بعض اشعار کے معنی سمجھاتے ہیں اور ظہوری کی تعریف کرتے ہیں

حضرت چودھری صاحب عنایت نامہ سابق سے تھا تو خط پر
نہ تھا جواب طلب نہ کوئی اسکا جواب کیا لکھتا۔ آج دوپہر کو یہ خط پہونچا آج
ہی اس کا دو جواب لکھکر رکھ چھوڑتا ہوں۔ کل صبح کو بشرط حیات ڈاک میں

بھجوا دوں گا۔ قاطع برہان کے مجلدات جو بموجب توقیع خریداری میری ملک ہیں وہ اول جولائی میں میرے پاس اور اُن میں سے دو مجلد آہستہ جولائی میں آپ کے پاس پہونچیں گے۔ ایک آپ رہنے دینگے اور ایک پیر و مرشد کی نذر کرینگے انشاء اللہ العلی العظیم۔

سہ جبذا فیض تعلق معجز کلکش نگر ﴿ گرد و صد سالہ رہ پیش نظر باشد ہماں

یہ شعر مولانا نورالدین ظہوری رحمۃ اللہ علیہ کا ممدوح کی خوشنویسی کی تعریف میں ہے۔ مبالغہ سرحد تبلیغ اور غلو کو پہونچ گیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اُس کا لکھا ہوا قطعہ یا کوئی عبارت سو برس کی راہ پر سے آدمی کو نظر آتا ہے۔ وجہ اس کی یہ کہ حرف بہت روشن صاف و جلی ہیں۔ اور چونکہ یہ امر بسبب عادت و عقل ممتنع ہے اس رو سے اُسکو "معجزۂ مسلم" کہا۔ اور چونکہ معجزہ خرق عادت ہے اور خرق عادت ایک امر ہے مسلمات جمہور میں سے پس منکر کو گنجائش انکار نہ رہی یہاں یہ خیال آئے گا کہ "فیض تعلق" بیکار رہتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ وہ حسن ایہام ہے۔ یعنے نگاہ کو، از انجا کہ باصرہ مشتاق حسن ہو، اُس خط سے وہ تعلق بہم پہونچا ہے کہ اگر وہ خط سو برس کی راہ پر ہو تو بھی نگاہ اُس سے متعلق رہتی ہو۔ جیسے طائر کو اپنا آشیانہ اور مسافر کو اپنا وطن اور عاشق کو معشوق کا خد و خال مسافت بعیدہ سے پیش نظر رہتا ہے۔ چاہو ایک معلول کی دو علت سمجھو۔ "فیض تعلق" مذکور اور "حسن خط" مقدر۔ چاہو "فیض تعلق" کو ادعا کہو اور "حسن خط" جو تقدیر میں ہو اُسکو سبب سمجھو تعلق کا اور مؤکد جانو ادعا کا۔ سنو دعوی کے واسطے دلیل موضوع ہے ادعا کو دلیل ضرور نہیں ہو۔ ہاں ادعا پر تاکید طریقہ بلاغت ہو۔

یہ لطافت معنوی خاص اس بزرگ کے حصہ میں آئی ہے۔ میں جانتا ہوں مشتری اور عطارد نے ملکر ایک صورت پکڑی تھی اُس کا اسم نورالدین اور تخلص ظہوری تھا۔

اللہ اللہ فرماتا ہے ؎ مروت کرد شبہا بر تو سیر بام و در لازم۔ نمی باشد چراغے خانہائے بینوایان[1] را۔ ظہوری کا ممدوح اور معشوق ایک ہے یعنی سلطان جلیل القدر ابراہیم عادل شاہ۔ بادشاہوں کے منظر بلند ہوتے ہیں۔ اور کیا بعید ہے کہ رعایا ملازمین میں سے کچھ لوگ زیر قصر رہتے ہوں اس واسطے بادشاہ دن کو اُس منظر بلند پر نہیں چڑھتا کہ مبادا رعیت یا ملازموں کی جورو بیٹیاں نظر آئیں۔ رات کو اُن کے گھر تاریک ہوتے ہیں۔ اگر کوئی بلند مکان پر چڑھا تو کچھ نظر نہ آئیگا۔ یہ مدح ہوئی عفت کی اور عفت ایک فضیلت ہے فضائل اربعہ میں سے۔ اب ایہام کو سوچیے۔ ممدوح نے راتوں کو کوٹھے پر چڑھنا اپنے اوپر لازم کیا ہے اس واسطے کہ اون کے گھروں میں چراغ نہیں اگر کسی کو کسی کپڑے میں پیوند لگانا یا کوئی چمڑے کی چیز گانٹھنی یا کسی مریض کا تفحص حال منظور ہو تو وہ گھر اس ممدوح کے پرتو جمال سے روشن ہو جائے۔ چراغ کی حاجت باقی نہ رہے۔ جو کام جو شخص چاہے وہ کرلے۔ "مروت"۔

---

[1] مرزا نے جو یہ لطف معنی اس شعر کے بیان کیے ہیں وہ قابل داد ضرور ہیں۔ مگر تاویل بعید دور کرکے صاف معنی تو یہ ہیں کہ مروت نے بجھپر لازم کردیا کہ راتوں کو لوگوں کے بام و در یعنی مکانوں کو دیکھ تاکہ تجھ کو معلوم ہو کہ غریبوں کے گھر میں چراغ نہیں جلتا۔

کے لفظ کا مزہ وجدانی ہے۔ سوائے اس لفظ کے کوئی لفظ یہاں کام نہیں آتا۔ اگر حفظ ناموس رعایا ہے تو مروت ہے، اور اگر مفلسوں کی کاربرآری ہے تو مروت ہے۔ قالب معنی کی جان ہے۔ ظہوری۔ ناطقہ کی سرفرازی کا نشان ہے۔ ظہوری۔ زیادہ کیا لکھوں۔ (بنام چودھری عبدالغفور سرور)

نمبر ۱۰

ہندوستان کے فارسی شعرا کی نسبت مرزا کی رائے قتیل کے بعض مسلمات کی غلطیاں

اب روئے سخن حضرت صاحب عالم کی طرف ہے خدمت خدام مخدوم خادم نواز میں بعد تسلیم معروض ہے۔ تفقد نامہ نامی میں صورت عزوشرف نظر آئی۔ اللہ اللہ تم نے میری نظر میں میری آبرو بڑھائی۔ حضرت کی قدردانی کی کیا بات ہے۔ آپ کا التفات موجب مباہات ہے۔ یہ بات بطریق طے لسان زبان پر آئی ہو ورنہ قدر دانی کیسی یہ قدر افزائی ہے۔ نظیری علیہ الرحمۃ کا شعر ایک کاغذ پر لکھ کر میرے گلے میں ڈال دیجئے۔ اور زمرۂ شعرا میں سے مجھکو نکال دیجئے۔ شعر یہ ہے ؎ جوہر شناس من درتہ زنگار ماندہ آنکہ آئینہ من ساخت نپرداخت دریغ۔ دعوے اور چیز ہے اور کمال اور ہے۔ علم عربی اور شے ہے اور فارسی کی حقیقت حال اور ہے۔ جلالائے طبا طبائی رحمۃ اللہ علیہ نے سعید لائے ہندی کو ایک رقعہ لکھا۔ عبارت اسوقت یاد نہیں آتی مگر یہ مضمون اسکا ہے کہ ایک دن مولانائے عرفی علیہ الرحمۃ اور ابوالفضل میں

مباحثہ ہوا۔ شیخ نے عرفی سے کہا کہ ہم نے تحقیق کو برحد افراط پہونچا دیا اور فارسی میں خوب کمال پیدا کیا۔ عرفی نے کہا کہ اسکو کیا کروگے کہ ہم نے جب سے ہوش سنبھالا ہے گھر کے بڑھوں سے اور بڑھیوں سے جو بات سُنی فارسی میں سُنی۔ شیخ گفت " ما فارسی از انوری وخاقانی فراگرفتہ ایم وشما از پیرزالان آموختہ اید" عرفی فرمود " انوری وخاقانی نیز از پیرزنان آموختہ باشند"

> ہندوستان کے فارسی شعرا کی نسبت مرزا کی رائے

غالب کہتا ہے۔ ہندوستان کے سخنوروں میں حضرت امیر خسرو دہلوی قدس سرہ کے سوا کوئی استاد مسلم الثبوت نہیں ہوا۔ خسرو کیخسرو قلمرو سخن طرازی ہے۔ یا ہم چشم نظامی گنجوی و ہم طرح سعدی شیرازی ہے۔ خیر فیضی بھی نغز گوئی میں مشہور ہے۔ کلام اُس کا پسندیدۂ جمہور ہے۔ دیکھو عبدالقادر بدایونی کیا لکھتا ہے۔ " رہے سپاہی فالیز" آرزو فقیرا اور رشید اور بہار وغیرہم انھیں میں آ گئے۔ ناصر علی اور بیدل اور غنیمت ان کی فارسی کیا۔ ہر ایک کا کلام بنظر انصاف دیکھیے ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔ منت اور مکین اور واقف اور قتیل یہ تو اس قابل بھی نہیں کہ انکا نام لیجیے۔ ان حضرات میں عالم علوم عربیہ کے شخص ہیں۔ خیر ہوں فاضل کہلائیں کلام میں اُن کے مزا کہاں۔ ایرانیوں کی سی ادا کہاں فارسی کی قاعدہ دانی میں اگر کلام ہے اُس میں پیروی قیاس ایک بلائے عام ہے۔ وارستہ سیالکوٹی نے خان آرزو کی تحقیق پر سو جگہ اعتراض کیا ہے اور ہر اعتراض بجا ہے۔ با ایں ہمہ وہ بھی جہاں اپنے قیاس پر جاتا ہے منہ کی کھاتا ہے۔ مولوی احسان اللہ ممتاز کو صنائع لفظی میں دستگاہ اچھی تھی۔ اس شیوۂ روش

کو خوب برت گئے۔ فارسی وہ کیا جانیں۔ قاضی محمد صادق خاں اختر عالم ہونگے شاعری سے اونکو کیا علاقہ۔

قتیل کے بعض مسلمات کی غلطیاں | ایک بات حضرت کو اور معلوم رہے کہ ہندی فارسی والوں نے کمال کو وہم میں منحصر رکھا ہے۔ کالپی کے نواب زادوں میں سے ایک صاحب قتیل کے شاگرد تھے میں نے ایک رقعہ قتیل کا اُن کے نام دیکھا ہے کہ قتیل انکو لکھتا ہے کہ جامہ گذاشتن بمعنے مردن مسلّم لیکن بہت احتیاط کیا کرو۔ موقع دیکھ لیا کرو جب لکھا کرو۔ میں کہتا ہوں کہ احتیاط کیا اور موقع کیا بفلاں مرد "ہمیان جامہ گذاشت"۔ پھر وہ کہتا ہے کہ "کرد" کے ساتھ سوا پانچ سات لفظ کے اور لفظ کو ترکیب نہ دو۔ پھر فرماتا ہے کہ "ہمہ" کے لفظ کو جمع کے ساتھ لاؤ مفرد سے نہ ملاؤ۔ میں نے دستنبو میں لکھا ہے کہ "ہمہ کس دانند"۔ ایک شخص نے کہ وہ بھی مولوی کہلاتا ہے میری غیبت میں کہا کہ "ہمہ کس داند" کیا ترکیب ہے۔ ایک لڑکا میرا شاگرد وہاں موجود تھا۔ اُسنے کہا کہ یہ ترکیب بعینہ صائب کی ہے جیسا کہ وہ کہتا ہے ؎

ہمہ کس طالب آں سرو رواں است اینجا آب حیوان دو نفس سوختگان است اینجا

اُسنے کہا کہ تمہارا اُستاد "حاشا للہ" کو ماقبل کلمہ منفی لایا ہے اور یہ جائز نہیں۔ ع حاش للہ کہ بد نمی گویم۔ میرے شاگرد نے کہا کہ یہ ترکیب انوری کی ہے ؎ حاش للہ نہ مرا بلکہ ملک را نبود + با سگ کوی تو این زہرہ و یارا و مجال +
مولوی ہدایت علی تمکین کا آجتک میں نے نام نہیں سُنا تھا۔ چھپے ہوئے رستم ہیں۔ صائب اگرچہ اصفہانی نژاد تھا مگر وارد شاہ جہاں آباد تھا۔

انتقام کشیدن و انتقام گرفتن دونوں بول گیا۔ مولوی صاحب نج فارسی بولتے ہیں۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

کلیم بروزن فعیل صیغہ اسم فاعل ہے مثل کریم و رحیم و سمیع و بصیر اسمائے الٰہی ہیں۔ کلیم اگر بمعنے ہمکلام لیجئے تو اسم الٰہی اسکو کیونکر قرار دیجئے۔

حضرت کا مصرعہ ع ہست کلامے زکلام کلیم[1] مخدوش لب ہجہ ہے۔ یعنی یا "کلمہ از کلام کلیم" یا "کلامے از کلمات کلیم" چاہیے "کلامے از کلام" مفرد میں سے مفرد کو نکالا چاہیے۔ گو جائز ہو۔

"گو باش" و "گو باشد" ہرگز محل تردد نہیں۔ اوہام و وسواس قواعد میں پیش نہیں جاتے۔

ع اے کریمے کہ از خزانۂ غیب۔ ہرگز یائے معروف نہیں۔ یائے مجہول ہے۔ یائے معروف یہاں نامقبول ہے۔ ع خدائے کہ بالا و پست آفریدہ۔ ایسا خدا ایسا کریم۔ اس تحتانی کو یائے وحدت کہو، توصیف کہو، یائے تعظیم کہو جس طرح کہو مجہول آئیگی۔ (بنام چودھری عبدالغفور سرور)

---

[1] قرینے سے معلوم ہوتا ہے کہ مکتوب الیہ نے یہ مصرعہ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" پر لگایا، ہوگا جس سے "کلیم" اسمائے الٰہی میں سے ثابت ہوتا ہے۔ غالب کا اعتراض ہے کہ "کلیم اللہ" میں "کلیم" بمعنی "ہمکلام خدا" ہے پس اسمائے الٰہی میں سے کیونکر قرار پا سکتا ہے۔

نمبر ۱۱

ہندی فارسی گویوں کے کلام کا اہل زبان سے مقابلہ۔ اہل زبان کے تین گروہ اور انکے علیحدہ علیحدہ طرز۔ بعض ہندی شعرا کے چیدہ اشعار۔

ہندی فارسی گویوں کے کلام کا اہل زبان سے مقابلہ

میرا قیاس اسکا مقتضی ہے کہ پیر و مرشد صاحب عالم مجھسے آزردہ ہیں اور وجہ اسکی یہ ہے کہ میں نے ممتاز و اختر کی شاعری کو ناقص کہا تھا اس رقعہ میں ایک میزان عرض کرتا ہون۔ حضرت صاحب ان صاحبوں کے کلام کو یعنی ہندیوں کے اشعار کو قتیل و واقف سے لیکر بیدل و ناصر علی تک اس میزان میں تولیں۔ میزان یہ ہے کہ رودکی و فردوسی سے لیکر خاقانی و سنائی و انوری وغیرہم تک ایک گروہ۔ ان حضرات کا کلام تھوڑے تھوڑے تفاوت سے ایک وضع پر ہے۔ پھر حضرت سعدی طرز خاص کے موجد ہوئے۔ سعدی و جامی و ہلالی یہ اشخاص متعدد نہیں۔ فغانی اور ایک شیوۂ خاص کا مُبدع ہوا۔ خیالہاے نازک و معانی بلند۔ اس شیوہ کی تکمیل کی ظہوری و نظیری و عرفی و نوعی نے۔ سبحان اللہ قالب سخن میں جان پڑگئی۔ اس روش کو بعد اُسکے صاحبان طبع نے سلاست کا چرچا دیا۔ صائب و کلیم و سلیم و قدسی و حکیم شفائی اس زمرہ میں ہیں۔

اہل زبان کے تین گروہ اور انکے علیحدہ علیحدہ طرز

رودکی و اسدی و فردوسی یہ شیوہ و

سعدی کے وقت میں ترک ہوا۔ اور سعدی کی طرز نے بسبب سہل ممتنع ہونیکے رواج نہ پایا۔ فغانی کا انداز پھیلا اور اس میں نئے نئے رنگ پیدا ہوتے گئے۔ تو اب طرزیں تین ٹھہری ہیں (۱) خاقانی اُسکے اقران (۲) ظہوری اُسکے امثال (۳) صائب اُسکے نظائر۔ خالصاً للہ ممتاز و اختر وغیرہم کا کلام ان تین طرزوں میں سے کس طرز پر ہے۔ بے شبہہ فرماوٴگے کہ یہ طرز اور ہی ہے۔ پس تو ہم نے جانا کہ یہ طرز چوتھی ہے۔ کیا کہنا ہے خوب طرز ہے، اچھی طرز ہے، مگر فارسی نہیں ہے ہندی ہے۔ دار الضرب شاہی کا سکہ نہیں ہے ٹکسال باہر ہے۔ داد داد !! انصاف انصاف ! **نظم**

اگرچہ شاعران نغز گفتار ۔۔۔ زیک جام اند در بزم سخن مست
ولے با بادۂ بعضے حریفاں ۔۔۔ خمار چشم ساقی نیز پیوست
مشو منکر کہ در اشعار ایں قوم ۔۔۔ وراے شاعری چیزے دگر ہست

بعض ہندی شعرار کے چیدہ اشعار وہ چیز نہ حصے میں سب پارسیوں کے آئی ہے۔ ہاں اردو زبان میں بعض اہل ہند نے وہ چیز پائی ہے **میر تقی** علیہ الرحمۃ سے بدنام ہوگے جانے بھی دو امتحان کو + رکھے گا کون تمسے عزیز اپنی جان کو **سودا** سے دکھلائیے لیجا کے تجھے مصر کا بازار + خواہاں نہیں لیکن کوئی واں جنس گراں کا۔ **قائم** سے قائم اور تجھسے طلب بوسے کی کیونکر مانوں + ہے تو ناداں مگر اتنا بھی بدآموز نہیں۔ **مومن خان** سے تم مرے پاس ہوتے ہو گویا + جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا۔ ناسخ کے یہاں کمتر آتش کے ہاں بیشتر یہ تیز نشتر ہیں۔ مگر مجھے اُن کا کوئی شعر اسوقت یاد نہیں آتا۔ یا دکیا دے

لیٹا ہوا ہوں۔ دم بدم پانؤں کے ورم کی ٹیس ہوش اُڑائے دیتی ہے انّا للہ

وانا الیہ راجعون ؁ (بنام چودھری عبدالغفور سرور)

نمبر ۱۲

قبلۂ حاجات۔ قصیدہ دوبارہ پہونچا چونکہ پیشانی پر دستخط کی جگہ نہ تھی ناچار اُسکو ایک اور دو ورقے پر لکھوایا اور حضور میں گزرانا اور اپنی تمنائے دیرینہ حاصل کی یعنی دستخط خاص مشتمل اظہار خوشنودی طبع اقدس ہوگئے۔ احترام الدولہ بہادر میرے ہمزبان اور آپکے ثنا خواں رہے گویا اس امر خاص میں وہ شریک غالب ہیں۔ ہم بطریق کسرۂ اضافی اور ہم بہ سبیل کسرۂ توصیفی۔ پروردگار اس بزرگوار کو سلامت رکھے۔ قدر دان کمال حق تو یوں ہے کہ خیر محض ہے۔

مؤلف غیاث اللغات وغیرہ کی نسبت رائے

غیاث اللغات ایک نام موقر اور معزز جیسے الفربہ خواہ نخواہ مرد آدمی آپ جانتے بھی ہیں یہ کون ہے۔ ایک معلم فرومایہ رامپور کا رہنے والا۔ فارسی سے ناآشنا محض۔ اور صرف و نحو میں ناتمام۔ انشا خلیفہ و منشآت مادھورام کا پڑھانیوالا چنانچہ دیباچہ میں اپنا ماخذ بھی اُسنے شاہ خلیفہ محمد و مادھورام و غنیمت و قتیل کے کلام کو لکھا ہے۔ یہ لوگ اہ سخن کے غول ہیں آدمی کے گمراہ کرنیوالے۔ فارسی کو کیا جانیں ہاں طبع موزوں رکھتے تھے شعر کہتے تھے۔

ہرزہ مشتابِ پےِ جادہ شناسان تا چند   سُے کہ در راہ سخن چون تو ہزار آمد و رفت

(بنام نواب انورالدولہ سعدالدین خاں بہادر شفق)

نمبر ۱۳

"ارنی" کی رکی سکون و حرکت۔ تہذیب کے ساتھ صلاح۔

للہ الشکر کہ پیرو مرشد کا مزاج اقدس بخیر و عافیت ہے، پہلے نوازشنامہ کا جواب باآنکہ وہ مشتمل ایک سوال پر تھا ہنوز نہیں لکھنے پایا کہ کل اور ایک مکرمت نامہ آیا۔ بندہ عرض کر چکا ہے کہ مسہل میں ہوں چنانچہ کل میرا مسہل ہوگا اس سبب سے اُس توقیع کا پاسخ نگار نہو سکا تھا اور لکھتا بھی تو یہی لکھتا جو آپ نے لکھا ہے۔

"ارنی" کی رکی سکون و حرکت

"ارنی" کی رے کی سکون و حرکت کے باب میں قول فیصل یہی ہے جو حضرت نے لکھا ہے۔ اگر تقطیع شعر مساعدت کر جائے اور "ارنی" بروزن "حسنی" گنجائش پائے تو نعم الاتفاق ورنہ قاعدۂ تصرف مقتضی جواز ہے۔ مرزا عبدالقادر بیدل سے چو رنی طور ہمت ارنی بگو و مگذر[۱] کہ نیرز د ایں تمنا بجواب لن ترانی۔

---

[۱] غالباً اسی مضمون سے یہ مضمون نکالا گیا ہے ۔ بندگی میں بھی وہ آزادہ و خود بیں ہیں کہ ہم + اُلٹے پھر آئے درِ کعبہ اگر وا نہوا ۔۔ مگر اس مضمون کو عرفی نے اس طرح پر کہا ہے ۔ وقت عرفی خوش کہ کشود چوں در بہر خش ۔ بر در نکشودہ ساکن شد و در دیگر نزد

اسد اللہ بیگ غالب سہ

رفت آنکہ ما ز حسن مدارا طلب کنیم + سر رشتہ در کف ارنی گوے طور بود۔

| تہذیب کے ساتھ اصلاح |

زوائد سے فارغ ہو کر عرض کرتا ہوں کہ ہاے کیا غزل لکھی ہے، قبلہ آپ فارسی کیوں نہیں کہا کرتے۔ کیا پاکیزہ زبان ہے اور کیا طرز بیان۔ کیا میں سخن ناشناس اور ناانصاف ہوں کہ ایسے کلام کی حک و صلاح پر جرأت کروں ع چہ حاجتست بمشاطہ روے زیبا را +
ہاں ایک جگہ آپ تحریر میں سہو کر گئے ہیں ع اے مطرب جادو فن بازم رہ ہوشم زن + دو میم آپڑے ہیں ایک میم محض بیکار ہے "دیگر" کی جگہ آپ "بازم" لکھ گئے ہیں ع اے مطرب جادو فن دیگر رہ ہوشم زن۔

(بنام نواب انور الدولہ سعد الدین خان بہادر شفق)

نمبر ۱۴

| میرن صاحب کے انتقال کی تاریخ۔ نئے طرز سے تخرجہ |

آپ کو معلوم ہوگا کہ میرن صاحب نے انتقال کیا۔ یہ چھوٹے بھائی تھے مجتہد العصر لکھنؤ کے نام انکا سید حسین اور خطاب سید العلما۔ نقش نگیں "میر حسین ابن علی" میں نے انکی رحلت کی ایک تاریخ پائی اُس میں پانچ بڑھتے تھے یعنی ۱۲۷۰ ہوتے تھے۔ تخرجہ نئی روش کا میرے خیال میں آیا۔ میں تو جانتا ہوں اچھا ہو دیکھوں آپ پسند فرماتے ہیں یا نہیں قطعہ

حسین ابن علی آبروے علم و عمل | کہ سید العلما نقش خاتمش بودے
نماندو ماندے اگر زندہ پنج سال دگر | "غم حسین علی" سال ماتمش بودے

زیادہ حدِ ادب۔

(بنام نواب انوار الدولہ سعد الدین خاں بہادر شفق)

نمبر ۱۵

پیر و مرشد آداب۔ تتمہ غلطنامۂ قاطع برہان کو بھیجے ہوئے تین دن اور آپ کی خیر و عافیت مولوی حافظ عزیز الدین کی زبانی سنے ہوئے دو دن ہوئے تھے کہ کل آپکا نوازش نامہ پہونچا۔ قاطع برہان کے پہونچنے سے اطلاع پائی۔ معتقدان برہان قاطع برچھیاں اور تلواریں پکڑ پکڑ کے اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔

دو اعتراضوں کا جواب

ہنوز دو اعتراض مجھ تک پہونچے ہیں۔ ایک تو یہ کہ "قاطع برہان" غلط ہے یعنی یہ ترکیب خلاف قاعدہ ہے کلام قطع کیا جاتا ہے برہان قاطع نہیں ہوسکتی۔ لوصاحب برہان قاطع صحیح اور "قاطع برہان" غلط۔ مگر برہان قاطع فاعل ہوسکتی ہو اور قطع کا فعل آپ نہیں قبول کرتی۔ "قاطع برہان" میں جو برہان کا لفظ ہے یہ مخفف برہان قاطع ہے۔ برہان قاطع کے رد کو قطع سمجھ کر "قاطع برہان" نام رکھا تو کیا گناہ ہوا۔ دوسرا ایراد یہ ہے کہ ع با انگلستان تیز بیجا + انگلس کا نون تلفظ میں نہیں آتا۔ میں پوچھتا ہوں کہ خدا کے واسطے انگلس اور انگریز کا نون باعلان کہاں ہے۔ اور اگر ہے بھی تو ضرورت شعر کے واسطے لغات عربی میں سکون و حرکت کو بدل

ڈالتے ہیں اور اگر نرگس کے نون کو غنہ کر دیا تو کیا گناہ ہوا۔

(بنام نواب انور الدولہ سعد الدین خان بہادر شفق)

نمبر ۱۶

ریو اور غریو کا قافیہ۔ "سانس" مذکر۔ سیف "عدد کش"۔ زلف شبرنگ سخن بالفتح والضم حرف ثانی۔ "قبہ خشخاش"۔

موتیوں کا پھنکا البتہ بہت مناسب ہے خیر موتیوں کا نوالہ بھی سہی۔ حافظ کے شعر کی حقیقت جب سمجھو گے جب قواعد مقررۂ اہل سخن دریافت کر لوگے۔ قاعدہ یہ ہے کہ اگر مطلع میں یا اور اشعار میں قصیدہ کے احتیاج آ پڑے اور اُس کی اطلاع ایک شعر میں کر دیں تو وہ عیب جاتا رہتا ہے۔ جیسے اُستاد کا قطعہ ہے اُس میں ریو اور غریو کا ریو قافیہ ہے اور شعر اخیر قطعہ کا یہ ہے ؎ غلط کردم درین معنی کہ گفتم + زنخدانِ نگار خویشتن را سیو + حالانکہ صحیح "سیب" ہے۔ بجائے موحدہ۔ شاعر نے اطلاع دی کہ میں نے غلط کیا جو "سیو" لکھا۔ اسیطرح حافظ فرماتا ہے۔ ع

ببین تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا۔ حاصل اسکا یہ کہ دیکھ کتنا تفاوت ہے۔ ایک جگہ حرف روی ساکن اور ایک جگہ متحرک۔ مگر یہاں ابھی معترض کو گنجائش ہو کہ وہ یہ کہے کہ ہاں تفاوت کو ہم بھی جانتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ تفاوت تم نے کیوں رکھا۔ اسکا جواب پہلا مصرعہ ہے۔

ریو اور غریو کا قافیہ

ع صلاح کار کجا و من خراب کجا۔ یعنی حافظ فرماتا ہے کہ میں عاشق زار و دیوانہ ہوں۔ صلاح کار سے مجھکو کیا کام۔

"سانس" مذکر پورب کے ملک میں جہاں تلک چلے جاؤ گے تذکیر و تانیث کا جھگڑا بہت پاؤ گے۔ سانس میرے نزدیک مذکر ہے۔ لیکن اگر کوئی مؤنث بولیگا تو میں اُسکو منع نہیں کر سکتا۔ خود سانس کو مؤنث نہ کہوں گا۔

"سیف عدو کش" سیف کو عدو کش اور کمند کو عدو بند۔ سیف عدو بند نہیں ہو سکتی۔ تم کو کہتا ہوں کہ تم تلوار کو "عدو بند" نہ کہو۔ کوئی اور اگر کہے تو اس سے نہ لڑو۔

زلف شبرنگ زلف کو "شبرنگ" اور "شبگوں" کہتے ہیں۔ "شبگیر" زلف کی صفت ہرگز نہیں ہو سکتی۔ "شبگیر" اُس سفر کو کہتے ہیں کہ پہر چھ گھڑی رات رہے چلدیں۔ "نالۂ شبگیر" آہ و زاری آخر شب کو کہتے ہیں۔

"زلف شبگیر" نہ مسموع نہ معقول۔

"سخن" بالفتح و بالضم حرف ثانی "سخن" کا قافیہ "بن" بھی درست ہے۔ اور "تن" بھی جائز ہے۔ یعنی "سخن" کا دوسرا حرف مضموم بھی ہے اور مفتوح بھی ہے اور اُسپر متقدمین اور متاخرین اور اہل ایران اور اہل ہند کو اتفاق ہے۔

قبۂ خشخاش "قبۂ خشخاش" پوست کے ڈوڈے کو کہتے ہیں۔ اُس میں کچھ تامل نہ چاہیئے۔ تم اپنے تکمیل کی فکر میں رہا کرو۔ زنہار کسی پر اعتراض نہ کیا کرو والدعا۔

(بنام مرزا یوسف علیخاں عزیز)

نمبر ۱۷

خور اور خورشید. خور کا قافیہ. جمشید.

خور اور خورشید

میری جان. وہ پارسی قدیم جو ہوشنگ و جمشید و کیخسرو
کے عہد میں مروج تھی اُس میں "خُر" بخائے مضموم نور قاہر کو کہتے ہیں اور
چونکہ پارسیوں کی دید و دانست میں بعد خدا کے آفتاب سے زیادہ کوئی
بزرگ نہیں ہے اِسی واسطے آفتاب کو "خر" لکھا اور "شید" کا لفظ بڑھا
دیا۔ "شید" بشین مکسور و یائے معروف بروزن عید روشنی کو کہتے ہیں یعنی
یہ اُس نور قاہر ایزدی کی روشنی ہے۔ خُر اور خرشید یہ دونوں اسم آفتاب
کے ٹھہرے۔ جب عرب و عجم مل گئے تو اکابر عرب نے کہ منبع علوم ہوئے
واسطے رفع التباس کے خر میں واو معدولہ بڑھا کر خور لکھنا شروع کیا
ہر آئینہ متاخرین نے اس قاعدہ کو پسند کیا اور منظور کیا اور فی الحقیقت
یہ قاعدہ بہت مستحسن ہے۔ فقیر خر جہاں بے اضافہ لفظ شید لکھتا ہے۔ موافق
قانون عظمائے عرب بواو معدولہ لکھتا ہے یعنی خور اور جہاں باضافہ لفظ
شید لکھتا ہے وہاں بہ پیروی بزرگان پارسی سر بسر لفظ خور کو بے واو لکھتا

خور کا قافیہ

ہے یعنی خرشید۔ خور کا قافیہ در اور بر کے ساتھ جائز
اور روا ہے۔ خود میں نے دو چار جگہ باندھا ہوگا۔ وہاں میں بے واو کیوں
لکھوں۔ رہا خورشید چاہو بے واو لکھو چاہو مع الواو لکھو۔ میں بے واو
لکھتا ہوں مگر مع الواو کو غلط نہیں جانتا اور خر کو کبھی بے واو نہ لکھونگا قافیہ

ہو یا نہو۔ یعنے نظم میں وسط شعر میں آپڑے یا نثر کی عبارت میں واقع ہو "خور" لکھونگا۔

جمشید | یہ بات بھی تم کو معلوم رہے کہ جس طرح خر ترجمہ نور قاہر کا ہے اسیطرح جم ترجمہ قادر کا ہے کہ باضافہ لفظ شید اسم شہنشاہ وقت قرار پایا ہے۔ (بنام میر مہدی مجروح)

نمبر ۱۸

دہلی اور لکھنؤ کا فرق - شہر دہلی کی تباہی کی حالت۔

دہلی اور لکھنؤ کا فرق | جان غالب تمہارا خط پہونچا۔ غزل اصلاح کے بعد پہونچتی ہے ع ہر اک سے پوچھتا ہوں وہ کہاں ہے۔ مصرعہ بدل دینے سے یہ شعر کس رتبہ کا ہوگیا۔ اے میر مہدی تجھے شرم نہیں آتی ع میاں یہ اہل دہلی کی زبان ہے۔ ارے اب اہل دہلی یا اہل ہنود ہیں یا اہل حرفہ ہیں یا خاکی ہیں یا پنجابی ہیں یا گورے ہیں ان میں سے تو کس کی زبان کی تعریف کرتا ہے۔ لکھنؤ کی آبادی میں کچھ فرق نہیں آیا ریاست تو جاتی رہی باقی ہر فن کے کامل لوگ موجود ہیں۔

خس کی ٹٹی پروا ہوا کا اب کہاں لطف۔ وہ تو اُسی مکان میں تھا اب میر خیراتی کی حویلی میں وہ جہت وسمت بدلی ہوئی ہے۔ بہرحال

میگذرد۔ مصیبت عظیم یہ ہے کہ قاری کا کنواں بند ہو گیا۔ لال ڈگی کے

شہر دہلی کی تباہی کی حالت

کنویں یک قلم کھاری ہو گئے۔ خیر کھاری ہی پانی پیتے۔ گرم پانی نکلتا ہے۔ پرسوں میں سوار ہو کر کنوؤں کا حال معلوم کرنے گیا تھا۔ مسجد جامع ہوتا ہوا راج گھاٹ دروازہ کو چلا۔ مسجد جامع سے راج گھاٹ دروازے تک بلا مبالغہ ایک صحرا لق و دق ہے۔ اینٹوں کے ڈھیر جو پڑے ہیں وہ اگر اور جا لیجائیں تو ہو کا مکان ہو جائے۔ یاد کرو مرزا گوہر کے باغیچہ کی اس جانب کو کئی بانس نشیب تھا اب وہ باغیچہ کے صحن کے برابر ہو گیا۔ یہاں تک کہ راج گھاٹ کا دروازہ بند ہو گیا۔ فصیل کے کنگورے کھلے رہے ہیں۔ باقی سب لٹ گیا کشمیری دروازے کا حال تم دیکھ گئے ہو۔ اب آہنی سڑک کے واسطے کلکتہ دروازہ سے کابلی دروازہ تک میدان ہو گیا۔ پنجابی کڑہ۔ دھوبی داس کا واڑہ۔ راجی گنج سعادت خاں کا کڑہ۔ جرنیل کی بی بی کی حویلی۔ راجی داس گودام والے کے مکانات۔ صاحب رام کا باغ و حویلی۔ ان میں سے کسی کا پتہ نہیں ملتا۔ قصہ مختصر شہر صحرا ہو گیا تھا۔ اب جو کنویں جاتے رہے اور پانی گوہر نایاب ہو گیا تو یہ صحرا صحرائے کربلا ہو جائے گا۔ اللہ اللہ دلی نہ رہی اور دلی والے اب تک یہاں کی زبان کو اچھا کہے جاتے ہیں۔ واہ رے حسن اعتقاد۔ ارے بندۂ خدا اردو بازار نہ رہا اردو کہاں۔ دلی اب شہر نہیں ہے۔ کیمپ چھاؤنی ہے۔ نہ قلعہ نہ شہر نہ بازار نہ نہر۔

(بنام میر مہدی مجروح)

نمبر ۱۹

بنا بہ آب رسیدن اور بنا بہ آب رسانیدن۔ خراب اور خرابہ۔

قبلہ کل خط آیا آج جواب لکھتا ہوں۔ پہلے آپ کا ایک فقرہ لکھکر اتنا ہنسوں کہ پیٹ میں بل پڑ جائیں اور آنکھ سے آنسو نکل آئیں۔ فقرہ۔ "بڑھاپے میں کیا جانئے کہاں کی حرارت مزاج میں آگئی ہے" فقط۔ کیوں صاحب تم نے بڈھوں میں اپنا نام لکھوایا تو مجھکو لازم ہے میں اپنے کو اموات میں گنوں۔ تمہاری عمر میرے نزدیک پچاس ۵۰ سے متجاوز نہوگی۔ اگر تجاوز کیا ہوگا تو دو تین برس سے وہ تجاوز زیادہ نہوگا۔ بھائی ضیاء الدین خاں اور تم ہم عمر ہو وہ کچھ کم پچاس تم کچھ اوپر پچاس ابھی تم دونوں صاحبوں کو ایک سو بیس میں سے ستر برس یا کچھ کم ستر برس باقی ہیں۔

بنا بہ آب رسیدن اور بنا بہ آب رسانیدن

"بنا بہ آب رسیدن" لازمی اور "بنا بہ آب رسانیدن" متعدی باجماع جمہور ضدین سے ہے۔ ہم معنی استحکام و ہم معنی انہدام۔ درصورت استحکام نیو کا گہرا کھودنا ملحوظ ہے۔ اور درصورت انہدام لطمہ امواج سیلاب مد نظر ہے۔ آپ کے لکھے ہوئے دونوں شعر مفید معنی خرابی ہیں۔ صائب ع بنائے عمر مسیح و خضر بآب رسید۔ یعنی ویران ہوگئی ڈھے گئی حالانکہ وہ یقیناً جاودانی تھی۔ ع ہنوز تشنہ خونست تیغ مژگانش۔ باآنکہ تیغ مژہ نے دو زندہ جاوید کو مارا

مگر اتبک تشنۂ خون ہے۔ "تشنہ" بمعنی مشتاق اور "خون" بمعنی قتل
اور "بنائے عمر بآب رساندن" استعارہ ہلاک سے۔ ہزار میکدہ را
محتسب بآب رساند۔ بنائے صومعۂ شیخ ہمچناں برپاست۔ "بنائے میکدہ"
غلط "ہزار میکدہ" صحیح ہے۔ کلیم کے دیوان میں موجود۔ یعنی محتسب نے
ہزار میکدے ڈہا دیے دریا برد کردیے صومعۂ زرق وریا اتبک معمور و موجود
ہے۔ بمعنی استحکام نعمت خان عالی کہتا ہے۔ سے نیست محکم گر رسد بنیاد
دنیا تا بآب۔ چوں حباب ایں خانہ بے بنیاد مید انیم ما۔ صائب کہتا ہے
چگونہ شمع تجلی ز رشک بگذارد رخ تو خانۂ آئینہ را بآب رساند
بنوں موقوف۔ غالب کہتا ہے کہ اساتذہ کے کلام کے مشاہدہ میں اگر
توغل رہے تو ہزارہا بات نئی معلوم ہوتی ہے۔

خراب اور خرابہ میں نے سات شعر امیر خسرو کی غزل پر لکھکر ایک مطرب
کو دیے وہ مجلسوں میں گانے لگا۔ اکبرآباد و لکھنو تک مشہور ہوئے۔ وہ غزل
جس کا مطلع یہ ہے مطلع از جسم بجان نقاب تا کے۔ ایں گنج دریں خراب
تا کے۔ ایک صاحب آگرہ میں اور ایک صاحب لکھنؤ میں معترض
ہوئے کہ گنج در خرابہ باید نہ در خراب۔ ہرچند کہا کہ خرابہ مزید علیہ اور اصل
لغت خراب عربی الاصل بمعنے ویران و ویرانہ ہے۔ جس کی ہندی اوجڑ۔
معترض مصر رہا۔ صائب کے دیوان میں سے یہ مطلع نکلا۔ سے
بہ فکر دل نہ فتادی ہیچ باب دریغ بگنج راہ نبردی دریں خراب دریغ

(بنام خواجہ غلام غوث بیخبر)

نمبر ۲۰

شگفتی اور شگفت۔ شفق۔ خراب بمعنی خرابہ۔ ویران و ویرانہ۔ موج و موجہ

جناب بھائی صاحب قبلہ۔ یقین ہے کہ آپ مع الخیر اپنی دارالریاست میں پہونچ گئے ہوں اور جمعیت خاطر روزہ رکھتے ہوں۔ پان کے خیال اور مولوی الطاف حسین کے فراق کے سوا کوئی وجہ ملال نہو۔ خدا کرے

شگفتی اور شگفت

تم کو یاد آ جاے کہ مفتی جی "شگفتی" کو "شگفت" کا مزید علیہ مسلم نہیں جانتے تھے۔ سکندر نامہ میں دیکھا ؎

عنان سخن را کشد در گزاف ۔ بسے در شگفتی نمودن طواف

شفق

صہبائی شفق صبح کو غلط اور اس رنگ کو مخصوص بشام جانتا تھا محمد سعید اشرف مازندرانی کے کلام میں نظر پڑا ع ہمچو صبح شفق آلودہ رخش سرخ و سفید۔

اب جو فقیر کا یہ مطلع مشہور ہوا ؎ از جسم بجاں نقاب تا کے، این گنج درین خراب تا کے۔ حضرات کو اس میں تامل ہے۔ خرابہ کی

خراب بمعنے خرابہ

جگہ خراب کو نہیں مانتے۔ آیا یہ نہیں جانتے کہ لغت عربی

ویران و ویرانہ ۔ موج و موجہ

اصل خراب اور خرابہ مزید علیہ۔ ویران لغت فارسی اصل اور "ویرانہ" مزید علیہ۔ "موج" لغت عربی اصل اور "موجہ" مزید علیہ ہے۔ مزید علیہ جائز اور لغت اصلی ناجائز کیوں ہو۔

یہ ایک مصرعہ قدما میں سے کسی کا ہے مگر پیش مصرعہ مجھے یاد نہیں اور یہ
بھی نہیں معلوم کہ کسکا ہے ع چوں نہر در کسوف و چوں گنج در خراب میں
خود کہتا ہوں کہ اسکو نہ مانو اس راہ سے کہ میں قائل کا نام نہیں بتا سکتا۔
یہ مطلع مرزا محمد علی صائب علیہ الرحمۃ کا ہے اور اُسکے دیوان میں موجود ہے
سے بشکر دل نفتادی بہیچ باب دریغ ٭ بگنج راہ نبردی دریں خراب دریغ۔
گنج و خراب۔ گنج و خرابہ۔ گنج و ویران۔ گنج و ویرانہ مستعمل اہل ایران ہے اس
بات میں متردد ہونا محض عدم استغنا ہے والسّلام۔ صبح شنبہ دہم ماہ صیام
سال غافر پے اہلِ اسلام ۱۲

(بنام نواب مصطفٰے خاں بہادر شیفتہ)

نمبر ۲۱

"آب در بنا رسیدن" اور "آب در بنا رساندن"۔ از جہم بجاں نقاب تا سکے؛

این گنج دریں خراب تا کے۔ اسپر عارف علیشاہ خراسانی کا اعتراض اور دخل۔

قبلہ آج تیسرا دن ہے کہ میں " بنا بہ آب رسیدن " و " آب رساندن "
کی حقیقت باستناد اشعار اساتذہ لکھکر بسبیل ڈاک بھیج چکا ہوں آج اسوقت
بھائی ضیاء الدین خاں صاحب آئے اور اس امر خاص میں کلام کے

"آب در بنا رسیدن" اور "آب بنا رساندن"

بادی ہوئے میری تقریر سُنکر کہنے لگے کہ " آب
در بنا رسیدن " و " آب بنا رساندن " کے باب میں

متردد ہیں کہ آیا یہ ترکیب جائز ہے یا نہیں؟ اب میں متنبہ ہوا کہ واقعی جو
میں نے لکھا وہ سوال دیگر اور جواب دیگر تھا۔ ستّر برس کا پیر خرف حواس
معرض تلف۔ اگرچہ سوال کو غلط سمجھا لیکن جواب غلط نہیں لکھا "رسیدن
بنا بآب" ہم بمعنے استحکام بنا و ہم بمعنے انہدام بنا درست فقط۔ اب "آب
در بنا رسیدن" و "رساندن" کی کیفیت سنئے۔ فقیر نے اساتذہ کے کلام
میں کہیں یہ ترکیب نہیں دیکھی پس میں اسکی صحت اور غلطی میں کلام نہیں
کر سکتا۔ جانب غلطی میرے نزدیک راجح ہے۔ آپ جبتک کلام اہل زبان
میں نہ دیکھ لیں اسکو جائز نہ جانئے گا۔ مگر کلام سعدی و نظامی و حزین
اور ان کے امثال و نظائر کا معتمد علیہ ہے نہ آرزو اور واقف اور
قتیل و غیرہم کا۔

از جسم بجان نقاب تا کے
این گنج درین خراب تا کے

میرا ایک مطلع ہے ع از جسم بجان نقاب تا کے؛ این گنج درین خراب تا کے، ایک گروہ معارض
ہوا کہ گنج کو "خرابہ" کہو "نہ خراب"۔ میں متحیر کہ یارب کس سے کہوں
"خرابہ" مزید علیہ خراب کا ہے۔ مثل ویران و ویرانہ و موج و موجہ۔
الحاق ہائے ہوز سے لغت دوسرا نہیں پیدا ہوا۔ بارے صائب کے
دیوان میں ایک مطلع نظر آیا ع بفکر دل نہ فتادی بہیچ باب دریغ
بہ گنج راہ نہ بردی دریں خراب دریغ۔ یہ مطلع لکھ کر معترض صاحبوں کو
بھیجدیا کہ غالب کو درد سر نہ دیجئے جو پوچھنا ہے وہ صائب سے پوچھ لیجئے۔

دیکھو خط نمبر ۱۹

عارف علیشاہ خراسانی کا اعتراض اور دخل

عارف علیشاہ خراسانی نے اسی مطلع پر "از جسم بجاں نقاب تاکے + ایں گنج دریں خراب تاکے" تین اعتراض کئے تھے۔ پہلا نقاب کے ساتھ عارض و رُخ کا ذکر بھی ضرور تھا۔ وہ نہیں ہے۔ دوسرا گنج تو ویرانے ہی میں ہوتا ہے پھر اُس پر تاسف کیا جو کہتے ہیں "تاکے"۔ تیسرا ویرانہ کو خرابہ کہتے ہیں نہ خراب۔ اور ہاں ان اعتراضوں کے بعد اُنھوں نے دخل کیا تھا "از جسم بجاں حجاب تاکے + گل بر رُخ آفتاب تاکے" + خراب اور خرابہ کا جواب تو صائب کا مطلع اوپر کے خطوں میں لکھ چکا۔ یہ خط[1] بقیہ اعتراضوں کے جواب اور دخل کے بیجا ہونے کے اظہار میں ہے۔

(بنام خواجہ غلام غوث بیخبر)

نمبر ۲۲

از جسم بجاں نقاب تاکے + ایں گنج دریں خراب تاکے۔ کے اعتراضوں کا جواب اور اس شعر کے معنے سمجھاتے ہیں۔ فاخر مکین۔

قبلہ دیکھئے۔ ہم عارف ہیں دروو نامہ سے پہلے جواب نامہ لکھتے ہیں۔ دن بھول گیا ہوں غالب ہے کہ آج تیسرا دن ہو۔ صبح کو میں نے "آب در بنا رسیدن" کی بحث میں خلاصۂ تحقیق لکھکر ارسال کیا۔

---

[1] یعنے خط نمبر ۲۲

اُسیدن شام کو آپ کا خط آیا۔ بقیہ جواب اب لکھتا ہوں۔

از جسم بجاں نقاب تا کے کے اعتراضوں کا جواب

نقاب اس شعر میں بمعنے حائل ہے۔ حول کو وجہ و رُخ کی خصوصیت نہیں۔ دو چیزوں کے بیچ میں جو شے آجائے۔ بلکہ اُس سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ جو چیز ایک چیز کی مانع نظارہ ہو وہ نقاب ہے اُس شے نامرئی کا رُخ بمناسبت نقاب مقدر ہے اور یہ تقدیر جائز اور بلیغ ہے۔ "حجاب" کا یہاں اوپری یعنے بے محل اور نا ملائم ہونا بشرط عقل سلیم و طبع لطیف ظاہر ہے۔ "گل" خاک بآب آمیختہ کو کہتے ہیں وہ رُخ آفتاب تک کہاں پہونچے۔ ہاں گرد و غبار میں آفتاب چھپ جاتا ہے۔ اُسکا استعمال از روئے مجاز جائز ہے۔ "گنج در ویرانہ تا کے"۔ یہ بہت لطیف بات ہے یعنی افسوس کیا جاتا ہے اُس گنج کے بیکار ہونے کا۔ "گنج" سے غرض یہی تو نہیں کہ جنگل میں مدفون رہے وہ تو یہ چاہتا ہے کہ مدفن سے نکلے اور صرف ہو اور لوگ اُسکے وجود سے تمتع پائیں۔ یہاں ایک اور دقیقہ ہے کہ اس شعر میں گنج مشتبہ بہ اور روح انسانی مشبہ ہے۔ اور یہ سب جانتے ہیں کہ روح کا تعلق جسم سے جاودانی نہیں پس کیا قباحت ہے اگر ایک غمزدہ ستم زدہ قطع تعلق روح کا منتظر اور مشتاق ہو مثلاً ایک میعادی محبوس حسرتمندانہ کہے کہ الٰہی وہ دن کب آئیگا کہ میں قید سے نجات پاؤں۔ کب تک سڑک کاٹوں کب تک رنج اٹھاؤں۔

فاخر مکین

فاخر مکیں ایک شاعر تھا شجاع الدولہ و آصف الدولہ کے

عہد میں۔ اس نے سعدی و نظامی و حزیں کے اشعار کو صلاحیں دی ہیں۔ جب ایک ہندوستانی بے علم تنک مایہ اساتذہ نامی عجم کے کلام کو اصلاح دے۔ اگر ایک عالم خراسانی نے ایک ہندی کے مطلع میں تصرف کیا تو کیا قباحت لازم آئی۔ خدا کا شکر کہ مجھ کو ستر برس کی عمر میں پچاس برس کی مشق کے بعد اُستاد میسر آیا۔

(بنام خواجہ غلام غوث بیخبر)

نمبر ۲۳

جناب مرزا صاحب دلی کا حال تو یہ ہے ؎

گھر میں تھا کیا جو ترا غم اُسے غارت کرتا　　وہ جو رکھتے تھے ہم اک حسرت تعمیر سو ہے

یہاں دھرا کیا ہے جو کوئی لوٹیگا وہ خبر محض غلط ہے۔ اگر کچھ ہے تو بدیں نمط ہے کہ چند روز چند گوروں نے اہل بازار کو ستایا تھا۔ اہل قلم اور اہل فوج نے بانصاف رائے ہمدگر ایسا بندوبست کیا کہ وہ فساد مٹ گیا۔ اب امن و امان ہے۔

ناسخ کی نسبت مرزا کی رائے　ناسخ مرحوم جو تمہارے اُستاد تھے میرے بھی دوست صادق الوداد تھے مگر یک فنی تھے۔ صرف غزل کہتے تھے۔ قصیدہ اور مثنوی سے اُن کو کچھ علاقہ نہ تھا۔ سبحان اللہ تم نے قصیدہ میں وہ رنگ دکھایا کہ انشا کو رشک آیا۔ مثنوی کے اشعار جو میں نے دیکھے

کیا کہوں کیا حظ اُٹھایا ہے خدا سے میں بھی چاہوں از رہِ مہر؛ فروغ میرزا حاتم علی مہر۔ اگر اسی انداز پر انجام پائے گی تو یہ مثنوی کارنامۂ اُردو کہلائے گی خدا تم کو جیتا رکھے تمہارا دم غنیمت ہے۔ صاحب میں تم سے پوچھتا ہوں کہ معیار الشعرا میں تم نے اپنا خط کیوں چھپوایا؟ تمہارے ہاتھ کیا آیا؟ سنو تو سہی اگر سب کا کلام اچھا ہو تو امتیاز کیا رہے۔

(بنام مرزا حاتم علی مہر)

نمبر ۲۴

جناب عالی کل میرے شفیق مکرم منشی نواب جان کلبۂ احزان میں تشریف لائے۔ آپ کا سلام کہا معلوم ہوا خواجہ صدرالدین صاحب لشکر کے ساتھ گئے ہیں۔ اس فصل میں کہ ابھی سے رات دن آگ برستی ہے اچھا ہوا کہ زحمت سفر نہ کھینچی۔

مرزا اپنے رقعات چھپوانے کے خواہشمند ہیں اور خواجہ غلام غوث بیخبر سے اپنے رقعات یا اُن کی نقل طلب کرتے ہیں

اجی حضرت یہ منشی ممتاز علی کیا کر رہے ہیں۔ رقعے جمع کئے اور نہ چھپوائے۔ فی الحال پنجاب احاطہ میں ان کی بڑی خواہش ہے جانتا ہوں کہ وہ آپ کو کہاں ملیں گے جو آپ اُن سے کہیں۔ مگر یہ تو حضرت کے اختیار میں ہے کہ جتنے میرے خطوط آپکو پہونچے ہیں۔ وہ سب یا اُن سب کی نقل بطریق پارسل آپ مجھکو بھیجدیں۔ جی یوں

چاہتا ہے کہ اس خط کا جواب بھی پارسل ہو ع تم سلامت رہو قیامت تک

(بنام خواجہ غلام غوث بیخبر)

نمبر ۲۵

نامراد اور بے مراد۔ نامرادی کے معنی۔ سہ عاقلاں از بے مرادیہائے خویش ؛ باخبر گشتند از مولائے خویش۔

نامراد اور بے مراد — حضرت پیر و مرشد۔ ... ناظرین "قاطع برہان" پر روشن ہوگا کہ "نامراد" اور "بے مراد" کا ذکر مبنی اس پر ہے کہ عبدالواسع ہانسوی بے مراد کو صحیح اور "نامراد" کو غلط لکھتا ہے۔ میں لکھتا ہوں کہ ترکیبیں دونوں صحیح لیکن "بے مراد" غنی کو کہتے ہیں اور "نامراد" محتاج کو۔ اب آپ کے نزدیک اگر ان دونوں کا محل استعمال ایک ہی ہو تو میرا مدعائے اصلی، یعنی "نامراد" کی ترکیب کا علی الرغم عبدالواسع کے صحیح ہونا فوت نہیں۔ شعر میرا ع

نامرادی زندگی بر خویش آساں کردنست ؛ ترک جمعیت دل خود را بساماں کردنست،

نامرادی کے معنے — یہاں "نامرادی" "بے مرادی" کے معنے کیونکر دیگی۔ اغنیا خواہ اہل توکل خواہ اہل تموّل۔ متمولین پر کبھی کام آسان نہیں ہوتا بلکہ مفلسوں سے زیادہ اُن پر مشکلیں ہیں۔ رہے اہل توکل اُن کی صفتیں اور ہیں۔ وہ اہل اللہ ہیں۔ مقربان بارگاہ کبریا ہیں۔ دنیا پر لت پا مارے ہوئے ہیں۔ کام اُن پر کب مشکل تھا کہ اُنھوں نے اُسکو آسان کر دیا۔

"نامراد" صیغہ مفرد ہے مساکین کا۔ اصناف مساکین کی شرح ضرور نہیں۔
سختی کشی و بنیوائی و تہیدستی و گدائی یہ اوصاف ہیں مساکین کے۔ اِن
صفات میں سے ایک صفت جس میں پائی جاوے وہ مسکین و نامراد۔
البتہ مساکین پر نہ ایک کام بلکہ سب کام آسان ہیں نہ پاس ناموس و
عزت نہ محبت جاہ و مکنت۔ نہ کسی کے مدعی نہ کسی کے مدعا علیہ۔ دن رات
میں دو بار روٹی ملی بہت خوش۔ ایک بار ملی بہرحال خوش۔ خدا کے واسطے
مولانا صاحب کے شعر میں سے "نامراد" بمعنی "کسے کہ ہیچ مراد نداشتہ باشد"
کیونکر ثابت ہوتا ہے۔ مساکین کی زندگی جیسا کہ میں اوپر لکھ آیا ہوں آسان
گذرتی ہے یا اغنیا کی۔؟

عاقلاں از بے مراد یہائے خویش
باخبر گشتند از مولائے خویش

رہا مولوی معنوی علیہ الرحمۃ کا یہ شعر ؎
عاقلاں از بے مرادیہائے خویش ؛
باخبر گشتند از مولائے خویش۔ میں نے مثنوی کے ایک نسخہ میں "عاقلاں"
کی جگہ "عاشقاں" دیکھا ہے۔ بہرصورت معنی یہ ہیں کہ عشاق یا عقلا بعد
ریاضت شاقہ ماسوائے اللہ سے اعراض کرکے بے مراد اور بے مدعا ہو گئے
یہ پایۂ تسلیم و رضا ہے۔ البتہ اس رتبہ کے آدمی کو خدا سے لگاؤ پیدا ہوگا۔
ع باخبر گشتند از مولائے خویش۔ یہاں بھی بے مرادی سے نامرادی
کے معنی نہیں لیئے جاتے مگر ہاں ع بے مرادی مومناں از نیک و بد؛
دوسرا مصرع ع ور نگلی بے مرادت داشتے؛ ان دونوں مصرعوں میں
نامراد اور بے مرادی کے معنی میں غلط واقع ہو گیا ہے۔ خیر "بے مراد" اور

"نامراد" ایک سہی۔ ہر چند دوسرے مصرع مولوی میں "بے مراد" کے معنی "بے حاجت" کے درست ہوتے ہیں۔ مگر ع من کہ رندم شیوہ من نیست بحث۔ زیادہ تکرار کیوں کروں۔ معہذا مصرعۂ اول کی کچھ توجیہ بھی نہیں کرسکتا۔ "نامراد" کی ترکیب کی صحت علی الرغم عبدالواسع ثابت ہوگئی۔ فثبت المدعا۔ کمال یہ کہ مانند "ناچار" و "بیچارہ" اور "ناانصاف" اور "بے انصاف" کے "نامراد" اور "بے مراد" کا بھی مورد استعمال مشترک ہا

والسلام ۱۲ (بنام خواجہ غلام غوث بیخبر)

نمبر ۲۶

سہل ممتنع کی ترکیب و تعریف ۔ ہے سہل ممتنع یہ کلام ادق مرا ہا برسوں پڑے تو یاد نہو دے

سبق مراد آب در بنا رساندن اور بنا بہ آب رسانیدن۔

سہل ممتنع کی ترکیب و تعریف

پیر و مرشد۔ سہل ممتنع میں کسرۂ لام توصیفی ہے۔ سہل موصوف اور ممتنع صفت۔ اگرچہ بحسب ضرورت وزن کسرۂ لام مشبع ہوسکتا ہے۔ لیکن مخل فصاحت ہے۔ اور لام موقوف تو خود سراسر قباحت ہے۔ سہل ممتنع اُس نظم و نثر کو کہتے ہیں کہ دیکھنے میں آسان نظر آئے اور اُسکا جواب نہو سکے بالجملہ سہل ممتنع کمال حسن کلام ہے اور بلاغت کی نہایت ہے۔ ممتنع درحقیقت ممتنع النظیر ہے شیخ سعدی کے بیشتر فقرے اس صفت پر مشتمل ہیں اور رشید وطواط وغیرہ شعرائے سلف نظم میں

اس شیوہ کی رعایت منظور رکھتے ہیں۔ خود ستائی ہوتی ہے۔ سخن فہم اگر غور کرے گا تو فقیر کی نظم و نثر میں سہل ممتنع اکثر پاوے گا۔

ہے سہل ممتنع یہ کلام ادق مرا برسوں پڑھے تو یاد نہووے سبق مرا

ہو سہل ممتنع یہ کلام ادق مرا اور برسوں پڑھے تو یاد نہووے سبق مرا[۱] یہ مصرعہ حیرت آور ہے۔ کلام ادق سہل ممتنع کے منافی ہے۔ پھر یاد نہ ہونا اور حافظہ پر نہ چڑھ جانا ہرگز سہل ممتنع کی صفت نہیں ہو سکتی۔ کلام ادق جس کا حفظ دشوار ہو شاید کوئی قسم اقسام کلام میں سے ہو۔ ہاں کلام ادق کلام مغلق کو کہتے ہیں۔ سو کلام مغلق اور کلام سہل ممتنع ضد یکدیگر ہے۔ مغلق اور ادق سہل ممتنع اور سہل ممتنع مغلق اور ادق کیونکر ہو سکے گا۔ اور حافظہ میں محفوظ رہنا کلام مغلق اور ادق کی صفت کیونکر پڑے گی۔ ہاں مغلق عسیر الفہم ہوگا پڑھا نہ جائے گا معنی سمجھ میں نہ آئینگے۔ سہل ممتنع کی صفت وہ تھی جو فقیر اوپر لکھ آیا اس شعر سے مجھکو کچھ علاقہ نہیں

آب در بنا رسیدن اور بنا بہ آب رسانیدن

"آب در بنا رسیدن" بمعنے "خراب بنیاد" قیاسی ہے۔ اساتذہ کے کلام میں میں نے نہیں دیکھا اگر آیا ہو تو درست ہے۔ ہاں "با آب رسانیدن بنا کہ بظاہر آب در بنا رسیدن" کا متعدی ہے

[۱] یہ شعر میر انیس مرحوم کا مرزا صاحب کے اعتراض بیجا کا گھائل ہے۔ مرزا صاحب نے اسکے معنے سمجھانے میں غلطی اور اسپر اعتراض وارد کرنے میں زیادتی کی ہے "کلام ادق" سے یہاں یہ مطلب ہے کہ ہرچند باعتبار لفظ کلام بہت سہل مگر بلحاظ معنی بہت دقیق اور باریک ہے۔ اور اسی وجہ سے اسکی نقل دیری بہت مشکل ہے۔ وہ عسیر الفہم نہیں بلکہ عسیر النقل ہو۔ اور یہی حقیقی تعریف سہل ممتنع کی ہے۔ "سبق یاد نہونے" سے بھی یہ مطلب ہرگز نہیں کہ کلام کا حافظہ میں محفوظ رکھنا مشکل ہو بلکہ برسوں پڑھنے اور یاد رکھنے کے باوجود بھی اسکی نقل دشوار ہے

بلغا کے کلام میں آیا ہے لیکن اضداد میں سے ہے، بمعنے "ویرانی بنا" مستعمل اور ہم بمعنی "استحکام بنا" اگر اسکا لازم ڈھونڈیے تو "رسیدن بنا بہ آب" ہے نہ "رسیدن آب در بنا" جیسا کہ نعمت خان عالی کہتا ہے ؎

نیست محکم گر رسد بنیاد دنیا تا بآب　　چون حباب این خانہ بے بنیاد میدانیم ما

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ "رسیدن بنا تا بآب" موجب استحکام ہے اور شاعر باوجود دلیل استحکام بنا کو نا استوار جانتا ہے صائب کہتا ہے ؎

چگونہ شمع تجلی ز رشک نگدازد　　رخ تو خانۂ آئینہ را بآب رساند

حاجی محمد جان قدسی ؎

بگوش عطایش رساند این خطاب　　کہ بنیاد کان را رساند بآب

یہ دونوں شعر مفید معنی ویرانی ہیں۔ قصہ مختصر "بآب رسیدن بنا" خرابی خانہ و "بآب رساندن" متعدی اس۔ و "رسیدن آب در بنا" نامسموع۔ میں ابھی بیمار ہوں اور بیمار کے واسطے انجام کو غسل صحت یا غسل میت۔ والسلام ۱۲　　(بنام خواجہ غلام غوث بیخبر)

نمبر ۲۷

خانصاحب عالیشان مرزا علی سلیمان خان صاحب کو فقیر غالب کا سلام۔ نظم و نثر دیکھکر دل بہت خوش ہوا آج اس فن میں تم یکتا ہو خدا تمکو سلامت رکھے۔

"جفا" کی تذکیر و تانیث　بھائی "جفا" کے مونث ہونے میں اہل دہلی و لکھنؤ کو باہم اتفاق ہے۔ کبھی کوئی نہ کہیگا کہ جفا کیا۔ ہاں بنگالہ میں جہاں بولتے ہیں کہ ہتھنی آیا اگر جفا کو مذکر کہیں تو کہیں ورنہ ستم و ظلم مذکر اور بیداد و جفا مونث ہے بے شبہہ و شک۔ والسلام والاکرام ۱۲　　(بنام مرزا علی سلیمان رعنا)

نمبر ۲۸

خانصاحب مشفق عالیشان کو میرا سلام۔ کل تمہارا عنایت نامہ پہونچا رامپور کا لفافہ آج

اصلاحِ شعر

رامپور کو روانہ ہوگا۔ کاغذ اشعار مین نے دیکھ لیا کہین صلاح کی حاجت نہ تھی ؎

گزرا ہی مرا نالہ دلِ چرخ کہن سے
تھا روح کا ہمدم شم پھر اجالکے وطن سے

"نالہ دل" بنا دیا۔ نواب صاحب اُردو کا تذکرہ لکھتے ہین فارسی غزل تمنے بے فائدہ لکھی۔ دیکھو صاحب تم نے اپنے مسکن کا پتہ لکھا سو مین نے دوسرے دن تمہارے خط کا جواب روانہ کیا

منشی نولکشور کے متعلق مرزا کی رائے

منشی نولکشور صاحب یہان آئے تھے مجھسے ملے بہت خوبصورت اور خوش سیرت سعادتمند اور معقول پسند آدمی ہین وہ تمہارے مداح اور مین اُنکا ثناخوان۔ خدا آپکو اور اُنکو سلامت رکھے۔

(بنام مردان علیخان رعنا)

نمبر ۲۹

بخدمت مشفقی مکرمی مرزا رحیم بیگ صاحب نور اللہ قلبہ بالاسرار وعینہ بالانوار سخنے چند گفتہ میشود ؎

نہ در منطقِ پارسی و دری
ہمیں ہندی سادہ و سرسری

جس طرح توحید میں نفی ماسوے اللہ دستور ہے۔ مجھکو تحریر میں حذف زوائد منظور ہے۔ عزم مقابلہ نہیں۔ قصد مجادلہ نہیں۔ سرتاسر دوستانہ حکایت ہے۔ خاتمہ میں ایک شکایت ہے۔ شکوہ دردمندانہ منافی شیوۂ ادب نہیں معہذا اظہار درد دل مراد ہے کوئی بات جواب طلب نہیں۔ احسانمند ہون آپ کا کہ آپ نے منشی سعادت علی کی طرح آدھا نام میرا نہ لکھا۔ اُن کے حسن ظن کے مطابق مجھکو معشوق میرے اُستاد کا نہ لکھا۔ اور اگر ایک جگہ یہ الفاظ کہ "بقول غالب (باکدام خرس درجوال شدہ ام)" بہم کیے۔ اور دو چار جگہ کلمۂ توہین رقم کیے۔ میں نے اپنے لطف طبع اور حسن عقیدت سے

پہلے فقرے کا مفہوم یوں اپنے دل نشیں کیا۔ کہ حضرت نے محمد حسین دکنی جامع برہان کو موافق میرے قول کے خرس یقین کیا۔ یا "خرس در جوال شدن" عبارت ہے صحبت سے۔ خواہی مدافعت کے واسطے ہو خواہی محبت سے مجھکو اسکا قرب سبیل آویزش ہے۔ تم کو اسکا قرب از روے آمیزش ہے۔ دوسرے فقرے کے معنے یہ ٹھہرے بلکہ بے تکلف میرے ضمیر میں آئے کہ خرس کی مدد دینے سے کوفت حاصل ہوئی۔ اور وہ کوفت باعث درد دل ہوئی۔ شدت درد میں آدمی چیختا ہے' چلاتا ہے' ہائے ولے کرتا ہے' غل مچاتا ہے' جیسا کہ سعدی کی بوستاں کی اس حکایت میں جسکا پہلا مصرعہ یہ ہے ع شبے زیت فکرت ہمی سوختم + فرماتا ہے ع کہ ناچار فریاد خیزد ز درد۔

برہان قاطع کے متعلق — جناب مرزا صاحب کیا تم نہیں جانتے۔ کیونکر نہیں جانتے۔ بے شبہہ جانتے ہوگے۔ کہ اکابر امت کو امور دینی میں کیا کیا منازعتیں باہم واقع ہوئی ہیں کہ نوبت بہ تکفیر یکدیگر پہونچی ہے۔ اگر فن لغت میں ایک شخص دوسرے کا معتقد نہوا یہاں تک کہ اسکی تحمیق بھی کی تو اور مدعیان علم و عقل اس مسکین کے جگر تشنہ خون کیوں ہو جائیں۔ اور جب تک نقش ہستی اسکا صفحہ دہر سے نہ مٹائیں آرام نہ پائیں۔ ظلم تو یہ ہے کہ جو کچھ میں نے قاطع برہان میں لکھا ہے نہ اسکو سمجھتے ہیں" اور نہ کچھ آپ لکھتے ہیں نہ اسکے معنے سمجھتے ہیں۔ سوال دیگر جواب دیگر یہ بر مراد ہے۔ خارج از بحث اقوال تکرار ہے برہان قاطع والے کی محبت سے دل بیقرار ہے۔ فرط غیظ و غضب سے بدن رعشہ دار ہے۔ منشی سعادت علی

نہ ناظم ہے نہ نثار ہے۔ بموجب اس مصرعہ کے ع " مقتضائے طبیعتش اینست"۔ ناچار تمکو معرض تحریر میں تحمل اور تامل چاہیے۔ سخن پروری و جانب داری میں توغل چاہیے۔ بحسب اختلاف طبائع مانو یا نہ مانو مگر

فرہنگ نویسوں کے متعلق مرزا کا عقیدہ

یہ تو جانو کہ غالب سوختہ اختر کا فرہنگ نویسوں کے باب میں کیا عقیدہ ہے اگرچہ قاطع برہان میں جا بجا لکھتا آیا ہوں مگر اب ہندی کی چندی کر کے لکھتا ہوں کہ یہ میرا عقیدہ ہے کہ فرہنگ لکھنے والے جتنے گذرے ہیں سب ہندی نژاد ہیں ہاں علم صرف و نحو عربی میں بقدرِ تحصیل مسلّم اور اُستاد ہیں۔ علم صرف و نحو کی کتب درسی موجود ہیں جسنے چاہا ہے اُسنے اُستاد سے اُن کتب کو پڑھ لیا ہے۔ فارسی کی جو فرہنگیں حضرت نے لکھی ہیں مطالب مندرجہ کس اصول پر منضبط کیے ہیں اور اُسکا علم کس اُستاد سے حاصل کیا ہے آخر مقاصد صرف و نحو عربی بھی تو صرف مطالعہ کتب سے نہیں نکالے ہیں۔ پہلے تعلیم تعلم ہے پھر کتبِ قواعد کے جا بجا حوالے ہیں۔ قواعد فارسی کا رسالہ اہل زبان میں سے کسنے لکھا ہے۔ اور ان ہوس پیشہ فرہنگ لکھنے والوں نے وہ رسالہ کس فاضلِ عجم سے پڑھا ہے۔ شیدائے ہندی سکردی نے حاجی محمد جان قدسی علیہ الرحمۃ کے ایک شعر پر اعتراض کیا ہے مرزا جلالائے طباطبائی علیہ الرحمۃ نے شیدا کو خط لکھا ہے سر آغاز خط کا ایک قطعہ جس میں صحرا و دریا قافیہ اور برساند ردیف۔ شعر اخیر کا مصرع ثانی یاد رہ گیا ع یعنی بہاد یو مقوی برساند + خلاصہ مضمون خط یہ کہ نہ تو صاحب زبان ہو نہ زبان دان ہے۔

یعنی مقلد اور کاسہ لیس اہل ایران ہے۔ حاجی محمد جان کے کلام کو سند پکڑ۔
تجھے کسنے کہا ہے کہ اُس سے لڑ۔ کیا تو نے سنا نہیں جو عرفی و فیضی میں گفتگو
ہوئی ہے۔ اور موتمن الدولہ شیخ ابوالفضل کے روبرو ہوئی ہے۔ لغات فارسی
اور ترکیب الفاظ میں کلام تھا۔ مولانا جمال الدین عرفی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا
کہ میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے۔ اور نطق آشنا ہوگیا ہوں اپنے گھر کی
بڑھیوں سے لغات فارسی اور یہی ترکیبیں سنتا رہا ہوں فیضی بولا کہ جو کچھ
تم نے گھر کی بڑھیون سے سیکھا ہے وہ ہم نے خاقانی و انوری سے اخذ کیا ہے
حضرت عرفی نے فرمایا کہ تقصیر معاف خاقانی و انوری کا ماخذ بھی تو مسلق
گھر کی پیرزالوں کا ہے۔ ہائے اہل تمیز کہاں سے لاؤں جو دیکھیں کہ یہ ال
قلمرو ہند کے صاحب کمال نکلا ہو۔ قیاس مع الفارق کی بہار دیکھو۔ مجرد تقدم زمانہ کا
اعتبار دیکھو۔ مانا کہ عرفی تحصیل علوم عربیہ مین اُن سے کمتر ہی صاحب زبان اور ایرانی ہونے
میں برابر ہے۔ کیا عرفی کیا انوری کیا خاقانی۔ ایک شیرازی ایک خاوری
ایک شروانی۔ اگر مجھسے کوئی کہے کہ غالب تیرا بھی مولد ہندوستان ہے۔
میری طرف سے جواب یہ ہے کہ بندہ ہندی مولد و پارسی زبان ہے ؎

ہرچہ از دستگہ پارس بیغما بردند تابنالم ہم ازاں جملہ زبانم دادند

زبان دانی فارسی میری ازلی دستگاہ اور یہ عطیہ خاص منجانب اللہ ہے
فارسی زبان کا ملکہ مجھ کو خدا نے دیا ہے۔ مشق کا کمال (مرزا کو فارسی کا خداداد ملکہ)
میں نے اُستاد سے حاصل کیا ہے۔ ہند کے شاعروں میں اچھے اچھے خوشگو
اور معنی یاب ہیں لیکن یہ کون احمق کہے گا کہ یہ لوگ دعوی زباندانی کے

باب ہین یہ ہے فرہنگ لکھنے والے۔ خدا اُن کے پیچ سے نکالے۔ اشعار قدما آگے دھر لیے اور اپنے قیاس کے مطابق چلدیئے۔ وہ بھی نہ کوئی ہم قدم نہ ہمراہ۔ بلکہ سُو بسُو پراگندہ و تباہ۔ رہنما ہو تو راہ بتائے۔ اُستاد ہو تو شعر کے معنی سمجھائے۔ نہ آپ شیرازی نہ اُستاد رمضانی۔ از ہمے رگ گردن وخے دعوی زباندانی۔ میرا یہ قول خاص ہے نہ عام ہے۔ مجموع تو فرہنگ نگاروں کے محقق ہونے میں کلام ہے۔ یہ کیا بات ہے کہ جامع برُہان کا ماخذ فرہنگ رشیدی و جہانگیری ہے۔ عبدالرشید کی کیا شیخی اور میاں انجو میں کیا پیری ہے۔ قطب شاہ و جہانگیر کے عہد میں ہونا اگر منشاے برتری ہے۔ تو بیچارہ جعفر زٹلی بھی فرخ سیری ہے۔

لطیفہ — ایک لطیفہ لکھتا ہوں اگر خفا نہ ہو جاؤگے تو حظ اٹھاؤگے۔ جتنی فرہنگیں اور جتنے فرہنگ طراز ہیں۔ یہ سب کتابیں اور یہ سب جامع مانند پیاز ہیں۔ تو بتو ادر لباس در لباس۔ وہم در وہم اور قیاس در قیاس۔ پیاز کے چھلکے جس قدر اُتارتے جاؤگے چھلکوں کا ڈھیر لگ جائیگا مغز نہ پاؤگے۔ فرہنگ لکھنے والوں کے پردے کھولتے چلے جاے لباس ہی لباس دیکھوگے شخص معدوم۔ فرہنگوں کی ورق گردانی کرتے رہو ورق ہی ورق نظر آئینگے معنی موہوم۔ ظرافت برمدار تحقیق نہیں ہے۔ آپکے خاطر نشین کرتا ہوں جو میرے دلنشین ہے۔ فرہنگ نویسون کا قیاس معنی لغاتِ فارسی میں نہ سراسر غلط ہے۔ البتہ کمتر صحیح اور بیشتر غلط ہے۔

جامع برہان قاطع کی نسبت رائے — خصوصاً دکنی تو عجیب جانانہ ہے۔ لغو ہے پوچ ہے پاگل ہے دیوانہ ہے۔ وہ تو یہ بھی نہیں جانتا کہ یائے اصلی کیا ہے اور

یائے زائدہ کیا ہے۔ حیران ہوں کہ اسکی جانب داری میں فائدہ کیا ہے
خدا جانتا ہے کہ میں یک رنگ ہوں۔ مگر دکنی کے جانب داروں کا
چو رنگ ہوں۔ نہ مجھے جو چاہو سو کہو اوروں سے تم کیوں لڑتے ہو۔ کہیں جامع
و لطائف غیبی" کو برا کہتے ہو کہیں نگارندۂ "دافع ہذیان" سے جھگڑتے
ہو جانتا ہوں کہ دکنی کی عبارت کی خامی، اُس کی رائے کی کجی، اُسکے
قیاس کی غلطی، اگرنہ سب جگہ بلکہ بعض جگہ سچ جانتے ہو۔ مگر یہ میں نہیں
جانتا کہ اتنی محبت کرنی اور اُسکے رفع تخلیہ کے واسطے توجیہات بارد
ڈھونڈھنی کس واسطے ایسا اُسکو کیا مانتے ہو۔ مجھ پر جدا منہ آتے ہو۔
مولوی نجف علی اور میاں داد خاں سے جدا بگڑتے ہو۔ بھائی صاحب
مغل بچہ پن پر آگئے گوار لڑتے ہو۔ سچ ہے غالب آگندہ گوش ہے کسکی
نہیں سنتا۔ اسی سے آپ کے مقرر کئے ہوئے قاعدے کے موافق بکلف
کہتا ہوں کہ قاطع برہان و دافع ہذیان و لطائف غیبی کو ہرگز نہیں دیکھا۔

آویزہ و افسوس — "آویزہ" و "افسوس" کے بیاں میں مجھسے وہ سہو ہوا
ہے کہ مجھے اُسکا اقرار اور میرا دوست میاں داد خاں شرمسار ہے۔ جو
کچھ اُس مصنف نے اس باب میں لکھا وہ قول فیصل اور کافی ہے۔ مانیں
یا نہ مانیں ناظرین کو اختیار ہے۔

گھری — بکاف فارسی مکسور بوزن اکھری لغت ہندی الاصل۔ اسکی
شرح میں جداگانہ ایک فصل۔ کاف فارسی مکسور کی جگہ کاف عربی
مفتوح اعراب کا بوزن تشری موضوع۔ مجھے اور میرے دوست سیف الحق

کو د سہو طبعی پر استعذار۔ ہواخواہان بوہرہ دکنی کو اغلاط متواتر کے جواز پر اصرار۔
فاعتبروا یا اولی الابصار۔ خرب داد بمعنی نور اور خورہ مع اواو بمعنے جزام۔ ایک یزہ
بمعنی پاک۔ اور آویزہ بمعنی ناپاک۔ ایک یہ اور ہزار ایسے اغلاط سند اور مقبول اور
منظور۔ گویا یہ مصرع جو حمد مین ہے ع کند ہر چہ خواہد بر و حکم نیست" اسکی شان مین صادق
سمجھ لیا ہے چشم بد دور۔ اب چاہیے کہ اُس کے پوجنے والے اُس کے نام کے
بعد "جل جلالہ" لکھیں۔ اور اگر اتنی جرأت نہ کریں تو نظر با فادہ و استفادہ "عم نوالہ"
لکھیں ستر برس کی عمر کانوں سے بہرا جمعیت کم تفرقہ زیادہ اور پھر خود داری اور
کسر نفس اور استغنا خدا داد۔ بیہودہ بکنے میں اوقات کیوں صرف کروں۔
پاسخ نگاری کیوں لفظ بلفظ و حرف بحرف کروں۔ آپ کو اپنی نمود اور شہرت
منظور ہے خردہ گیری و عیب جوئی سے مجھکو نفرت ہے اور حیا آتی ہے یادہ
گوئی سے۔ آپ کے حسن کمات طیبات سے قطع نظر کرکے ناظرین منصف
کے وجدان پر چھوڑ دیتا ہون اور شکایت موعودہ سے پہلے تین امر ضروری
لکھ لیتا ہوں۔

("صیحہ" بمعنے آواز اسپ زینہار نیست) اسکے ہیچ ہونے میں کیا کلام ہے

"صیحہ" جو "صیحہ" سے آواز اسپ مراد لیکھے وہ ناقص ہے اور خام ہے۔
کیا عرفی کا شعر عرفی کے خط سے لکھا ہوا کسی کو نظر پڑا کہ ناظر سے سنکر تمہارا ذہنِ
وقاد نقاد وہاں جا لڑا۔ لغت کسی باطن کے اندھے کے ہاتھ سے لکھا جائے اور
پھر عرفی جیسا شاعر دیدہ ور بازپرس میں پکڑا جائے۔ تمہارا محبوب بوہرہ دکنی
شین منقوط مع التحتانی کے بیان میں "شیہہ" کو گھوڑے کے ہنہنانے کی

"صہیل" فارسی بتاتا ہے۔ عربی میں گھوڑے کے ہنہنانے کو "صہیل" بوزن ولیل کہتے ہیں "صیحہ" بوزن بیضہ عموماً بمعنے ہر صدائے ہولناک و مہیب آتا ہے میں کیونکر فرہنگ نگاروں کے اور اُن کے مددگاروں کے قیاس کو وحی سمجھوں۔ اور کیونکر کاتبوں کے املا کو مصحف مجید کی طرح سر پر دھروں۔ یہ تو جب ہو سکتا ہے کہ میں اپنے کو جماد اور نبات فرض کروں۔ جرم و خطاے بلوغ بر گردن بندہ کا جناب است" میں آپ کو مخاطب بالفتح ٹھہرا کر یہی فقرہ پڑھکر چپ ہو رہتا ہوں۔ بعد اسکے تبدل جیم بہ یاے تحتانی کو نامسموع کہتا ہوں۔ یعقوب کو بتغیر لہجہ انگریزی زبان میں جاکوب کہتے ہیں۔ کہاں مبدل منہ کہاں تغیر لہجہ، حضرت آپ جو کہتے ہیں خوب کہتے ہیں۔ کودک کو ترجمہ طفل نہیں مانتے اور پھر خاتمہ میں بدرگان بصیغہ جمع لکھواتے ہو۔ واقعی یوں ہے کہ جو کچھ لکھواتے ہو بہ نیر دے لبصر نہیں بلکہ از روے سمع لکھواتے ہو۔

خط تمام ہوا اب مستغیث کی عرضی کی سماعت ہو۔ لیکن سماعت از روے انصاف بالاے طاعت ہو۔ عرضی گذراننے سے پہلے مستغیث پوچھتا ہے کہ آپ کے محکمہ عالیہ کا سررشتہ دار دیانت دار ہے یا نہیں؟ سخن فہم و ہوشیار ہے یا نہیں؟ میں تو گمان کرتا ہوں کہ امین نہ ہو۔ دلیل سن لیجیے اگر یقین نہو۔

(صیحہ بمعنی آواز سپ زنہار نیست) اسکے ماقبل اور بھی عبارت ہے سنانے والے نے پڑھی ہو کتنا بعید ہے۔ کہ واسطے کہ اس عبارت کے مفہوم کو ملحوظ نہ رکھنا اور محمد اکرم پنجابی کا شعر تو قابل التفات نہیں مگر مولانا جمال الدین عرفی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کا شعر بہ تبع کاتب غلط لکھوا دینا تم سے ایسا بعید ہے (

انشار میں ناسخوں کی تحریف کو مانتے ہو۔ املا میں کاتبوں کی غلطی کے کیوں نہ قائل ہو۔ انشار و املا و لفظ و معنی میں تقلید چھوڑ کر تحقیق کے کیوں نہ مائل ہو۔ تقصیر معاف یہ نہ استناد بکلام عرفی عالی مراتب ہے بلکہ پیروی خامۂ کج رفتار کاتب ہے۔ کہہ چکا ہوں کہ نہ مجھکو مناظرہ کا دماغ۔ نہ ہجوم امراض جسمانی و آلام روحانی سے فراغ۔ آگے جو ہمت نہیں ہاری تھی اور غیب سے توقع مددگاری تھی۔ تو یہ اپنا شعر ازد میسر د۔ د زبان اِس ہنجار سے میں زمزمہ سنج فغاں رہتا تھا۔ ؎

رات دن گردش میں ہیں سات آسماں   ہو رہیگا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

اب جو صلاح حال و حصول مطالب سے دل مایوس ہے۔ تو طبیعت اسی غزل کی اس بیت کے ترنم سے مانوس ہے ؎

عمر بھر دیکھا کیے مرنے کی راہ   مر گئے پر دیکھیے دکھلائیں کیا

کوئی یہ نہ سمجھے کہ بڑا رونا رزق کا ہے جب معاش مقرر ہو تو پھر غم کیا ہے۔ نا صاحب یہ باتیں جانوروں کی ہیں کہ کچھ کھا لیا پانی پی لیا اور چین سے سو رہے آدمی عموماً اور صاحبان ننگ و ناموس خصوصاً باوجود فراغ معاش ایسی جانگداز بلاؤں میں مبتلا ہیں کہ کوئی کیا کہے۔ یہ حال تو یا صاحب واقعہ جانے یا خدا جانے۔ دوسرے سے یہ کار افتادہ کیوں کہے اور بغیر کہے دوسرا کیا جانے۔ مناظرہ کا تو ہرگز ارادہ نہیں۔ اگر مردہ دل نہوتا تو باتیں کہتا زیادہ نہیں۔ وہ بھی از روئے بحث و تکرار نہ باندازِ استفسار۔ اظہار سے مقصود نفس اظہار۔ یہ جو آپ نے مولوی امام بخش کو امام المحققین خطاب دیا ہے کتنے

محققین نے آپکو اپنا امام مان لیا ہے۔ جب تک نہ اجماع محققین کا ہوگا یہ خطاب باجماع
اہل عقل ناجائز و ناروا ہوگا۔ وہ فرماں روائے عہد شاہنشاہ کہلائے گا کسی
بادشاہ جسکے فرماں پذیر ہو جائینگے۔ ایک سید نے اپنے لڑکے کا نام میر شہنشاہ
رکھ لیا یہ میر شہنشاہ صاحب کیونکر شاہجہاں، جہانگیر ہو جائینگے۔ اگر حضرت
بفتحہ قاف ثانی بصیغۂ تثنیہ امام المحققین کہتے تو ایک ماموم آپ ہوتے اور
نرائن داس تنبولی دوسرا ہوتا۔

ساطع برہان کے تیرھویں صفحہ کی نویں سطر میں آپ لکھتے ہیں (وہمچنیں
برافراط در تقریظ و تصحیح را کار بند نشدہ اند کہ بداں حرف گیری تواند کرد) "تواند"
توانستن کے مضارع کی بحث میں سے صیغۂ واحد غائب ہے فاعل چاہتا ہے
خواہی معرفہ جیسے احمد محمود خواہی نکرہ جیسے یہاں کسے یا شخصے مردے یا زنے۔
اور اگر فاعل مذکور نہو تو اُس صورت میں "تواں کرد" چاہیئے کہ تواں عالم بسیم
فاعلہ ہے۔ کرامت تو مجھے حاصل نہیں ہاں از روئے حسن عقیدت کہتا ہوں
کہ یا آپ نے یوں لکھا ہے کہ (کسے بداں حرف گیری تواند کرد) یا "تواند" کی
جگہ "تواں" رقم فرمایا ہے۔ دیکھیے آپ نے بیل کے جوئے کا بوجھ میری گردن
پر رکھ دیا۔ اور میں نے ایک بیل کا بوجھ پشت مبارک سے اٹھا لیا۔ او
اسد اللہ داد خواہ جلد آ اور اپنی عرضی لا۔ حضرت آیا اور عرضی لایا۔ پہلے پانچ
کاغذوں کی نقلیں علی الترتیب پڑھی جاویں پھر سررشتہ دار صاحب بکمال
امانت و دیانت عرضی سناویں۔

نقل عبارت برہان قاطع | "آب وہ دست"، بکسر دال ابجد و ہائے ہوز اشارہ

بحضرت رسول صلوات اللہ علیہ است خصوصاً و شخصے را نیز گویند کہ بزرگ مجلس بود و آرائش صدر و زینت ازو باشد عموماً۔

نقل عبارت قاطع برہان — از خامی عبارت چشم می پوشم و می خروشم کہ "آب دہ دست" مرکب از آب و دہ کہ صیغہ امرست از دادن و دست کہ باوجود معانی دیگر مسند را نیز گویند۔ معنی ترکیبی رونق دہندۂ مسند۔ ہر آئینہ تا مسند را بطرف نبوت یا رسالت یا ہدایت مضاف نگردانند بمقام نعت فرد نیارند بلکہ در مدائح اکابر و صدور نیز بے اضافہ لفظ امارت و شوکت و امثال اینہا ننگارند۔ کہ تنہا "آب دہ دست" افادہ معنی شو بانندۂ رسالت میکند و آں خود ا ہانتے ست قبیح۔ بیچارہ در نظم و نثر نعت "آب دہ دست رسالت" دیدہ است و نیمہ مضمون را لغت اندیشیدہ۔

نقل عبارت ساطع برہان — "آب دہ دست" خدا نکند کہ ایں اعتراض از جانب مرزا صاحب باشد۔ کور سوادے ہمچو من گفتہ باشد۔ بخاطر داشت آں درج کتاب کرد ورنہ ایں کنایہ قابل اعتراض نیست۔ چہ "آب دہ دست" جملہ ترکیبی ست دست کہ در عربی و فارسی بمعنی مسند است مضاف و مضاف الیہ معنی محذوف باید دانست بلکہ کلامیست مستقل بترادف بالا دست۔ مضاف و مضاف الیہ کہ معنی صدر و مسند و بزرگ قوم باشد۔ صاحب مؤید الفضلا در لغت فارسی ایں لغت را بند و کتاب کہ آداب وقیتہ باشد ہمیں صورت و صحت بہمیں معنی نگاشت۔ و در مدار نیز و صاحب رشیدی آوردہ کہ "آب دہ دست" بمعنی بزرگ مجلس و معنی ترکیبی آں رونق دہ صدر و مسند **قولہ** بیچارہ در نظم و نثر

نعت آب دہ دست رسالت دیدہ و نیمۂ مضموں را لغت اندیشیدہ انتہی **اوّل**
جامع ایں کنایہ را در نظم و نثر بے اضافۂ رسالت دیدہ است و ہمچناں در رشتۂ تحریر
کشیدہ است خاقانی گوید ؎

دست آب دہ مجاور انش ‌ ‌ ‌ ازرن دہ برج کو تراشش

تبصرہ پس گردان جناب اگر فراموش نہ کنند در شرح " ماہی چشمۂ خضر " در باب
المیم جو نیدکہ می گو نید کہ " آب دہ دست " استعارہ براے آنحضرت اے خاقانی
خالی از رکاکت نیست ۔ واے بریں عقیدت کہ او را بہ پیمبری بر داشتند و باز
در تشبیہ بے کاکت سرنگوں انداختند ۔

| نقل عبارت برہان قاطع | " ماہی چشمہ " خضر " کنایہ از زبان و دہان معشوق ست ۔

| قاطع برہان | یارب " ماہی چشمہ خضر " کدام لغت ست من در کتاب منطبعہ بدیں
صورت دیدہ ام ع قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید ، در ضمیری گذرد کہ " ماہی چشمۂ خضر "

| ماہی چشمۂ خضر | خواہد بود و آں خود مضمون نیست بطریق استعارہ بالکنایہ کہ سخنور
بسا خون جگر خوردہ باشد تا در نظم و نثر خویش آوردہ باشد پس ہر کہ ایں را در گفتار
خویش آرد سرقہ خواہد بود ۔ از لغات مستقلہ و کنایہاے مشہورہ نیست کہ بکار
دبیران روزگار آید ۔

| شیر شرزہ غاب | شیر خدا کہ ترجمۂ اسد اللہ ست گوئی یکے از نامہاۓ جناب
ولایت پناہ است ۔ صد ہزار کس در کلام خویش آوردہ باشد و سرقہ نیست ۔
و کنی در بحث شین مع الیا " شیر شرزہ غاب " اسم حضرت امیر علیہ السلام نوشتہ و
آں مضمونے ست کہ خاقانی در قصیدۂ قسمیہ بہم رساندہ " شیر شرزہ " خود صفتیست

عام کہ بر ہر مرد شجاع و سرہنگ جنگجو اطلاق تواں کرد" غاب" بمعنی بیشہ نیستاں است۔ ہر آئینہ ایں صفت نہ سزاوار شان اسد اللہی باشد۔ خاقانی خود بطریق تنزل گفتہ است۔ ایں چنیں صفت اسم کسے کہ بعد از خدا و رسول اولٰی بہ بزرگی تواں ستود چگونہ روا تواند بود۔ ہمچنیں" آب دہ دست" در باب الف ممدودہ اسم حضرت ختم المرسلین صلوات اللہ علیہ قرار دادہ است و ایں لفظیست در غایت رکاکت صفت لفظ۔ (پس غالب منع کرتا ہے برہان دکنی کو کہ لفظ رکیک آنحضرت کے حق میں صرف نہ کرے) چنانکہ ہمدراں فصل مفصل نوشتہ ایم مقصود ما انیست کہ ایں چنیں مضامین لغت مستقل و کنایہ مقبول چرا قرار یابد و جز در شرح اشعارے کہ حاوی ایں کلمات باشد چرا نگارش پذیرد۔ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم"۔

اب ترجمہ ما کا ہندی جس کی پانی اور بمعنی رونق و لطف بھی آتا ہے اور اسلحہ کی تیزی اور جواہر کی صفائی کو بھی کہتے ہیں۔ دست ترجمہ یہ ہے جس کی ہندی ہاتھ اور بمعنی قسم و نوع اور بمعنی مسند بھی مستعمل ہے۔ ہم کو اس مقام میں" آب" بمعنے "پانی" اور" دست" بمعنی" ہاتھ" اور اس کی ترکیب یعنی" آب دست" اور اسکی مقلوب یعنی" دست آب" کے باب میں کلام ہے" آب دست" بحرکت و سکون موحدہ عموماً ترجمہ" غسالہ" یہ ہے اور خصوصاً وضو کو کہتے ہیں۔ تعمیم کی سند استاد کا شعر ہے

بے تکلف دست و باقی کن اگر دل خستہ کا بدستا و شفا بخش ہمہ بیمارہاست

ھلہ یہ سطر اردو کی دو فارسی عبارتوں کے درمیان کتاب مطبوعہ میں اسطرح ہے اسکا ربط سمجھ میں نہیں آتا ۱۲

تخصیص کی سند نام ہی کی بیت سے۔

آب دست دنماز باید کرد   دل مقام گداز باید کرد

عرفت میں آب دست کس عضو کے غسالے کو کہتے ہیں ہم تو اتنا پوچھ کر چپ ہو رہتے ہیں "پس آب دہ دست" اور دست آب دہ" کے معنے وضو کروانے والا اور ہاتھ دھولانے والا۔ "آب" بمعنی رونق اور "دست" بمعنی "مسند" کا یہاں ادخال محض جہل اور صرف اہمال۔ یہ تو میرا قول ہے کہ آب دہ دست رسالت" رسول کو کہہ سکتے ہیں۔ ایک بے ادب فقط "آب دہ دست" کہتا ہے اور ہم منہ تکتے ہیں۔ منشی سعادت علی کو نہ علم نہ فہم اس نے اس قباحت کو نہ جانا۔ مرزا رحیم بیگ صاحب افسوس کی بات ہے تم نے اس بیان خاص میں برہان قاطع والے کے قول کو کیوں مانا ہے۔ سراسر بے پردہ اشرف الانبیا علیہ وآلہ السلام کی تذلیل اور توہین ہے اور جو پیمبر کو ایسا کہے وہ مجموع اہل اسلام کے نزدیک مرتد مردود بے دین ہے۔ بلکہ مخالفین بھی جو مسلمان اپنے پیمبر کو بُرا کہے اسکو بُرا جانینگے یقین ہے۔ پس پیمبر کا "آب دہ دست" نام رکھنے والا مورد لعنۃ اللہ والملٰئکۃ والناس اجمعین ہے۔

خاقانی کے شعر کے لکھنے سے آپکی کیا مراد ہے یہ شعر قطعہ بند اور اسکا پہلا شعر مجھکو یاد ہے پہلے پوچھتا ہوں کہ "دست آبدہ" کا فاعل اور شین کا مرجع تم نے کسکو ٹھہرایا! ور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نشان اسمین بطریق مذکور یا مقدر کہاں پایا جب اس مصرع کی روسے ع دست آبدہ مجاورانش" "دست آبدہ" پیمبر کا نام قرار پایا تو دوسرے مصرع کے مطابق ع ارزن دہ برج کو ترانش "ارزن دہ" کا خطاب بھی حضرت پیصادق آیا۔ سبحان اللہ یہاں مصطفٰے و

مجتبیٰ و رحمۃ للعالمین و خاتم المرسلین آپ کے القاب ہیں وہاں "آب دہ دست" بھی آپکا لقب ٹھہرا۔ مرزا جی میں ترک جاہل ہوں بجاہے اگر مجھکو گالیاں دوگے۔ از عتاب دوگے۔ خدا کیواسطے پیمبر کو کیا جواب دوگے۔ بندہ پرور خاقانی کا شعر قطعہ بند ہے اور اُس شعر کا پہلا شعر یہ ہے۔

روح از پے آبروے خود را | خلد از پے رنگ و بوے خود را
دست آب دہ مجاورانش | ارزن دہ برج کوترانش[۱]

اوپر کے دونوں مصرعوں میں "را" کا لفظ زائد پہلا مصرع تیسرے مصرع سے اور دوسرا مصرع چوتھے مصرع سے متعلق۔ نثر اس کی فارسی میں یوں ہوتی ہے "روح از پے آبروے خود دست آب دہ مجاوران اوست و خلد از پے رنگ و بوے خود ارزن دہ کبوتران اوست" یہ دونوں شعر کعبہ معظمہ کی تعریف میں اور دونوں شینوں کی ضمیر بطرف کعبہ راجع۔ اس اظہار کی تصدیق تحفۃ العراقین سے کیجئے اور ہندی کی چندی غالب سے سُن لیجئے۔ روح اپنی افزایش آبرو کے واسطے وضو کا پانی دیتی ہے کعبہ کے مجاوروں کو اور خلد افزونی رنگ و بو کیواسطے

---

[۱] یہ قطعہ لف و نشر مرتب ہے۔ اگرچہ بظاہر خاقانی کے یہ اشعار کعبہ معظمہ کی تعریف میں ہیں اور دونوں شینوں کی ضمیر اوسی کعبہ کی طرف راجع ہے۔ مگر یہ دونوں شعر تحفۃ العراقین میں کعبۂ دل کی تعریف میں بطریق استعارہ لکھے گئے ہیں جسکا عنوان بیان یہ ہے "در صفت عالم گل یعنی کعبۂ دل" اور ابتدائی شعر یہ ہیں۔ ع آن کعبہ کہ از سکون معاف است ٭ و آنرا ہمہ گرد خود طواف است۔ آن کعبہ کہ خانۂ قدم بود ٭ آن وقت کہ نفت در عدم بود نے بر سر راہش اُم غیلاں ٭ نے گرد درش سپاہ فیلاں۔ دادیش ہزار سالہ راہست ٭ لیکن از رہ عشق نیم گاہ است۔

دانہ کھلاتا ہے کعبہ کے کبوتروں کو۔ وضو کا پانی دینا اور کبوتروں کو دانہ کھلانا ادنیٰ خدمت ہے۔ خدا کیواسطے مخدوم کو خادم کہنا مدح ہے یا مذمت ہے۔ معہذا خاقانی کے اس مصرع سے "دست آبدہ" پیمبر کو سمجھنا بے اعتنائی اور غفلت ہے خاقانی نے روح کو "دست آبدہ" کا فاعل مانا۔ تم نے پیمبر کو مساً اس فعل کا فاعل اور ایک فعل کا دو فاعل سے متعلق ہونا کیونکر جائز جانا۔

"قافلہ شد" یعنی قافلہ رفت یعنی قافلہ سالار رفت یعنی رسول مقبول رحلت کرد۔ یہ قاف مع الالف میں کلام اُسی مستہزیٔ رسول کا ہے۔ "دست آب دہ" کی شرح میں تحقیر اور "قافلہ شد" میں استہزا ہے۔ برہان قاطع والا اگر یہ قباحتیں نہیں سمجھا تو احمق ہے اور اگر سمجھ کر لکھتا ہے تو کافر مطلق ہے۔ اب میرے خونابۂ زخم دل کی روانی اور قلم کی خونابہ فشانی دیکھئے۔

تبصرہ — مندرجہ حاشیہ ساطع برہان کے حق میں کیا فرماتے ہو اور اس فقرۂ اخیر کو "بازدر نشیب کاکت سرنگوں انداختند" کس کا لکھا بتاتے ہو۔ سنو فخر الفضلا و ختم العلما امیر الدولہ مولوی محمد فضل حق رحمۃ اللہ علیہ نے رد عقائد وہابیہ میں بزبان فارسی ایک رسالہ لکھا ہے اور اس عہد کے علما کی اُس پر مہریں ہیں۔ اُس رسالہ میں جناب مولوی صاحب مرحوم لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کہے کہ حضرت کو قوت مجامعت بہت تھی۔ حالانکہ یہ امر واقعی ہے یا یہ کہے کہ آپکی ردا میلی تھی اگرچہ اُسوقت میں ہو لیکن چونکہ ایک گونہ سوء ادب اور اہانت ہے حاکم اہل اسلام کو چاہیے کہ اس قول کے قائل کو سزا دے اور اگر حاکم سزا نہ دے تو اہل شہر پر عزل حاکم واجب ہے! ور اگر اہل شہر ایسا نہ کریں تو وہ شہر

دار الحرب ہے۔ پس بموجب فتوائے علمائے اسلام فقرۂ مذکور کا لکھنے والا کفر میں
شداد سے اشد اور کذب میں مسیلمہ کذاب سے سوا ہے۔ خیر عقبیٰ میں وہ خالق
کا مقہور اور دنیا میں اہل خلق کا ملعون ہوگا مجھکو کیا۔ مجھے تم پر ہنسی آتی ہے
بعض بات سمجھی نہیں جاتی ہے۔ خاقانی روح کو "آبدست دہ مجاوراں حرم"
کہتا ہے۔ تم کہتے ہو کہ خاقانی "دست آب دہ" اسم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کہتا
ہے۔ مولوی امام بخش نے تم کو بہت کچھ پڑھایا مگر طریقۂ استنباط معنی نہ بتایا
میرے حق میں جو کہتے ہو خود بھی نہیں سمجھتے کہ کیا کہتے ہو۔ میں نے اسکے سوا
"کہ خاقانی بطریق تنزل گفتہ است اور کیا کہا ہے جو مجھے برا کہتے ہو۔ وہ بھی
ذکر "شیر شرزہ غاب" میں نہ "دست آب دہ" کے باب میں۔ اس نے جناب
امیر المومنین کے واسطے ایک لفظ سہل سرسری لکھا میں نے قبول نہ کیا
اور اسکے قول کا تنزل ظاہر کر دیا۔ آنحضرت کو اسنے "آب دہ دست" یا
"دست آب دہ" کہاں لکھا اور کیوں لکھتا نہ احمق تھا نہ بے ادب۔ جب اسنے نہیں
لکھا تو میں اس سے کیوں الجھوں اور کب الجھا نہ کج فہم ہوں نہ مغلوب الغضب۔
"آب دہ دست" کے پردے کھل گئے بے اضافۂ لفظ آخر "دست"
بمعنی "مسند" نہ آئیگا "آب دہ دست" ہاتھ دھلانے والا کہلائیگا۔ ہاں
ایک طور ہے تم نے اسکو اور طور سے کہا ہے۔ میں بطریق ابلغ جن لکھتا ہوں
یعنی تخت اور اورنگ سلاطین کے جلوس کے واسطے اور وسادہ و مسند
امرا کے جلوس کے واسطے موضوع ہے۔ نظر اس اصل پر سلطان کو
زیب افزائے اورنگ بے اضافۂ لفظ سلطنت اور امیر کو زینت بخش مسند

بے افزایش لفظ امارت لکھو۔ انبیا خصوصاً سید المرسلین مسند پر کب بیٹھے تھے
اُن کے غلاموں کو امارت ننگ ہے اور زمزمہ "الفقر فخری" بلند آہنگ ہے
میرے خداوند کا فرش حصیر نمد گلیم ردائے صحابہ سطح خاک۔ میں مومن مجرم
اپنے اُس خداوند کو جس کی شان میں یہ مصرع اگرچہ مدح مجمل ہے ع "بعد از خدا
بزرگ توئی قصہ مختصر" لیکن قول فیصل ہی آب دہ دست و زینت بخش مسند
کیونکر سمجھوں۔ بلکہ مجموع اہل اسلام بشرط فہم صحیح و طبع سلیم گوارا نہ کرینگے کہ وہ
صفت عام جو دنیا داروں کے واسطے ہے قبلہ دین و دنیا پر صادق آئے۔

دکنی اور اُسکے فضلہ خوار قابل خطاب نہیں۔ ایہا الاخ المکرم "فضلہ خوار"
جواب ہے "لیس گرداں" جناب کا یہ کلمہ مستوجب عتاب نہیں یقین کہ آپنے
اب تو از روے دلالت لفظ و معنی جان لیا ہوگا اور اس فقیر حقیر کو نظر بہ قومیت
ترک و پیشہ آبائی سپاہ گری "عسس المحققین" خطاب دیا ہوگا۔ جاننا اس
امر کا کہ "آب دہ دست" میں اگر آب سے پانی اور دست سے ہاتھ مراد لیں
تو اُسکو اسم پیمبر سمجھنا کتنی بے ادبی ہے۔ اور اگر "آب" کو بمعنی رونق اور "دست"
کو بمعنی مسند مانیں تو بے الحاق لفظ نبوت و ہدایت حضرت کو اس ترکیب کا
مشار الیہ سمجھنا کیسی بوالعجبی ہے۔ "آب دہ دست" رونق بخش مسند صفت ہے
عموماً منعمان مالدار کی۔ یہاں تک کہ صطلاح سے تعریف کرسکتے ہیں صرافان
و ساہوکاران بلاد و امصار کی۔

میں اب قطع کلام کرتا ہوں اور آپ کو بکمال تعظیم سلام کرتا ہوں۔ پیمبر کی
تحقیر کو مسلم رکھتے ہو تم جانو اور سید ابرار۔ خاقانی پر بہتان کرتے ہو۔ تم جانو

اور وہ میدان معانی کا شہسوار۔ مجھکو تم نے جسقدر لکھا ہے یا کوئی اور لکھ رہا ہے اگرچہ وہ سب لغو اور جھوٹ ہے معقول اور راست نہیں۔ لیکن واللہ مجھکو عرصۂ محشر میں انکی باز خواست نہیں ؎

زمین عشق بکونین صلح کل کردیم — تو خصم باش و زما دوستی تماشا کن

(بنام مرزا رحیم بیگ مصنف ساطع برہان)

نمبر ۲۹

صلاح کا طریقہ۔ سرشار" یعنی لبریز۔ "رند عالم سوز" یعنی رند بے نام و ننگ

مخدوم مکرم مظہر لطف و کرم جناب مولوی صاحب اشرف الوکلا[1]۔ درویش گوشہ نشین غالب حزیں کا سلام۔ آپکے عنایت نامہ کے ورود سے میں آپکا احسان مند ہوا اور دل سے آپ کو دعائیں دیں۔ کیوں حضرت آپ حیران ہوئے ہونگے کہ یہ شخص اتنا فضول اور لغو کیوں ہے۔ خط کے پہونچنے سے اظہار منت پذیری اگر گزاف نہیں تو کیا ہے۔ اب اس خوشی اور دعائیں دینے کی وجہ سنیئے۔ یعنے آپکے سبب سے میں نے اپنے والا برادر ازجان عزیز تر۔ بدل نزدیک و از دیدہ دور۔ نامہرباں بخود مغرور۔ میر قاسم علیخاں کا رقعہ اپنے نام کا پایا۔ اللہ اللہ اگر آپ باعث نہوتے تو بھائی صاحب کا

[1] "اشرف الوکلا" اسوجہ سے لکھا کہ انکی وکالت یعنی کوشش سے میر قاسم علیخان نے جنھوں نے مرزا سے خط و کتابت چھوڑ دی تھی مرزا کو خط لکھا۔

کاہے کو مجھکو خط لکھتے۔ انھیں سے پوچھئے کہ کبھی تم نے اسد کو خط لکھا ہے۔ پس بعد اس توضیح کے آپ کی تحریر کا جواب لکھتا ہوں۔

اصلاح کا طریقہ — آپ کا واسطے اصلاح کلام کے رجوع کرنا میری طرف موجب نازش کا ہے۔ میرا طریق اس فن خاص میں یہ ہے کہ جو شعر بے عیب ہوتا ہے اسکو بدستور رہنے دیتا ہوں اور جہاں لفظ کے بدلے لفظ لکھتا ہوں اس کی وجہ خاطر نشان کر دیتا ہوں تاکہ آئندہ صاحب کلام اُس قسم کے کلام میں خود اپنے کلام کا مصلح رہے۔

اصلاح — مطلع کا یہ مصرع "سرخوش و سرشار مستم ملّئے"۔ لسان فارسی میں "سرشار" صفت ہے "پیالے" کی یعنی لفظی اسکے لبریز۔ پس شارب کو لبریز

"سرشار" بمعنے لبریز — کیونکر کہینگے۔ اور یہ جو اردو میں "مست و سرشار" مترادف المعنی استعمال میں آتے ہیں امر جداگانہ ہے۔ فارسی میں تتبع اردو کا ناجائز

رند عالم سوز بمعنے رند بے نام و ننگ — "رند عالم سوز" شعرائے عجم میں بمعنی "رند بے نام و ننگ" آیا ہے جیسا کہ اُستاد کہتا ہے ع رند عالم سوز را با مصلحت بینی چہ کار۔ حُسن مطلع سُست تھا "میرسد بر باد الخ" "بر شیشہ" یہاں انسب ہے۔ "از لحد چوں خاک جستم" خاک کو جستن سے کیا علاقہ؟ "نقد جاں را مہر ستم ملّئے" تعقید معنوی ہے۔ "طالب عہد الستم" یعنے "عہد الست" کس سے مانگتا ہے؟ ہاں "سرخوش عہد الست" بمحل و موقع ہے۔

(بنام مولوی عبدالرزاق شاکر)

لہ۔ از گداز یک جہاں مستی صبوحی کردہ ایم آفتاب صبح محشر ساغر سرشار ما۔ (غالب)

نمبر ۳۱

آخر عمر میں فارسی میں خط لکھنا موقوف کر دیا تھا۔ بقاے کلام کی دعا و امید

جناب مولوی صاحب مخدوم مولوی محمد عبدالرزاق صاحب شاکر کی خدمتمیں بعد سلام یہ التماس ہے کہ مولوی صاحب عالیشان مولوی مفتی اسداللہ خاں بہادر کی خدمت میں فقیر کا سلام پہونچائیے۔ میں تو آپ سے عرض کرتا ہوں مگر آپ مفتی صاحب سے کہیئے کہ مجھکو باوجود شدت نسیان آپ کا تشریف لانا یاد ہے چھاپے کے اجزا اُٹھا کر میں نے آپ کے سامنے ایک غزل اپنی پڑھی تھی جس کے دو شعر قطعہ بند یہ ہیں قطعہ ؎

ارزندہ گوہرے چو من اندر زمانہ نیست — خود را بخاکِ رہگذر حیدر افگنم

منصور فرقۂ علی اللّٰہیاں منم — آوازۂ انا اسد اللہ در افگنم

خدا کرے حضرت کو بھی یہ واقعہ یاد ہو اتحاد اسمی دلیل مودت روحانی ہے[۱]۔۔۔۔

آخر عمر میں فارسی میں خط لکھنا موقوف کر دیا تھا

پھر حضرت مکتوب الیہ سے کلام ہے۔ اشعار بعد حک و اصلاح کے پہونچتے ہیں یہ رتبہ میری ارزش کے فوق ہے کہ میں آپ کے کلام میں دخل و تصرف کروں۔ بندہ نواز زبان فارسی میں خطوں کا لکھنا پہلے سے متروک ہے۔ پیرانہ سری و ضعف کے صدقوں سے محنت پژوہی و جگر کاوی کی قوت مجھ میں نہیں رہی۔ حرارت غریزی کو زوال ہے اور یہ حال ہے

[۱] ممکن ہے اسی اتحاد اسمی کی وجہ سے یہ شعر یاد آگئے ہوں کہ انکا نام بھی اسداللہ تھا ۱۲

ع مضمحل ہو گئے قویٰ غالب — وہ عناصر میں اعتدال کہاں۔

کچھ آپ ہی کی تخصیص نہیں سب دوستوں کو جن سے کتابت رہتی ہے اُردو ہی میں نیاز نامہ لکھا کرتا ہوں۔ جن جن صاحبوں کی خدمت میں آگے میں نے فارسی زبان میں خطوط ومکاتیب لکھے اور بھیجے تھے اُن میں جو صاحب الی الآن فی حیات موجود ہیں ان سے بھی عندالضرورت اِسی زبان مروج میں مکاتبت و مراسلت کا اتفاق ہوا کرتا ہے۔ پارسی مکتوبوں اور رسالوں و نسخوں وکتابوں کے مجموع شیرازہ دبستہ چھاپا ہو کر اطراف واقصائے عجم میں پھیل گئے۔ حال کی نثروں کو کون فراہم کرنے جائے جاں کنی کے خیالات نے مجھکو اُن کی تحریر و تعلق دبار سے دست بردار وآزاد وسُبکدوش کر دیا۔

بقائے کلام کی دعا و اُمید — جو نثریں کہ مجموع و یکجا ہو کر یہاں جہاں منتشر ہو گئی ہیں اور رسیدہ ہوں اونھیں کو جناب احدیت جلت عظمتہ مقبول قلوب اہل سخن و مطبوع طبایع ارباب فن فرمائے۔ اور میں اب انتہائے عمر ناپائدار کو پہونچکر آفتاب لب بام اور ہجوم امراض جسمانی وآلام روحانی سے زندہ درگور ہوں۔ کچھ یاد خدا بھی چاہیے۔ نظم و نثر کی قلمرو کا انتظام ایزد دانا و توانا کی عنایت و اعانت سے خوب ہو چکا۔ اگر اُسنے چاہا تو قیامت تک میرا نام و نشان باقی و قایم رہیگا۔ پس اُمیدوار ہوں کہ آپ انھیں نذر و محقرہ یعنی تحریرات روزمرہ اردوئے سادہ و سرسری کو تا امکان غنیمت جان کر قبول فرماتے رہیں اور درویش دلریش و فرومانده کشاکش معاصی کے خاتمہ بخیر ہونے کی دعا مانگیں۔ اللہ بس ماسوے ہوس۔

تعقید معنوی کو حضور خود جانتے ہونگے اس کی توضیح و تفصیل میں تحصیل حاصل و تطویل لاطائل کی صورت نظر آتی ہے لہذا خامہ فرسائی بروے کار نہیں آئی۔

(بنام مولوی عبدالرزاق شاکر)

نمبر ۳۱

حضرت مطالب علمی و شعری کا لکھنا موقوف سوال پر ہے۔ جب حضور کیطرف سے کوئی سوال آئیگا بقدر اپنے معلوم کے جواب لکھا جاوے گا

اصلاح — ہیں اپنے گنہ مزیل امید ۔ ایمان کہاں ہے ایک ذرہ ہے

اس شعر میں قصد اچھا ہے مگر بیان ناقص ہے۔ مطلب تو یہ ہے کہ صرف خوف اصل ایمان نہیں رجا کا بھی شمول چاہیے اور یہ بات اس تقریر میں سے نکلتی نہیں۔

(بنام مولوی عبدالرزاق شاکر)

نمبر ۳۲

ظلمت کدہ میں میرے شب غم کا جوش ہے اک شمع ہے دلیل سحر سو خموش ہے	پہلے مصرع میں "ہے" ہونا چاہیے، ع اک شمع ہے دلیل سحر سو خموش ہے یہ خبر ہے پہلا مصرع ع ظلمت کدہ میں میرے

۱۵ اس شعر کے متعلق دیکھو خط نمبر ۳۵ مضمون ظلمت اس شعر میں بھی اس قسم کا ہے ۔
بیان کس سے ہو ظلمت گستری میرے شبستان کی ۔ شب مہ ہو جو رکھدیں پنبہ دیواروں کے روزن میں

شب غم کا جوش ہے ۔ یہ مبتدا ہے۔ شب غم کا جوش یعنی اندھیرا ہی اندھیرا ظلمت غلیظ ۔ سحر نا پیدا گویا خلق ہی نہیں ہوئی۔ ہاں دلیل صبح کی نور پر ہے۔ بجھی ہوئی شمع اس راہ سے کہ شمع و چراغ صبح کو بجھ جایا کرتے ہیں۔ لطف اس مضمون کا یہ ہے کہ جس شے کو دلیل صبح ٹھہرایا وہ خود ایک سبب ہے منجملہ اسباب تاریکی کے۔ پس دیکھا چاہیے کہ جس گھر میں علامت صبح مؤید ظلمت ہوگی وہ گھر کتنا تاریک ہوگا۔

متقابل ہے مقابل میرا ۵ متقابل ہے مقابل میرا رک گیا دیکھ روانی میری

تقابل و تضاد کو کون نہ جانے گا۔ نور و ظلمت شادی و غم راحت و رنج وجود و عدم لفظ "مقابل" اس مصرع میں بمعنی مرجوح[1] ہے جیسے حریف کہ بمعنی دوست کے بھی مستعمل ہے مفہوم شعر یہ ہے کہ ہم اور دوست از روئے خوے و عادت ضد ہمدگر ہیں وہ میری طبع کی روانی دیکھکر رک گیا۔

غزل بعد اصلاح کے پہنچتی ہے آپ اپنی طرف سے اسکو استصلاح سمجھتے ہیں اور میں اس کو اپنی جانب سے استفادہ جانتا ہوں۔ والسلام

(بنام مولوی عبدالرزاق شاکر)

نمبر ۳۳

فقیر اسداللہ نے اس کاغذ کے لفافہ پر مرسلہ محمد عبدالرزاق جعفری الحیدری اور ٹکٹ پر "شاکر" دیکھکر دیر تک غور کی کہ یہ دو صاحب ہیں بعد تامل یاد آیا

[1] مرجوح بمعنی مغلوب اور نیز ترجیح دیا گیا یعنی غالب لغات اضداد سے ہے ۱۲

کہ مولوی عبدالرزاق صاحب کا نام شفیق اور شاکر تخلص ہے۔ غور کیجئے کہ نسیان
کا کیا عالم ہے واللہ اگر مجھکو یاد ہو کہ سابق میں کوئی غزل آپ کی آئی ہے۔ یہ
لفافہ لکھا ہوا یکم اگست سال حال کا کل میں نے ڈاک سے پایا۔ آج غزل
کو دیکھا۔ کل یہ لفافہ روانہ کرونگا۔

اصلاح ؎ کوئی آتا نہیں آگے ترے ہٹتا ہوکر — آئینہ جب نظر آتا ہو تو اندھا ہوکر

یہ مطلع دل نشین ہے۔ مگر اتنا تامل ہے کہ آئینہ کو اندھا کہنا چاہیے یا نہیں۔

؎ مردم چشم یہ جب نظر آتا ہے ترا — بیٹھ جاتا ہو مرے دل میں سویدا ہوکر

مردم یعنی آنکھ کی پتلی مذکر نہیں معشوق کی قید کیا ضرور، دعوی حسن پرستی کا ہے
عموماً یہ خوب ہے۔ ؎

نظر آتی ہے جہاں مردمک چشم سیاہ — بیٹھ جاتی ہے مرے دل میں سویدا ہوکر
حرمت مے کیلئے مفتی نے نکالا ہے یہ حکم — ریش قاضی کی رہے پنبۂ مینا ہوکر

یہ شعر بے لطف ہو گیا کس واسطے کہ جب قاضی کی ریش کہی تو وہ ابہام "ریش قاضی"
کہاں رہا۔[1]

کارگاہ ہستی میں لالہ داغ ساماں ہو
برق خرمن راحت خون گرم دہقاں ہے

کارگاہ ہستی میں الخ "داغ ساماں" مثل "انجم انجمن" وہ شخص کہ داغ جس کا سرمایہ و سامان
ہو موجودیت لالہ کی منحصر نمائش داغ پر ہے ورنہ رنگ تو اور پھولوں کا بھی
لال ہوتا ہے۔ بعد اس کے یہ سمجھ لیجئے کہ پھول کے درخت یا غلہ جو کچھ بویا جاتا
ہے دہقان کو بونے جوتنے پانی دینے میں مشقت کرنی پڑتی ہے اور ریاضت

---

[1] "ریش قاضی" اوس صافی کو کہتے ہیں جو شیشہ پر باندھی جائے یعنی روئی کی ڈاٹ جو بوتل میں لگائی جائے۔

میں لہو گرم ہو جاتا ہے۔ مقصود شاعر کا یہ ہے کہ وجود برق محض رنج و عنا ہے مزارع کا۔ وہ لہو جو کشت و کار میں گرم ہوا ہے وہی لالہ کی راحت کے خرمن کا برق ہے۔ حاصل موجودیت داغ اور داغ مخالفِ راحت اور صورت رنج۔

غنچہ ناشگفتہا، برگ عافیت معلوم[1]
باوجود دلجمعی، خواب گل پریشاں ہے

غنچہ الخ کلی جب نئی نکلے بصورت قلب صنوبری نظر آئے اور جب تک پھول بنے برگ عافیت معلوم۔ یہاں "معلوم" بمعنی معدوم ہے اور "برگ عافیت" بمعنی مایۂ آرام۔ ع

برگ عیشے بگور خویش فرست[2] "برگ" اور "سروبرگ" بمعنی ساز و سامان ہے۔ "خواب گل" شخصیت گل، باعتبار خوشی دبرجا ماندگی کے پریشانی ظاہر ہے یعنی شگفتگی۔ وہی پھول کی پنکھڑیوں کا بکھرا ہوا ہونا۔ غنچہ بصورت دل جمع ہے باوصف جمعیت دل گل کو خواب پریشاں نصیب ہے۔

ہمسے رنج بیتابی کس طرح اُٹھایا جائے
داغ پشت دست عجز، شعلہ خس بدنداں ہے

ہم سے رنج الخ "پشت دست" صورت عجز اور "خس بدنداں و گیاہ بدنداں گرفتن" بھی اظہار عجز ہے۔ پس جس عالم میں کہ داغ نے پشت دست زمین پر رکھدی ہو اور شعلہ نے تنکا دانتوں میں لیا ہو ہم سے رنج اضطراب کا تحمل کس طرح ہو۔

مرزا کا ابتدائی طرز اور اسکی تبدیلی

بتگہ ابتدائے فکر سخن میں بیدل و اسیر و شوکت

---

[1] تمام دواوین غالب میں بجائے "تا شگفتہا" کے "نا" نون کیسا تھ لکھا گیا ہے حالانکہ مرزا صاحب نے یہاں جو معنی سمجھائے ہیں اوس سے "تا" بہ تائے فوقانی صحیح معلوم ہوتا ہے اور دوسری صورت میں معنی ہو مقابلہ کرو سہ مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی ٭ ہیولیٰ برق خرمن کا ہے خون گرم دہقاں کا

[2] پورا شعر سعدی کا یہ ہے سہ برگ عیشے بگور خویش فرست ٭ کس نیارد ز پس تو پیش فرست

کے طرز پر ریختہ لکھتا تھا۔ چنانچہ ایک غزل کا مقطع یہ تھا۔ ؎

طرز بیدل میں ریختہ لکھنا　　　اسداللہ خاں قیامت ہے

پندرہ برس کی عمر سے ۲۵ برس کی عمر تک مضامین خیالی لکھا کیا۔ دس برس میں بڑا دیوان جمع ہو گیا۔ آخر جب تمیز آئی تو اُس دیوان کو دور کیا۔ اوراق یک قلم چاک کیے دس پندرہ شعر واسطے نمونہ کے دیوان حال میں رہنے دیے بندہ پرور اصلاح نثری کی ضرورت نہیں آپ کی انشاء کی یہ روش خاص دلچسپ اور بے عیب ہے اس وضع کو نہ چھوڑئیے اور جو میرا تتبع اور مجھ پر توجہ منظور ہو تو پنج آہنگ وغیرہ میری مصنفات کو بامعان نظر و صرف ہمت ملاحظہ فرمائیے اور مشق بڑھائیے۔ چشم بد دور طبیعت حضور کی نہایت عالی اور مناسب اس فن کے ہے۔ میں آپ کی رسائی ذہن اور قوت قلم سے امید قوی رکھتا ہوں کہ عنقریب بہت خوب لکھئے گا میرے اور تمام دوستوں کے فخر اور دشمنوں کے رشک ہو جائیے گا۔ ان ھذا لامن برکۃ العلم یا مولانا و بالفضل و الکمال او لانا ۱۲　　(بنام مولوی عبدالرزاق شاکر)

نمبر ۳۴

نقش فریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا

قبلہ پہلے شعر کے معنے سنیئے۔ نقش فریادی الخ ایران میں رسم ہے کہ داد خواہ کاغذ کے کپڑے پہن کر حاکم کے سامنے جاتا ہے۔ جیسے مشعل دن کو جلانا یا خون آلودہ

کپڑا بانس پر لٹکا کر لیجانا۔ پس شاعر خیال کرتا ہے کہ نقش کس کی شوخیٔ تحریر
کا فریادی ہے کہ ہر صورتِ تصویر ہے اُسکا پیرہن کاغذی ہے یعنی ہستی اگرچہ
مثل تصاویر اعتبار محض ہو موجب رنج و ملال و آزار ہے۔

شوقِ ہر رنگ رقیبِ سروساماں نکلا
قیس تصویر کے پردے میں بھی عریاں نکلا

شوق ہر رنگ الخ رقیب بمعنی مخالف یعنی شوق
سروسامان کا دشمن ہے۔ دلیل یہ ہے کہ
قیس جو زندگی میں ننگا پڑا پھرتا تھا تصویر کے پردے میں بھی ننگا ہی ہے لطف
یہ ہے کہ مجنون کی تصویر یا تن عریاں ہی کھنچتی ہے۔ جہاں پہ کھنچتی ہے۔

زخم نے داد نہ دی تنگیٔ دل کی یارب
تیر بھی سینۂ بسمل سے پرافشاں نکلا

زخم نے داد الخ یہ ایک بات میں نے اپنی طبیعت
سے نئی نکالی ہے۔ جیسا کہ اس شعر میں ؎

نہیں ذریعہ راحت جراحتِ پیکاں ۔۔۔ وہ زخمِ تیغ ہے جس کو کہ دلکشا کہئے

یعنی زخم تیر کی توہین بسبب ایک رخنہ ہونے کے اور تلوار کے زخم کی تحسین بسبب
ایک طاق سا کھل جانے کے۔" زخم نے داد نہ دی تنگی دل کی یعنی زائل نہ
کیا تنگی کو" پرافشاں" بمعنی بیتاب اور یہ لفظ تیر کے مناسب حال۔ معنے
یہ کہ تیر تنگی دل کی داد کیا دیتا وہ تو خود ضیق مقام سے گھبرا کر پرافشاں اور
سراسیمہ نکل گیا۔

نام غالب کا مکتوب الیہ رحیم بیگ نامے میرٹھ کا رہنے والا ہے
دس برس سے اندھا ہو گیا ہے۔ کتاب پڑھ نہیں سکتا سُن لیتا ہے عبارت
لکھ نہیں سکتا لکھوا دیتا ہے۔ بلکہ اُسکے ہموطن ایسا کہتے ہیں کہ وہ قوت علمی
بھی نہیں رکھتا اوروں سے مدد لیتا ہے۔ اہل دہلی کہتے ہیں کہ مولوی

امام بخش صہبائی سے اُس کو تلمذ نہیں ہے۔ اپنا اعتبار بڑھانے کو اپنے کو اُن کا شاگرد بتاتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ وائے اُس ہیچ و پوچ پر جس کو صہبائی کا تلمذ ہو جب غرور و وقار ہو، رسالہ اُسکا "ساطع برہان" دلی پہونچکر ڈھونڈھونگا اگر مل گیا تو خدمت میں پہونچے گا۔

اصلاح "سیلاب چین" ایک لفظ ہے۔ ہندیان فارسی داں کا۔ اصل لغت "چلچی" اور یہ لغت ترکی ہے۔ معہذا "حباب آسماں" جبتک کہ آسماں کو بحر یا دریا نہ کہیں "حباب آسماں" نہ مقبول نہ مسموع "ونات" مسموع ہے۔ اگر فتحہ الف کا اشباع جائز ہو ورنہ "ونات پروری" کی جگہ "ادنی پروری" بہتر ہے۔ بلکہ ونات یا دنائت بہرحال صفت ہے۔ پرورش موصوف کی چاہیے نہ صفت کی والسلام[۱]

"بنام مولوی عبدالرزاق شاکر"

نمبر ۳۵

قبلہ آپ کو یہ تو معلوم ہو گیا ہوگا کہ ۰ رجنوری کو فقیر دلّی پہونچا۔ تھکا ماندہ خستہ رنجور ہنوز افاقت کلی نہیں پائی۔ آج صبحدم ہوا بند ہے۔ دھوپ تیز ہے۔ پشت بآفتاب تکیہ کے سہارے سے بیٹھا ہوا یہ سطریں لکھ رہا ہوں۔ غزل پہونچی ہے۔ گوند میں لتھڑ کر ایک ٹکڑا کاغذ کا الگ ہو گیا ہے۔ حضرت باحتیاط اسکو لفافہ سے نکالیں سے

---

[۱] یہ ٹکڑا آگے کے خط سے متعلق ہے اُسی کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔

دکھلوا اپنی چلچی میں حباب آسماں[۱] ہے تمہارا آفتابہ آفتابِ آسماں

اگر پسند آئے تو اس مطلع کو رہنے دیجئے۔

مولوی نظامی گنجوی علیہ الرحمۃ کا ایک شعر طالب علموں کے ہاتھ پڑا انھوں نے از روئے قواعد نحو اُس میں کلام کرنا شروع کیا۔ مولوی کے پاس جب وہ کلمات پہونچے تو فرمایا کہ " یاراں شعرِ مرا بمدرسہ کہ برد"۔ جو صاحب یہ فرماتے ہیں کہ مجموع پہلا مصرع مبتدا نہیں ہوسکتا اُن سے پوچھا چاہیے کہ کیا آپ اُسی پہلے مصرعہ میں سے (ظلمت کدے میں میرے) اسکو مبتدا اور (شب غم کا جوش ہے) اسکو خبر ٹھہراتے ہیں پس اگر یوں ہے تو بھی مدعا حاصل ہے دوسرا مصرع دوسری خبر سہی۔ آخر یہ بھی تو مسلماتِ فن نحو میں سے ہے کہ ایک مبتدا کی دو بلکہ زیادہ خبر ہو سکتی ہیں۔ ہاں ایک قاعدہ اور ہے۔ یعنے جملہ فعلیہ کے ماقبل جو عبارت ہوتی ہے اُس کو مبتدا نہیں کہتے۔ اس مطلع کا مصرعہ ثانی جملہ اسمیہ ہے اپنے ماقبل مبتدا کو قبول کرتا ہی اگر ہم نے نظر اس دستور پر مصرعہ اول کو مبتدا کہا تو بھی قباحت لازم نہیں آتی بہر حال جو وہ صاحب اسی پہلے مصرع کو قرار دیں وہ مجھے قبول ہے مگر شعر میرا مہمل نہیں۔ (بنام مولوی عبدالرزاق شاکر)

---

[۱] قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی عبدالرزاق شاکر نے اس شعر میں "سیلابچین" لکھا تھا جس کو مرزا نے بدل کر "چلچی" رکھا۔

[۲] اس شعر کے معنے کے متعلق دیکھو خط نمبر ۳۲

نمبر ۳۶

صلاح کیواسطے ہدایتیں

مخدوم و مکرم و معظم جناب مولوی عبدالجمیل صاحب کی خدمت میں بعد ابلاغ سلام مسنون الاسلام کے عرض کیا جاتا ہے کہ آپ کی ارادت میرا ذریعہ فخر و سعادت ہے۔ دو عنایت نامے آپ کے اوقات مختلف میں پہونچے۔ پہلے خط کے حاشیہ اور پشت پر اشعار لکھے ہوئے ہیں سیاہی اسطرح کی پھیکی کہ حروف اچھی طرح پڑھے نہیں جاتے۔ اگرچہ بینائی میری اچھی ہے اور میں عینک کا محتاج نہیں لیکن بایں ہمہ اُسکے پڑھنے میں بہت تکلیف کرنی پڑتی ہے۔ علاوہ اسکے جگہ اصلاح کی باقی نہیں۔ چنانچہ اس خط کو آپ کی خدمت میں واپس بھیجتا ہوں تاکہ آپ یہ نہ جانیں کہ میرا خط پھاڑ کر پھینکدیا ہوگا اور مہندا میرا اندیشہ آپکو بھی ہوجائے۔ آپ خود دیکھ لیں کہ اس میں اصلاح کہاں دیجائے۔ واسطے اصلاح کے جو غزل بھیجئے اسمیں بین الافراد و بین مصرعہا فاصلہ زیادہ چھوڑئے آپ کی خط میں جو کاغذ اشعار کا ہے حروف اُسکے روشن ہیں مگر بین السطور مفقود اور اصلاح کی جگہ معدوم۔ آپکی خاطر سے رنج کتابت اُٹھاتا ہوں اور ان دونوں غزلوں کو بعد اصلاح لکھتا جاتا ہوں۔ مسودہ تو آپکے پاس ہوگا اوس سے مقابلہ کرکے معلوم کرلیجئے گا کہ کس شعر پہ اصلاح ہوئی اور کیا اصلاح ہوئی اور کونسی بیت موقوف ہوئی۔

قلعہ کے مشاعرہ میں مرزا صاحب کبھی کبھی جاتے ہیں

مشاعرہ یہاں شہر میں کہیں نہیں ہوتا۔ قلعہ میں شہزادگان تیموریہ جمع ہو کر کچھ غزل خوانی کرلیتے ہیں

وہاں کے مصرعہ طرحی کو کیا کیجئے گا اور اُسپر غزل لکھ کر کہاں پڑھیے گا۔
میں کبھی اُس محفل میں جاتا ہوں اور کبھی نہیں جاتا۔ اور یہ صحبت خود
چندروزہ ہے اسکو دوام کہاں۔ کیا معلوم ہے ابھی نواب کی ہو تو آئندہ
نہو۔ والسلام مع الاکرام (بنام قاضی عبدالجمیل)

نمبر ۳۷

طرح "بسکون و بحرکت را" دو باتیں سُنیئے طرح بسکون رائے قرشت بمعنی
قریب ہے۔ لیکن اردو میں یہ لفظ مستعمل نہیں وہ دوسرا لفظ ہے طرح
بحرکت رائے قرشت بروزن فرح۔ اُسکو بسکون رائے مہملہ بولنا عوام کا
منطق ہے۔ ہاں غزل کی طرح، زمین کی طرح، یہ بسکون اور بمعنی روش و طرز
و طرح ہے بالفتحتین۔ طرح بالفتح بمعنے نمونہ اور بمعنے قریب ہے لیکن طرح بالفتحتین
اور چیز ہے۔

مولوی غیاث الدین رامپوری کی نسبت رائے غیاث الدین رامپور میں ایک ملائے مکتبی تھا۔ ناقل
ناعاقل، جس کا ماخذ اور مستند علیہ قتیل کا کلام ہوگا
اُسکا فن لغت میں کیا فرجام ہوگا۔

"کیستم من کہ تا ابد بزیم" لاحول ولا قوۃ یہ مصرع میرا نہیں "تا ابد بزیم" یہ
فارسی لا ابا قتیل کی ہے میرا قطعہ یہ ہے ؎

کیستم من کہ جاوداں باشم چوں نظیری نماند طالب مرد

ورنگویند درگدا ایں سال — مرد غالب بگو کہ غالب مرد
یہ مادۂ تاریخ ازروئے نجوم نہیں بلکہ از روئے کشف ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

(نام قاضی عبدالجمیل)

نمبر ۳۸

بعض اشعارات ابا — پیر و مرشد، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اور کی غزل میرے نام پر لوگ پڑھ دیتے ہیں۔ چنانچہ انھیں دنوں میں ایک صاحب نے مجھے آگرہ سے لکھا کہ یہ غزل بھیجد تبجئے "اسد اور لینے کے دینے پڑے ہیں" میں نے کہا لاحول ولا قوۃ اگر یہ میرا کلام ہو تو مجھ پر لعنت۔ اسیطرح زمانہ سابق میں ایک صاحب نے میرے سامنے یہ مطلع پڑھا ؎

اسد اس جفا پر بتوں سے وفا کی — مرے شیر شاباش رحمت خدا کی

میں نے سنکر عرض کیا کہ صاحب جس بزرگ کا یہ مطلع ہے اُسپر بقول اُسکے رحمت خدا کی اور اگر میرا ہے تو مجھپر لعنت۔ اسد اور شیر اور بت اور خدا اور جفا اور وفا میری طرز گفتار نہیں ہے۔ (بنام قاضی عبدالجمیل)

نمبر ۳۹

شوقیہ خط۔ فارسی کا شوق اور اُسکے ساتھ اپنی طبعی مناسبت — قبلہ، حضرت کا نوازش نامہ آیا میں نے اوسکو حرز بازو بنایا۔ آپ کی تحسین میرے واسطے سرمایہ

عز و افتخار ہے۔ فقیر اُمیدوار ہے کہ یہ دفتر بے معنے نہ سرسری بلکہ سراسر دکھیا جائے نہ پیش نظر دھرا رہے بلکہ اکثر دیکھا جائے۔ میں نے جو نسخہ وہاں بھجوایا ہے گویا کسوٹی پر سونا چڑھایا ہے۔ نہ ہٹ دھرم ہوں نہ مجھے اپنی بات کی پچ ہے۔ دیباچہ و خاتمہ میں جو کچھ لکھ آیا ہوں سب سچ ہے کلام کی حقیقت کی داد جدا چاہتا ہوں طرز عبارت کی داد جدا چاہتا ہوں۔ نگارش لطافت سے خالی نہوگی۔ گذارش لطافت سے خالی نہوگی۔ علم و ہنر سے عاری ہوں۔ لیکن پچپن برس سے محو سخن گزاری ہوں۔ مبدا فیاض کا مجھ پر احسان عظیم ہے ماخذ میرا صحیح اور طبع میری سلیم ہے۔ فارسی کے ساتھ ایک مناسبت ازلی و سرمدی لایا ہوں۔ مطابق اہل پارس کے منطق کا بھی مزہ ابدی لایا ہوں۔ مناسبت خداداد و تربیت اُستاد سے حسن و قبح ترکیب پہچاننے لگا۔ فارسی کے غوامض جاننے لگا۔ بعد اپنی تکمیل کے تلامذہ کی تہذیب کا خیال آیا۔ قاطع برہان کا لکھنا کیا ہے گویا باسی کڑھی میں اُبال آیا۔ لکھنا کیا تھا کہ سہام ملامت کا ہدف ہوا۔ ہے ہے یہ تنک مایہ معارض اکابر سلف ہوا! ایک صاحب فرماتے ہیں کہ قاطع برہان کی ترکیب غلط ہے۔ عرض کرتا ہوں کہ حضرت برہان قاطع و قاطع برہان ایک نمط ہے۔ برہان قاطع نے کیا لٹھا نینوں نین سکھ قطع کیا ہے جو آپ نے اُسکو قاطع لقب دیا ہے۔ برہان جبتک غیر کی کسی برہان کو قطع نہ کرے گی کیونکر برہان قاطع نام پائے گی۔ برہان قاطع کی صحت میں جتنی تقریر کیجیگا وہ قاطع برہان کی صحت کے ثبوت کے کام آئیگی۔ قطعہ تاریخ کا کیا کہنا ہے گویا یہ کتاب معشوق اور یہ قطعہ اُسکا گہنا ہے

جناب نواب صاحب کا نیازمند اور بندۂ فرمانبردار ہوں۔ بعد عرض سلام شعر کے پسند آنے کا شکر گزار ہوں۔ آپ کے علم و فضل اور فہم و ادراک کی جو تعریف کیجائے وہ حق ہے لیکن میرے شعر کی تعریف صرف خریدار ہی دوکان بے رونق ہے۔ (بنام مفتی میر عباس)

نمبر ۴۱

قبلہ، فقیر ہمیشہ مورد اعتراضات رہا ہے۔ لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بعد دو چار دن کے معترض صاحب کا خط آتا ہے۔ لغت و ترکیب معترض فیہ کی سند کے اشعار حضرت نے اُس خط میں درج کئے ہیں۔ اللہ اللہ جو کلکتہ میں شور نشور اُٹھا تھا۔ میرا شعر سہ جزوے از عالم و از ہمہ عالم بیشم ٭ ہمچو موئے کہ بتاں راز میاں برخیزد۔ خستہ جراحتہائے اعتراض ہوا ہے! منشا اعتراض یہ کہ "عالم" مفرد ہے اوسکا ربط "ہمہ" کے ساتھ بسبب اجتماع ثقیل ممنوع ہے۔ قضارا اوس زمانہ میں شاہزادہ کامران درّانی کا سفیر گورنمنٹ میں آیا تھا۔ کفایت خاں اوسکا نام تھا اُس تک یہ قصہ پہونچا اُس نے اساتذہ کے پانسات شعر ایسے پڑھے جس میں "ہمہ عالم" و "ہمہ روز" و "ہمہ جا" مرقوم تھا اور وہ اشعار قاطع برہان میں مندرج ہیں۔

> جزوے از عالم و از ہمہ عالم بیشم
> ہمچو موئے کہ بتاں راز میاں برخیزد

ہاں صاحب قاطع برہان میں اور مطالب بڑھائے اور

درفش کاویانی

ایک دیباچہ دوسرا لکھا ہے اور درفش کاویانی اوسکا نام رکھا اور اوسکو چھپوایا
ایک مجلد اُسکا آج اِس خط کے ساتھ ڈاک مین بھیجتا ہون۔ بعد پہونچنے کے
اُسکو دیکھیے گا اور ہر وقت فرصت پیش نظر رکھیے گا۔ اور جسدن پہونچے اُسدن
رسید لکھیے گا اور اگر اور صاحب اسکے طالب اور خریدار ہوں تو مجھ کو لکھیے گا دس پانچ
دو چار جلد بھیجدونگا۔ یہ نسخہ میری طرف سے آپ کی نذر غزل بھیجونگا۔

(بنام مولوی عبدالرزاق شاکر)

نمبر ۴۱

واہ کیا خوبی قسمت ہے میری۔ بہت دنون سے دہیان لگا ہوا تھا کہ اب منشی جی کا
خط آتا ہے اور اُنکی خیر و عافیت معلوم ہوتی ہے۔ خط آیا اور خیر و عافیت معلوم ہوئی
یعنی معلوم ہوا کہ خیر نہین ہے اور پاؤن مین چوٹ لگی ہے......

نظر شگفتن اور گوش شگفتن نظر شگفتن اور گوش شگفتن ہم نہین جانتے۔ اگرچہ
منشی ہرگوپال تفتہ اور مولانا نورالدین ظہوری نے لکھا ہو ؎

نظارہ راز خون دلم گل در آستین   خوش مگو۔ بگو کہ زچشم چمن چکید

از چشم چمن چکیدن یہ نہ سمجھنا کہ چمن از چشم چکیدن شگفتن گوش و نظر کی مانند غرابت
رکھتا ہے۔ یہ خونفشانی چشم کا استعارہ ہے اور خونفشانی صفت چشم ہو سکتی ہے
اگر نظر کا خوش ہونا اور کان کا شاد ہونا جائز ہوتا تو ہم اسکا استعارہ شگفتگی کر لیتے
خوش ہونا جب صفت چشم و گوش نہو تو ہم کیا کرین۔ یاد رہے یہ نکات سوا
تمھارے اور کو مین نہین بتاتا۔ میری بات کو غور کرکے سمجھ لیا کرو۔ مین پوچھنے سے

اور تکرار سے ناخوش نہیں ہوتا بلکہ خوش ہوتا ہوں۔ مگر ہاں ایسی تکرار جیسی بشیر اور عشیر کے باب میں کی تھی ناگوار گزرتی ہے کہ وہ صریح تہمت تھی مجھ پر۔ جو میں آپ لکھونگا تم کو اُسکے لکھنے کو کیوں منع کرونگا ؎

اے صد ہزار راز نہاں اندریں سخن — گر کم سخن تو ئی تہمت کم سخن مباد

ہر چہ با نفس خود کنم زبدی — نیکیش نام می توانم کرد

یہ دونوں شعر بے سقم ہیں رہنے دو ؎

صلاح — سر ناکامیم سلامت باد — کام را کام می توانم کرد

میں نہیں سمجھا کہ اسکے معنے کیا ہیں کام کو کام سب کر سکتے ہیں اس میں لطف کیا ہے

زترکتازئی آں نازنیں سوار ہنوز — زسبزہ میدمد انگشت زینہار ہنوز

مطلع حزیں پر نکتہ چینی — حزیں کے اِس مطلع میں واقعی ایک ہنوز زائد اور بیہودہ ہے۔ تتبع کیواسطے سند نہیں ہو سکتا یہ غلط محض ہے یہ سقم ہے۔ یہ عیب ہے۔ اسکی کون پیروی کریگا۔ حزیں تو آدمی تھا یہ مطلع اگر جبرئیل کا ہوتا تو اسکو سند نہ جانو اور اُسکی پیروی نہ کرو۔

صلاح — بھائی تمہارا مصرعہ اس قبیل سے نہیں ہے۔ اُس میں تو مکنید متمم معنی ہے مکنید زائد نہیں ہے مگر خرابی یہ ہے کہ فارسی رہنے دو تو۔ اور اگر ہندی کرو تو مصرعہ مہمل اور بے معنی ہے ع۔ چہ گل چہ لالہ چہ نسرین چہ نسترن مکنید کیا گلاب کا پھول کیا لالہ کیا موتیا کیا چنبا نہ کرو تمہارا نہ کرو یعنی کیا نہ کرو۔ اب جب تمہیں کہو کہ صاحب ذکر نہ کرو تب کوئی جانے ورنہ کبھی جانا نہیں جاتا کہ ذکر نہ کرو۔ اے تم نے کہا بھی کہ ہمارا مقصود یہ ہے کہ ذکر نہ کرو حضرت ذکر مضاف

کیونکر ہو سکتا ہے۔ گل و نالہ و نسرین و نسترن کیطرف کہے گئے کہ ذکر کا لفظ نہیں
بیان کا لفظ اوپر کے مصرعہ میں ہے۔ وہ بیان کا لفظ رتوں سے اور زنجیر دل
سے ان چاروں لفظوں سے ربط نہیں پاتا۔ مطلع لکھو قطعہ لکھو ترجیع بند لکھو
یہ مصرع معنی دینے ہی کا نہیں اہل سخن ہو۔ والسلام (جناب منشی ہرگوپال تفتہ)

نمبر ۴۳

بیش از بیش و کم از کم

شدہ پیدا "بیش از بیش و کم از کم" یہ ترکیب بہت فصیح ہے۔ اسکو کون
منع کرتا ہے اور جلال اسیر کی یہ بیت بہت پاکیزہ اور خوب ہے
اسکے معنی یہی ہیں کہ دوران میں عمر عشق از بیش شد و غم از کم شد اتنا دلیا کیا کہ ایک
تو تین ٹکڑے کا اشتراک ہے مگر دو عمل ہے بقا عشق از بیش اور کم از کم۔ اور یہ کہ بیشتر از
بیش و کمتر از کم اگرچہ یہ سب فی جائز ہے لیکن فصاحت اس کو چاہتی کہ بیش از بیش و کم از کم
افصح ہے۔ یہ دو شعر تمہارا خوب ہے اور ہمارا دیکھا ہوا ہے ؎

قیس از تو بہم کم وسے نصیر ... بیش ست ترا کم ست یارا[1]

لیکن اس پہلے مصرعہ میں اگر کمتر ہوتا تو زیادہ اچھا تھا۔ بہرحال اتنا خیال رہے کہ
ایسی جگہ تر کا لفظ افصح ہے چنانچہ میرا شعر ہے ؎

جلوہ کن منت منہ از ذرہ کمتر نیستم ... حسن این تا بندگی آفتاب بیش نیست

---

[1] نصیبی گیلانی کا بھی ایک شعر اسی مضمون کا بہت خوب ہے۔

زندہ از عشق جہان بود نصیبی مجنون ... بیش از این عشق مگر این ہمہ شیدا نبود

ع ورنہ چشمم تو چہ از روزن دیوار کم است۔ یہاں بہت ہی اوپری معلوم ہوتا ہے۔ اور ذرا ہندی کا ترجمہ ہو جاتا ہے فارسیت نہیں رہتی۔

اصلاح ع سہل مشمار زندگانی را۔ مجھ کو یاد پڑتا ہے کہ میں نے اس مطلع کو یوں درست کر دیا ہے ؎

رائگاں مشمار زندگانی را
می تواں کرد جانفشانی را

اور اس صورت میں یہ مطلع ایسا ہو گیا تھا کہ میرے دل میں آئی تھی کہ تم کو نہ دوں اور خود اس زمین میں غزل لکھوں مگر پھر میں نے خست نہ کی اور تم کو دیدیا۔

حضرت نے ملاحظہ فرمایا یہ خط جو مجھے آپ نے لکھا ہے شراب کے نشہ میں لکھا ہے اور وہ اصلاحی اوراق بھی اسی عالم میں ملاحظہ فرمائے ہیں اب ع مفت مشمار زندگانی را۔ اس کو موقوف کیجئے اور وہ مطلع رہنے دیجئے کہ وہ بہت خوب ہے۔ بعینہٖ والا نامہ ہی کا معلوم ہوتا ہے بھائی ہمارے اوراق اصلاحی کو غور سے دیکھا کرو۔ ہماری محنت تو ضائع نہ جائے۔

ایائے چند ایائے چند جمع الجمع ایسی کھلی ہوئی نہیں ہے۔ بلکہ فقیر کے نزدیک تو جمع ہی نہیں ہے۔ مثلاً معانی چند اور احکام چند اور اسرار چند یہ آدمی لکھ سکتا ہے مگر ہاں آمال ہا کھلی ہوئی ہے ع خطائے بزرگاں گرفتن خطاست۔ ہم کو اپنی تہذیب سے کام ہے اغلاط بزرگاں کیوں ڈھونڈھتے پھریں مثلاً حضرت حافظ نے لکھا ہے ؎

صلاح کار کجا و من خراب کجا
ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

میری جان لفظ بہ تیغ میں یہ چاہیئے کہ بہ تیغ کا۔۔۔ لکھا ہے ہم مورد اعتراض کیوں

(بنام منشی ہرگوپال تفتہ)

نمبر ۴۳

مرزا تفتہ پیر شو و بیاموز۔ تم خوش گو اور زود گو مقرر ہو۔ لیکن جس کو تم تحقیقات کہتے ہو وہ محض توہمات اور تخیلات ہیں۔ قیاس دوڑاتے ہو وہ قیاس کہیں مطابق واقع ہوتا ہے۔ کہیں خلاف عرفی کہتا ہے۔

ناشتا | ع روح را ناشتا فرستادی۔ یعنی روح کو تونے بھوکا بھیجا۔ ناشتا اوسکو کہتے ہیں جسنے کچھ کھایا نہو ہندی اوسکی نہار منہ۔ تم لکھتے ہو ع اے عجب ناشتا فرستادی۔ یعنی غذاے صبح جیساکہ ہندی میں مشہور ہے اُسنے ناشتہ بھی کیا ہے یا نہیں واقف کہتا ہے ؎

نے محرم قفس نہ بدام آشنا شدیم	نفریں کنیم ساعت پرواز خویش را

واقف پر اعتراض | یہ بھی ہندی کی فارسی ہے بُری گھڑی اور سُبھ گھڑی۔ اہل زبان ایسے موقع پر طالع لکھتے ہیں۔ ع نفریں کنیم طالع پرواز خویش را۔

قتیل پر اعتراض | قتیل کہتا ہے ؎

یک دو جب جگہ بگویم تو زخون پاک نبود	کشتہ بر کشتہ تپان بود دگر خاک نبود

یہاں پر "ہیچ نبود" کا محل ہے۔ ہندی میں کچھ نہیں کی جگہ خاک نہیں بولتے ہیں

صاحب برہان قاطع پر اعتراض | پھر صاحب برہان قاطع کا کیا ذکر کرتے ہو وہ تو ہر لغت کو تین حرکتوں سے لکھتا ہے۔ زیر زبر پیش کا تفرقہ منظور نہیں رکھتا ہے۔ لکھتا ہے کہ یوں بھی آیا ہے اور یوں بھی دیکھا ہے جس لغت کو

کاف عربی سے لکھیگا۔ کاف فارسی سے بھی بیان کریگا جس لفظ کو طائے حطی سے لائیگا تائے قرشت سے بھی ضرور لکھیگا۔ فضلائے کلکتہ کے حاشیے دیکھو کہ وہ اُسکی کیا تحمیق کرتے ہیں۔

بعض ہندی ناموں کی تحقیق نبیا نبوت کے مشتقات میں سے ہرگز نہیں۔ امامن امام کے مشتقات میں سے زنہار نہیں۔ نبی بخش کا مخفف نبیا اور امام کا متعلق اگر مذکر ہے تو اما ہی اور اگر مؤنث ہے تو امامن۔ طغرائے ہندی لغت کے لانیکا التزام کیا ہے ع وقت آں آمد کہ مینار اگ ہندی سرکند۔ اور اساتذہ کو اسکا التزام منظور نہیں۔ مگر کیا کریں۔ گڑگاؤں نام ہے ایک گاؤں کا اُس کو کیونکر بدلیں۔ ہاں گر بہ رائے قرشت لکھینگے۔ لکھنؤ نام ہے ایک شہر کا وہ لکھنؤ بغیر ہائے مخلوط کے لکھینگے، فی زماننا چھاپے کو چاپ بولتے ہیں عرفی جھگڑ کو جگر بولتا ہے ع آں بادکہ در ہند گرآید جگرآید۔ رار ثقیلہ ہائے مخلوط۔ تشدید۔ یہ تینوں ثقالتیں مٹا دیں صاحب برہان قاطع اس لفظ کو فارسی بتاتا ہے۔ اور زبان علی اہل ہند میں بھی اسکو مشترک جانتا ہی اپنے کو رسوا اور خلق کو گمراہ کرتا ہے ؎

ہرزہ مشتاب پے جادہ شناساں بردار   اے کہ در راہ سخن چوں تو ہزار آمد و رفت

خسرو اور فیضی اہل ہند میں سوائے خسرو دہلوی کے کوئی مسلم الثبوت نہیں۔ میاں فیضی کی بھی کہیں کہیں ٹیک نکلجاتی ہے " فرہنگ لکھنے والوں کا مدار قیاس پر ہے۔ جو اپنے نزدیک صحیح سمجھا وہ لکھدیا۔ نظامی و سعدی وغیرہ کی لکھی ہوئی فرہنگ ہو تو ہم اسکو نہ مانیں ہندیوں کو کیونکر مسلم الثبوت جانیں۔ گائے کا بچہ

بزور سحر آدمی کیطرح کلام کرنے لگا۔ بنی اسرائیل اسکو خدا سمجھے، یہ جھگڑے قصے جانو

ارغنون دو باتیں سنو۔ ایک تو یہ کہ ارغنوں کو بغین مضموم میں نے سہو سے لکھا۔ در اصل ارغنون بغین مفتوح اور مخفف اسکا ارغن اور مبدل منہ ارگن ہے۔

ایوا دوسرے یہ کہ جب موسوی خاں نے ایلچی کو ایوا لکھا تو اس لفظ کی صحت میں کچھ تامل نہ رہا۔ نجات کا طالب غالب۔ یکشنبہ ۱۴ مئی ۱۸۶۵ء

(بنام منشی ہرگوپال تفتہ)

نمبر ۴۴

بھائی یہ مصرع جو تم کو ہم پہونچا ہے فن تاریخ گوئی میں اسکو کرامت اور اعجاز کہتے ہیں۔ یہ مصرع سلمان ساؤجی و ظہیر کا سا ہے۔ چار لفظ اور چار دن واقعہ کے مناسب۔ یہ مصرع کہکر اور مصرع کی فکر کی کسواسطے واہ واہ سبحان اللہ اور یہ جو تمکو فر کے لفظ میں تردد ہوا اور ایک سوکھا سہما شعر ظہوری کا لکھا بڑا تعجب

فر اور فرہ ہے یہ لفظ میرے ہاں پنج آہنگ میں دس ہزار جگہ آیا ہوگا۔ فر اور فرہ لفظ فارسی ہے مرادف جاہ کے پس جاہ کو اور اسکو کسنے کہا ہے کہ بغیر ترکیب دیے نہ لکھے۔ عالیجاہ اور سکندر جاہ مظفر فر اور فریدوں فر یوں بھی درست ہے۔ اور صرف جاہ اور فر یوں بھی درست۔

اور ایک بات تم کو معلوم رہے کہ اس پورے خطاب کو خطاب بہادری

مراتب خطاب کہنا بہت بیجا ہے۔ سنو خطاب کے مراتب میں پہلے تو خانی کا خطاب

ہے۔ اور یہ بہت ضعیف ہے اور بہت کم ہے۔ مثلاً ایک شخص کا نام ہے محمد علی یا محمد علی بیگ اور اسکو خاندانی بھی خانی نہیں حاصل پس جب اسکو بادشاہ وقت محمد علی خاں کہدے تو گویا اُسکو خانی کا خطاب ملا۔ اور جو شخص کہ اُس کا نام اصل محمد علی خاں ہے یا تو وہ قوم افغان ہے یا خانی اُسکی خاندانی ہے۔ بادشاہ نے اُسکو محمد علیخاں بہادر کہا پس یہ خطاب بہادری کا ہوا اسکو بہادری کا خطاب کہتے ہیں اس سے بڑھ کر خطاب دولگی کا ہے یعنی مثلاً محمد علی خاں بہادر اُسکو منیر الدولہ محمد علی خاں بہادر کہا اب یہ خطاب دولگی کا ہوا اسکو بہادری کا خطاب نہیں کہتے اب اس خطاب پر افزائش جنگ کی ہوتی ہے۔ منیر الدولہ محمد علی خاں بہادر شوکت جنگ ابھی خطاب پورا نہیں — پورا جب ہوگا کہ جب ملک بھی ہو۔ پس پورے خطاب کو خطاب بہادری لکھنا غلط ہے۔ یہ واسطے تمہارے معلوم ہونے کے لکھا گیا ہے۔ اب آپ اس سات بیت کے قطعہ کو اپنے دیوان میں داخل و شامل کر لیجئے یعنی قطعوں میں لکھ دیجئے جب تمہارا دیوان چھاپا جاویگا یہ قطعہ بھی چھپ جائیگا۔ مگر ہاں منشی صاحب کے سامنے اسکو پڑھیے اور اُن سے استدعا کیجئے کہ اسکو اگرہ بھیجدیں تاکہ چھاپا ہو جائے۔ اسعد الاخبار میں اور زبدۃ الاخبار میں۔ یقین ہے کہ وہ تمہارے کہنے سے عمل میں لاوینگے مجھکو کیا ضرور ہے کہ میں لکھوں۔ میں نے یہاں صادق الاخبار میں چھپوا دیا ہی۔

(بنام منشی ہرگوپال تفتہ)

نمبر ۴۵

صاحب! دو زبانوں سے مرکب ہے یہ فارسی متعارف۔ ایک فارسی ایک عربی ہر چند اس منطق میں لغات ترکی بھی آجاتے ہیں مگر کمتر۔ میں عربی کا عالم نہیں۔ مگر نرا جاہل بھی نہیں۔ بس اتنی بات ہے کہ اس زبان کے لغات کا

مرزا کی عربی اور فارسی قابلیت

محقق نہیں ہوں۔ علماء سے پوچھنے کا محتاج اور سند کا طلبگار رہتا ہوں۔ فارسی میں مبداء فیاض سے مجھے وہ دستگاہ ملی ہے کہ اس زبان کے قواعد و ضوابط میرے ضمیر میں اس طرح جاگزیں ہیں جیسے فولاد

مرزا اور اہل فارس میں فرق

میں جوہر۔ اہل فارس میں اور مجھ میں دو طرح کے تفاوت ہیں ایک تو یہ کہ ان کا مولد ایران اور میرا مولد ہندوستان۔ دوسرے یہ کہ وہ لوگ آگے پیچھے سو دو سو برس زیادہ آٹھ سو برس پہلے پیدا ہوئے ہیں۔

جود

جود لغت عربی ہے بمعنی بخشش۔ جواد صیغہ ہے صفت مشبہ کا بے تشدید۔ اس وزن پر صیغہ فاعل میری سماعت میں جو نہیں آیا تو میں اوس کو خود نہ لکھونگا۔ مگر جب کہ نظیری شعر میں لایا اور وہ فارسی کا مالک اور عربی کا عالم تھا تو میں نے مانا۔ کیا ہنسی آتی ہے کہ تم مانند اور شاعروں کے مجھ کو بھی یہ سمجھے ہو کہ اُستاد کی غزل یا قصیدہ سامنے رکھ لیا یا اوسکے قوافی لکھ لیے اور اُن قافیوں پر

مرزا نے ریختہ کب کہنا شروع کیا اور اُسکے کہنے کا طریقہ

لفظ جوڑنے لگے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ بچپن میں جب میں ریختہ لکھنے لگا ہوں۔ لعنت ہے مجھ پر اگر میں نے کوئی ریختہ یا اُسکے قوافی پیش نظر رکھ لیے ہوں صرف بحر اور ردیف و قافیہ

دیکھ لیا۔ اور اُس زمین میں غزل قصیدہ لکھنے لگا۔ تم کہتے ہو۔ نظیری کا دیوان وقت تحریر قصیدہ پیش نظر ہوگا اور جو اُسکے قافیہ کا شعر دیکھا ہوگا اُسپر لکھا ہوگا۔ واللہ اگر تمہاری اِس زمین میں نظیری کا قصیدہ بھی ہے چہ جائے آنکہ وہ شعر بھائی شاعری معنی آفرینی ہے، قافیہ پیمائی نہیں ہے۔

زمان — زماں لفظ عربی ازمنہ جمع۔ دونوں طرح فارسی میں مستعمل۔ زمانے۔ یک زماں ہر زماں۔ زماں زماں دریں زماں۔ دراں زماں سب صحیح اور فصیح۔ جو اسکو غلط کہے وہ گدھا۔ بلکہ اہل فارس نے مثل موج دموجہ یہاں بھی "ہے" بڑھا کر زمانہ استعمال کیا ہے۔ یک زماں کو میں نے کبھی غلط نہ کہا ہوگا۔ سعدی کے شعر لکھنے کی کیا حاجت۔

سُنو میاں میرے ہموطن یعنی ہندی لوگ جو وادیٔ فارسی دانی میں دم مارتے ہیں وہ اپنے قیاس کو دخل دیکر ضوابط ایجاد کرتے ہیں۔ جیسا وہ گھا گس

عبدالواسع اور قتیل کے القاب — اُلّو عبدالواسع ہانسوی لفظ نامراد کو غلط کہتا ہے۔ اور یہ اُلّو کا پٹھا قتیل صفونکدہ شگفتکدہ و نشترکدہ کو۔ اور ہمہ عالم و ہمہ جا کو غلط کہتا ہے۔ کیا میں بھی ویسا ہی ہوں جو یک زماں کو غلط کہونگا۔ فارسی کی میزان یعنی ترازو میرے ہاتھ میں ہے۔ للہ الحمد وللہ الشکر۔ مرقومہ چہار شنبہ ۲۷ ماہ اگست ۱۸۶۲ء (بنام منشی ہرگوپال تفتہ)

نمبر ۴۶

میاں تمہارے انتقالات ذہن نے مارا۔ میں نے کب کہا تھا کہ تمہارا

کلام اچھا نہیں۔ میں نے کب کہا تھا کہ دنیا میں کوئی سخن فہم و قدر داں نہوگا۔ مگر بات یہ ہے کہ تم مشق سخن کر رہے ہو اور میں مشق فنا میں مستغرق ہوں۔ بو علی سینا کے علم کو اور نظیری کے شعر کو ضائع اور بے فائدہ اور موہوم جانتا ہوں۔ زیست بسر کرنے کو کچھ تھوڑی سی راحت درکار ہے اور باقی حکمت اور سلطنت اور شاعری اور ساحری، سب خرافات ہے۔ ہندوؤں میں اگر کوئی اوتار ہوا تو کیا۔ اور مسلمانوں میں نبی بنا تو کیا۔ دنیا میں نام آور ہوئے تو کیا اور گم نام جئے تو کیا۔ کچھ وجہ معاش ہو اور کچھ صحت جسمانی۔ باقی سب وہم ہے اے یار جانی۔ ہر چند وہ بھی وہم ہے مگر میں ابھی اسی پایہ پر ہوں۔ شاید آگے بڑھ کر یہ پردہ بھی اٹھ جائے۔ اور وجہ معیشت اور صحت و راحت سے بھی گزر جاؤں۔ عالم بیرنگی میں گزر پاؤں۔ جس سناٹے میں ہوں وہاں تمام عالم بلکہ دونوں عالم کا پتہ نہیں۔ ہر کسی کا جواب مطابق سوال کے دیے جاتا ہوں اور جس سے جو معاملہ ہے اوس کو ویسا ہی برت رہا ہوں لیکن سب کو وہم جانتا ہوں۔ یہ دریا نہیں ہے سراب ہے۔ ہستی نہیں ہے پندار ہے۔ ہم تم دونوں اچھے خاصے شاعر ہیں۔ مانا کہ سعدی و حافظ کے برابر مشہور رہینگے۔ اُن کو شہرت سے کیا حاصل ہوا کہ ہمکو تم کو ہوگا۔

دنیا کی چیزوں سے بیزاری

قطعات تاریخ آگرہ کیونکر بھیجوں۔ پھر تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔ خالق معنی مبتدع معنی آفرین صحیح اور مسلم اور جائز۔ لیکن جس طرح اللہ میں مشدد لام کو دو لام کے قائم مقام قرار دیا ہے الہ اور الٰہی میں الف ممدودہ کو دوسرا الف کیونکر سمجھیں۔ قیاس کام نہیں آتا۔ اتفاق سلف شرط ہے۔ جب اور کسی نے الٰہی میں دو الف

نہیں مانتے تو ہم کیونکر مانیں۔ دوئم بروزن جوئم غلط۔ دوم ہے بغیر تحتانی۔ بالفرض تحتانی بھی لکھیں گے تو دوئم پڑھینگے۔ اگرچہ لکھیں گے دوئم واوکا اعلان ٹکسال باہر ہے۔ ہاں دومی درست ہے۔ مگر نہ بہ حرف تحتانی شامل ہو نہ بہ حذف نون بلکہ بطریق قلب بعض۔ دوم کا دومی ہوگیا۔ کنوئیں کی تاریخ کو بے تامل بھیجدو۔ اور تاریخ وفات کا اور مادہ سوچو۔ کس واسطے کہ حبیب الٰہی میں سے ایک الف لیا تو ایک عدد کم ہو جائیگا۔ والدعا۔ از غالب۔ روز ورود نامہ بلکہ وقت ورود نامہ بعد خواندن نوشتہ شد۔ یکشنبہ (بنام منشی ہرگوپال تفتہ)

نمبر ۴۷

بھائی تمہارے ذہن نے خوب انتقال کیا میں نے جس وقت یہ شعر پڑھا ؎ بہند آمدے زایران دیار۔ آمدند کی جگہ آمدے بصیغۂ استمرار ٹکسال باہر معلوم ہوا ؎ رسیدند در ہند زایران دیار۔ اُسکی جگہ لکھ دیا۔ واقعی پوستین کا بیچنا راہ میں واقع ہوا۔ پھر رسیدند در ہند بیجا۔ تمہارا تصرف مستحسن۔ جس طرح تم نے لکھا ہے اُسیطرح رہنے دو۔ صاحب اسنبلستاں سے کیوں گھبراتے ہو۔ میں تمہارے گھبرانے سے گھبراتا ہوں۔ رُخ کو گُل زلف کو سنبل فرض کرتے ہیں سنبلستاں میں کیا عیب ہے اور اگر نہیں پسند تو یہ قصہ ہی جانے دو۔ (بنام منشی ہرگوپال تفتہ)

نمبر ۴۸

انگشتری اور خاتم دونوں ایک ہیں تم نے خاتم بمعنی نگیں باندھا غلط۔
"جنس وفائے کس مخر" کیا ترکیب ہے[1] جنس کس مخر وفا البتہ درست، ہے نظر اوّل میں بسبب تکدّر حواس اور کثرت درد ورم پا کے میں نے خیال نہ کیا ہوگا۔

سبحان اللہ ع دیگر نتواں گفت خص را کہ غم است ایں"[2] اسکا وزن کب درست ہے۔ کیا فرماتے ہو غور کرو بعد غور کے اُس کی ناموزونی کا خود اقرار کروگے۔ شرف قزوینی کے مطلع میں ساغر غم در کشیدہ ایم۔ دو سم درکشیدہ ایم۔ دوسرے شعر میں پیمانہ زہر ستم درکشیدہ ایم درکشیدن کو ربط پیمانہ کے ساتھ ہے یا زہر کے ساتھ۔ اگر زہر درکشیدن جائز ہوتا تو وہ سم کے قافیہ کو کیوں چھوڑتا۔ تیسرے شعر میں قلم درکشیدن ہے چوتھے شعر میں آب درکشیدن ہے پانچویں شعر میں سر درکشیدن ہے۔ کیا زہر پانی ہے۔ اگر مثل زہر آب ہوتا تو روا تھا۔ سبحان اللہ یہ عبارت" جائیکہ شرف قزوینی ساغر و پیمانہ و زہر درکشید" اے برادر شرف زہر کجا درکشید۔ بلکہ پیمانہ زہر درکشید۔ شما ہم ساغر سم درکشید۔ سم درکشیدن کجا و پیمانہ غم درکشیدن کجا۔" ہم نے تو تم کو اجازت دی ہے۔ خیر رہنے دو۔ ہند میں اس کو کون سمجھے گا

ساغر کشیدن
اور سم کشیدن

چاہو یوں کردو ؎

دانی من و دل آنچہ بہم درکشیدہ ایم ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ دریک نفس و ساغر سم درکشیدہ ایم

سبحان اللہ تم جانتے ہو کہ میں اب ذو مصرع موزوں کرنے پر قادر ہوں

[1] دیکھو رقعہ بنام [illegible] اصلاح [illegible] مطلب [illegible] ۔

[2] دیکھو خطوط نمبر ۵۲ صفحہ ۱۱۷

جو تم مجھ سے مطلع مانگتے ہو

گمان زیست بود بر منت بیدردی   بدست مرگ ملے بدتر از گمان تو نیست

خیر شرف. قزوینی کی سند پر وہ مطلع رہنے دو۔

میں ایسا جانتا ہوں کہ دراعہ بہ تشدید ہے اور وہ دسع بوزن زرع اور لغت ہے۔ صاحب! یہ قصیدہ تم نے ایسا لکھا ہو کہ میرا دل جانتا ہے۔ کیا کہنا ہے۔ ایک خیال رکھا کرو کہ شعر اخیر میں کوئی بات ایسی آجائے کہ جس سے اختتام کے معنی پیدا ہوا کریں۔

مفید نصیحت

دراعہ کو یہ نہ کہو کہ تشدید نہیں ہے۔ اصل لغت مشدد ہے۔ شعرا اسکو مخفف بھی باندھتے ہیں۔ سعدی کے مصرعہ سے اتنا مقصود حاصل ہوا کہ دراعہ بے تشدید بھی جائز ہے۔ یاد رہے جادہ اور درّاعہ دونوں عربی لغت ہیں وہ دال کی تشدید سے اور یہ یے کی تشدید سے مگر خیر جادہ دراعہ بھی لکھتے ہیں۔ یہ نہ کہو کہ دراعہ ہرگز نہیں ہے یہ کہو کہ دراعہ بے تشدید بھی جائز ہے غالب ۱۲

(بنام منشی ہرگوپال تفتہ)

نمبر ۴۹

"دیدمست" یہ لفظ نیا بنایا ہے۔ مقصود تمہارا تو میں نے سمجھ لیا مگر زنہار اور کوئی نہ سمجھیگا "المعنی فی بطن القائل" کے یہی معنی ہیں۔ چشمان پرخمار دشمان بیحیا۔ ان دونوں ترکیبوں میں سے ایک لکھ لو۔ ان سب اشعار میں نہ عیب نہ لطف۔ دیکھو صاحب خط میں تم پھر وہی "بیش و بشیر" کا قصہ لائے ہو چہ جرم

وچہ سبب وچہ گناہ پر جو سند لاتے ہو ع عشق است وصد ہزار تمنا مرا چہ جرم۔ اس کی حاجت کیا ہے۔ "جاناں مدوے" "یاراں مدوے" یہ تمام غزل اسی طرح کی ہو اگر یہ ترکیب درست نہوتی تو میں ساری غزل کیوں نہ کاٹ ڈالتا دیکھو رفیع السودا کہتا ہے ؎

نہ ضرر کفر نہ دیں کو کوئی نقصاں مجھ سے
باعث دشمنی ہے گبر و مسلماں مجھ سے

غالب کہتا ہے ؎

مجھ تک کب انکی بزم میں آتا تھا دور جام
ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں

مقدر الفاظ اور جملے

یعنی اب جو دور مجھ تک آیا ہے تو میں ڈرتا ہوں۔ یہ جملہ سارا مقدر ہے۔ میرا فارسی کا دیوان جو دیکھے گا وہ جانیگا کہ جملہ کے جملے مقدر چھوڑ جاتا ہوں مگر ع ہر سخن وقتے و ہر نکتہ مکانے دارد۔ یہ فرق البتہ وجدانی ہے بیانی نہیں ؎

اگر دریافتی بر دانشت بوس
وگر غافل شدی افسوس افسوس

از اسد اللہ روز جمعہ ۱۳ جنوری ۱۸۵۴ء
(بنام منشی ہرگوپال تفتہ)

نمبر ۵۰

بھائی ریمیا و ہیمیا خرافات ہے اگر انکی کچھ اصل ہوتی تو ارسطو اور افلاطون

کیمیا اور سیمیا

اور بو علی یہ بھی کچھ اس باب میں لکھتے۔ کیمیا اور سیمیا دو علم شریف ہیں جو اشیا کی تاثیر سے تعلق رکھے وہ کیمیا اور جو ہمارے متعلق ہو وہ

سیماب

جاں عسیم سیما نخورد گے　　　دل سوئے کیمیا نیاوردم

| مرزا کورانہ تقلید کو منع کرتے ہیں |

شعر بامعنی ہوگیا۔ یہ نہ سمجھا کرو کہ اگلے جو لکھ گئے ہیں وہ حق ہے کیا آگے آدمی احمق پیدا نہیں ہوتے تھے۔ زمان و زمانہ کو میں پاگل ہوں جو غلط کہونگا۔ ہزار جگہ میں۔ نے نظم و نثر میں زمانِ زمانہ لکھا ہوگا۔ وہ شعر کس واسطے کاٹا گیا۔ سمجھو پہلا مصرع لغو۔ دوسرے مصرع میں نبرد کا فاعل معدوم۔ حلقہ زا کی زے پر نقطہ نہ تھا میں نے غصہ میں لکھا کہ نہ حلقہ را درست نہ حلقہ زا درست۔ مگر یہ فارسی بے دلانہ ہے خیر رہنے دو۔ مرتا ہوں مجھے سمجھاتے ہو "کہ صد جا در کلام اہل زبان خواہند یافت" مگر میں بانی

| صلاح |

کلام اہل زبان نہیں ع گردش چرخ استخواں سائید اس سے یہ بہتر ہے ع سودہ شد استخواں زگردش چرخ۔ باقی اور مصرع سب اچھے بنائے ہیں۔ غالب

(بنام منشی ہرگوپال تفتہ)

نمبر ۱۵

| مرزا صاحب کے صحت کیحالت |

حضرت پرسوں صبح کو تمہارے سب کاغذ ایک لفافہ میں بند کرکے ڈاک گھر بھجوا دیے سمجھا کہ اب چند روز کو جان بچی اُسیدن شام کو ایک خط آیا اور پہونچا اُسکو بھی روانہ کرتا ہوں۔ اپنا حال پرسوں کے خط میں مفصل لکھ چکا ہوں۔ ادنی بات یہ ہے کہ جو کچھ لکھتا ہوں وہ لیٹے لیٹے

لکھتا ہوں۔ مزے کی بات ہے کہ میرا لکھا ہوا میرا حال باور نہیں۔ اور کسی نے جو کہدیا کہ غالب کے پاؤں کا ورم اچھا ہو گیا اور اب وہ شراب دن کو بھی پیتا ہے تو حضور نے ان باتوں کو یقین جانا۔ بیس برس آگے یہ بات تھی کہ ابر و باراں میں یا پیش از طعام چاشت یا قریب شام تین گلاس پی لیتا تھا اور شراب شبانہ معمولی میں مجرا نہ لیتا تھا۔ اس بیس برس میں سینہ برساتیں ہوئیں بڑے بڑے مینہ برسے پینا ایک طرف دل میں بھی خیال نہ گزرا۔ بلکہ رات کی شراب کی مقدار کم ہو گئی ہے حکما رجو دو تین یہاں ہیں اُن کی رائے کے مطابق کل سے جب کا بھرتا بند ہیگا وہ بجالا ئیگا تب اُسکے چھوڑنے کی تدبیر کیجائے گی۔ تلوا زخمی۔ پنڈلی زخمی۔ اگر وہ نامرد میدد جھوٹا ہے تو اُسپر ہزار لعنت۔ اور اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر سو ہزار لعنت۔

دن کو بھی شراب چھوڑ دی

(بنام منشی ہرگوپال تفتہ)

نمبر ۵۲

اعتنم ا

مرزا تفتہ یہ غلطی تمہارے کلام میں کبھی نہیں دیکھی تھی کہ شعر ناموزوں ہو۔ بڑی قباحت یہ ہے کہ اعم بہ تشدید لفظ عربی ہے ؎ دیگر نتواں گفت خصم را کہ اعم است ^ مگر بحر اور ہوجاتی ہے مانا کہ فارسی نویسان عجم نے یوں بھی لکھا ہو گا ف کے اسقاط کی کیا توجیہ کروگے اور پھر اسصورت میں بھی تو بحر بدل جاتی ہے ناچار اس شعر کو نکال ڈالو۔ ہمیں نے تمہیں قصائد لکھنے کو کہا تھا۔ اب ہم

حاشیہ: [illegible] صفحہ ۱۰۰

[illegible] غالباً مرزا صاحب نے یہاں [illegible] ۱۲

منع کرتے ہیں کہ عاشقانہ قصائد نہ لکھا کرو مدح بشرط ضرورت لکھو مگر بہ فکر و غور
غالب ۱۶ جولائی ۱۸۶۳ء (بنام مرزا تفتہ)

نمبر ۵۲

برکشیدن اور درکشیدن

صاحب۔ کشیدن کی جگہ درکشیدن و برکشیدن بلکہ برکشیدن کی جگہ درکشیدن نہ چاہیئے۔ برآمدن و درآمدن کا استعمال بعض متاخرین نے عام کردیا ہے یعنی درآید سے برآید کے معنی لیے ہیں لیکن درکشیدن نادر ہے۔ اور کشیدن اور ... میں قریب بمرگ ہوں پاؤں کے ورم نے اور ہاتھ کے پھوڑے نے مار ڈالا ہے۔ باور کرنا اور میرے سب آدمی بلکہ بعض دوست جو روز آتے ہیں وہ بھی گواہ ہیں کہ میں صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک پڑا رہتا ہوں۔ خطوط کی تحریر لیٹے لیٹے ہوتی ہے۔ اشعار اصلاح کو بہت جگہ سے آتے تھے سب کو منع کردیا۔ ایک رئیس رامپور اور ایک تم ان کی اصلاح رہ گئی۔

(بنام مرزا تفتہ)

نمبر ۵۳

حضرت اس قصیدہ[۱] کی جتنی تعریف کروں کم ہے کیا کیا شعر نکالے ہیں لیکن افسوس کہ بے محل اور بیجا ہے۔ اس مدح اور اس ممدوح کا بعینہ وہی حال ہے کہ ایک مزبلہ پر سیب کا یا بہی کا درخت اُگ جائے خدا تم کو

---

[۱] یہ قصیدہ غالباً مرزا تفتہ نے خود مرزا صاحب کی مدح میں لکھ کر بھیجا تھا ۱۲

سلامت رکھے دوکان بے رونق کے خریدار ہو۔!! (بنام مرزا تفتہ)

نمبر ۵۴

صاحب تم نے تن تن کا ذکر کیوں کیا۔ میں نے اس باب میں کچھ لکھا نہ تھا

تن تن اور تننا اصوات ہیں تار کے۔ ہندی و فارسی میں مشترک۔ یا اور امامن کے آگے ... من

کو میں نے منع ہرگز نہیں کیا شوق سے لکھو۔ تم کو سمجھایا تھا کہ نیا ماخذ نبی بخش ... امام

متعلق امام ... مشتقات میں سے اس کو تصرف کرو قاعدہ ... [illegible] تم پر ...

(بنام مرزا تفتہ)

نمبر ۵۵

شعر سے بیزاری | لاحول ولاقوۃ کس ملعون نے بے ذوق ہو کر اشعار

کی اصلاح منظور رکھی۔ اگر میں شعر سے بیزار ہوں تو میرا خدا مجھ سے بیزار۔ میں

نے تو بطریق قہر درویش بجان درویش لکھا تھا۔ جیسے اچھی جورو، برے خاوند

کے ساتھ مرنا بھرنا اختیار کرتی ہے میرا تمہارا ساتھ وہی معاملہ ہے۔

(بنام مرزا تفتہ)

نمبر ۵۶

ایلائے اور ایوا | ایلائے کے جتنے شعر تم نے لکھے ہیں۔ سب مانع ہیں ایوا کے

اور سند ایوا سے کی۔ موسوی خاں نے بسبب ضرورت شعر ایوا لکھا ہے۔ تہمتن
بروزن قلمزن ہے۔ فردوسی نے سو جگہ شاہنامہ میں تہمتن بسکون ہائے ہوز
لکھا ہے۔ پس کیا اس لغت کی دو صورتیں قرار پاگئیں۔ لاحول ولا قوۃ۔
لغت وہی بحرکت ہائے ہوز ہے میں نے کسقدر کلام کو طول دیا۔ صائب کے
شعر کی حقیقت شرح و بسط سے لکھی تم نے ہرگز اعتنا نہ کیا۔ ایوا کو الگ نہ سمجھے
مصیبتاہ کو جدا سمجھے۔ بھلا میرے قول کو گوزشتر سمجھتے ہو نرا مصیبتا

واحسرتا اور وامصیبتا

یا حسرتا برہان قاطع میں یا بہار عجم میں ہم کو دکھا دو۔ وہی واے
ہے کہ جب اسکے بعد مصیبتا یا حسرتا یا ویلا آتا ہے تو تحتانی کو حذف کرکے
واویلا وغیرہ لکھتے ہیں۔ چاہو الف واویلا لکھو چاہو واویلا لکھو۔ چاہے آخر میں
ہائے ہوز لکھو۔ جیسا کہ وامصیبتاہ۔ چاہو نہ ہائے ہوز وامصیبتا
اور یہی حال ہے حسرت و درد و اسف و دریغ کا جہاں الف کے ساتھ وامصیبتا
پاؤ۔ وہاں الف کو حرف ندا اور منادی یعنی ہمنشیں اور ہمدم کو مقدر سمجھو۔
فرہنگ لکھنے والوں نے اشعار قدما میں ترکیبیں دیکھیں اپنا قیاس دوڑا کر
اسکی حقیقت ٹھہرالی۔ کہیں ان کا قیاس غلط کہیں صحیح۔ سو ان میں یہ دکنی
ایسا کج فہم ہے کہ اسکا قیاس سو لغت میں شاید دس جگہ صحیح ہو۔ میں نے
تو صاف لکھ دیا تھا کہ موسوی خاں کے شعر کی سند پر ایوا کو رہنے دو۔ مگر صائب
کے شعر میں ایوا کو الگ اور مصیبتاہ کو جدا نہ سمجھو۔ تمہارے قیاس نے
پھر تمہیں کہیں کا کہیں پھینکا۔ اور تم نے بھی کہا کہ صائب نے ایوا لکھا ہے
نجات کا طالب غالب ۱۲۔

(بنام مرزا تفتہ)

نمبر ۵۷

صاحب قصیدہ پر قصیدہ لکھا اور خوب لکھا آفریں ہے پھر استاد کے شعر تضمین کیوں کرتے ہو نہ اسکی کچھ حاجت نہ اُس میں کوئی افزائش حسن تمہاری۔ ایک شعر کو ایک شعر کے بعد رکھدیا ہے تاکہ مقطع کلام ہو جاوے۔ پہلا قصیدہ تمہارا بردرم در آورم کی ردیف کا سُست ہے اُسکو ہم نے نامنظور کیا۔ مگر نظر ثانی میں جو شعر قابل رکھنے کے ہونگے وہ لکھ کر تم کو بھیج دینگے۔ بالفعل ایک شعر کی قباحت تم پر ظاہر کرتے ہیں تاکہ آیندہ اس پا لغز سے احتراز کرو مصرع نور سعادت از جبہ قاصدم چکد۔ یہ کیا ترکیب ہے جبہ بروزن چشمہ ہے یعنی دو ہائے ہوز ہیں جبہ قاصد ایک ہائے ہوز کہاں گئی مصرع ہر کجا چشمہ بود شیرین۔ چشمہ کی جگہ چشہ لکھتے ہو۔ یہ بات ہمیشہ کو یاد رہے اتنے بڑے مشاق سے ایسی غلطی بہت تعجب کی بات ہے۔ میاں مصرع برگ دینا نہ ساز و نیش بود۔ یہ کوئی لغت نہیں ایک لفظ نہیں کہ کسی فرہنگ میں سے نکل آئے یہ طرز تحریر ہی کس کو یاد ہے کہ اس کا نظیر کہاں موجود ہے۔ اس امر سے قطع نظر وہ شخص ایسا کہاں کا فارسی داں اور عالم ہے کہ میں لڑکوں کی طرح بیت بخشی کروں۔ دو جوتیاں آپ لگادیں ایک جوتی تم سے لگوادی۔ اب قطع نظر کرو اور سکوت اختیار فرماؤ۔ میں برہان کا خاکہ اڑا رہا ہوں۔ چار شربت[۵۱] اور غیاث اللغات کو حیض کا لتہ سمجھتا ہوں ایسے گمنام چھوکروں سے کیا مقابلہ کرونگا۔ برہان قاطع کی اغلاط بہت نکالی ہیں دس جزو کا ایک رسالہ لکھا ہے اُسکا نام

[۵۱] قتیل کی مشہور تصنیف ہے

قاطع برہان لکھا ہے۔ اب اسکے چھاپے کی فکر ہے۔ اگر یہ مدعا حاصل ہوگیا تو ایک جلد چھاپے کی تم کو بھیج دونگا۔ ورنہ کاتب سے نقل کروا کر قلمی ایک جلد بھیج دونگا۔ بہت سودمند نسخہ ہے۔ غالب جمعہ ۴۔ اکتوبر ۱۸۶۱ء۔

(بنام مرزا تفتہ)

نمبر ۵۸

صاحب واقعی سداب کا ذکر کتب طبی میں بھی ہے اور عرفی کے ہاں بھی ہے۔ تمہارے ہاں اچھا نہیں بندھا تھا اسواسطے کاٹ دیا۔ قراب کونسا لفظ غریب ہے جس کو اس طرح پوچھتے ہو۔ خاقانی کے کلام میں اور اساتذہ کے کلام میں ہزار جگہ آیا ہے۔ قراب اور سداب دونوں لغت عربی الاصل صحیح ہیں۔ غالب ۱۲۔ (بنام مرزا تفتہ)

نمبر ۵۹

دل بے داغدار بود نماند　　　در نظرہا بہار بود نماند

اگر بود کے آگے واو موقوف اور محذوف کردو گے تو ہمارے نزدیک کلام سراسر بلیغ ہو جائیگا۔ میری جان جو خجالت کہ مجھ کو تم سے ہے شاید بسبب عبادت نہ کرنے کے قیامت میں خدا سے بھی نہ ہوگی۔ اور بسبب خلاف

شروع کرنے کے پہیر سے بھی نہو گی مگر خدا ہی جانتا ہے جو میرا حال ہے۔
مرگ ناگاہ کا طالب غالب۔ (بنام مرزا تفتہ)

نمبر ۶۰

مرزا تفتہ صاحب اس قصیدہ کے باب میں بہت باتیں آپ کی خدمت میں عرض کرنی ہیں۔ پہلے تو یہ کہ خنجر را دگہر را کو تم نے از قسم ساغر سمجھا۔ اور اُسپر اشعار اساتذہ سند لائے۔ یہ تمدشہ نہیں پیدا ہوتا مگر لڑکوں کے اور مبتدیوں کے دل میں سے

شراب نقل نخواہد بگیر ساغر را ۔ کہ احتیاج شکر نیست شیر مادر را (سلیم)

یہ غزل شاہجہاں کے عہد کی طرح ہے۔ صائب و قدسی و شعرائے ہند نے اس پر غزلیں لکھی ہیں دوسرے یہ کہ ممدوح کا پورا نام بے تکلف آتے ہوئے خالی کیوں اڑا دو۔ ضیاء الدین احمد خاں نام ہے۔ ہندی میں رخشاں تخلص فارسی میں نیر تخلص سے "ہا نا نیر رخشاں ضیاء الدین احمد خاں"
دیکھو تو کیا پاکیزہ مصرعہ ہے۔ یہ نہ کہنا کہ شعرا ممدوح کا نام ننگا لکھ جاتے ہیں وہ بحسب ضرورت شعر ہے جس بحر میں پورا نام نہ آئے اس میں شوق سے لکھو جائز روا مستحسن جس بحر میں نام ممدوح کا درست آئے اس میں فرو گذاشت کیوں کرو۔ دوشنبہ نہم ستمبر ۱۸۶۱ء (بنام مرزا تفتہ)

نمبر ۶۱

تمہارے .... میں تم کو خط بھیج چکا ہوں پہونچا ہوگا
شعر میں جو تردد تھا اُسکا جواب میں نے یہ لکھا ہے۔ تم کو بھی معلوم رہے ؎

اے دل سخنے ہست نگہدار زبان را — رفت آنچہ بہ منصور شنیدی تو من ہم

تردد یہ کہ آنچہ بہ منصور رفت نہیں دیکھا۔ آنچہ بر منصور رفت درست ہے۔ جواب۔ بائے موحدہ علیٰ کے معنی بھی دیتی ہے۔ پس جو کچھ بر سے مراد تھی وہ بائے موحدہ سے حاصل ہوگئی اور اگر بائے موحدہ کے معنی معیت کے لیں تو بھی درست ہے نظیری کہتا ہے ؎

درشہر ایں معاملہ با ہر گدا رود — شادی کہ غبن میکشی و دم نمیزنی

اگر کوئی یہ کہے کہ یہاں معاملہ ہے اور اُس شعر میں معاملہ کا لفظ نہیں۔ جواب اسکا یہ ہے کہ سراسر دونوں شعروں کی صورت ایک ہے۔ نظیری کے ہاں معاملہ مذکور ہے اور تفتہ کے ہاں مقدر ہے۔ رفت کا صلہ اور تعدیہ بائے موحدہ کے ساتھ دونوں جگہ ہے۔ والسلام ۔ اسداللہ (بنام مرزا تفتہ)

نمبر ۶۲

صاحب دیکھو پھر تم دنگا کرتے ہو وہی بیش و بیشتر کا قصہ نکالا ۔ لغت میں جمہور کی پیروی کیا فرض ہے۔

اقسام یائے تحتانی

یاد رکھو یائے تحتانی تین طرح پر ہے (۱) جزو کلمہ ع ہمائے بر سر مرغان ازاں شرف دارد ع اے سرنامہ نام تو عقل گرہ کشائے۔
یہ ساری غزل اور مثل اُس کے جہاں یائے تحتانی ہے جزو کلمہ ہے اُسپر ہمزہ لکھنا گویا عقل کو گالی دینا ہے۔

(۲) تحتانی مضاف ہو۔ صرف اضافت کا کسرہ ہے۔ ہمزہ وہاں بھی مخل ہے۔ جیسے آسیائے چرخ یا آشنائے قدیم۔ توصیفی اضافی۔ بیانی کسی طرح کا کسرہ ہو ہمزہ نہیں چاہتا۔ فدائے تو شوم رہنمائے تو شوم یہ بھی اسی قبیل سے ہے۔

(۳) تیسرے دو طرح پر ہے یائے مصدری اور وہ معروف ہوگی۔ دوسری توحید و تنکیر۔ وہ مجہول ہوگی۔ مثلاً مصدری آشنائی یہاں ہمزہ ضرور بلکہ ہمزہ نہ لکھنا عقل کا قصور۔ توحیدی آشنائے یعنی ایک آشنا یا کوئی آشنا۔ یہاں جب تک ہمزہ نہ لکھوگے دانا نہ کہاؤگے۔

نیم گناہ و نیم نگاہ و نیم ناز۔ یہ روزمرہ اہل زبان سے ہے۔ نیم بمعنی اندک ورنہ گناہ کا آدھا اور نگاہ کی ادھوائی اور ناز آدھا۔ یہ مہملات میں ہے۔ ان چیزوں کا منا ہے صفہ کیا اگر تم کو نیم گناہ پسند نہیں تازہ گناہ بننے دو۔

خستہ۔ بستہ۔ تازہ۔ غازہ۔ خانہ۔ دانہ۔ آوارہ۔ بیچارہ۔ روزہ۔ بوزہ۔ ہزار لفظ ہیں کہ ان کے آگے جب یائے توحید آتی ہے تو اُس کی علامت کے واسطے ہمزہ لکھ دیتے ہیں۔ زرہ۔ گرہ۔ کلاہ۔ شاہ۔ آگاہ۔ آگہ۔ صبحگاہ۔ صبحگہ ایسے الفاظ کے آگے اگر تحتانی آتی ہے۔ تو زرہے۔ گرہے۔ کلاہے۔ شاہے۔

اگاہے۔ آگہے۔ گاہے گہے لکھدیتے ہیں ۱۲ غالب (بنام مرزا تفتہ)

نمبر ۶۳

صاحب دوسرا پارسل جس کو تم نے بہ تکلف خط بنا کر بھیجا ہے پہونچا نہ اصلاح کی جگہ نہ تحریر سطور کا پیچ و تاب سمجھ میں آتا ہے۔ تم نے الگ الگ دو ورقوں پر کیوں نہ لکھا اور چھدرا چھدرا کیوں نہ لکھا۔ ایک آدھ ورق زیادہ ہوجاتا تو ہوجاتا بہرحال اب مجھے چننے پڑے ہیں سوالات۔ اگر کوئی سوال میری نظر نہ چڑھے اور رہ جاوے تو سطور کی موڑ توڑ کا گناہ سمجھنا میرا قصور نہ جاننا۔

بلا دباے اس میں تامل کیا ہے لفظ صحیح اور پورا تو یہی ہے۔ رُبا اسکا مخفف ہے ع غبار بادرہش افشانم کہ چوں خواہد شدن۔ بہت خوب اور معقول۔ میں اُسوقت خدا جانے کس خیال میں تھا۔ چوں خواہد شدن و کنوں خواہد شدن ردیف و قافیہ سمجھا تھا۔ لفظ "بےپیر" تورانی بچہ ہاے ہندی نژاد کا تراشا ہوا ہے۔ جب میں اشعار اُردو میں اپنے شاگردوں کو نہیں باندھنے دیتا تو تم کو شعر فارسی میں کیونکر اجازت دونگا۔ میرزا جلال اسیر علیہ الرحمۃ مختار ہیں اور اُنکا کلام سند ہے۔ میری کیا مجال ہے کہ اُن کے باندھے ہوے لفظ کو غلط کہوں لیکن تعجب ہے اور بہت تعجب ہے کہ امیر زادہ ایران ایسا لفظ لکھے۔ شست بستن جب ظہوری کے ہاں ہے تو باندھیے یہ روزمرہ ہے۔ اور ہم روزمرہ میں اون کے پیرو ہیں۔ "بےپیر" ایک لفظ ٹکسال باہر ہے

ورنہ صاحب زبان ہونے میں اسیر بھی ظہوری سے کم نہیں ؎

زاہدا این سخت ہرزہ کہ گفتی چہ شدی ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ حق غفور ست گناہے شدہ ام تا چہ شود

پہلے زاہد سے یہ سوال غلط کہ چہ شدی تم!‌ چہ شد سوال ہو سکتا ہے۔ پھر گناہے شدہ ام یہ جواب مہمل۔ گناہے کردہ ام جواب ہو سکتا ہے۔ یہاں تم کہو گے کہ ہمہ تن گناہ یا سراپا گناہ یا سراسر گناہ شدہ ام۔ یہ جواب اُس جواب سے سراسر بے ربط ہے جب تک ہمہ تن گناہ نہو معنی نہیں بنتے۔ ہرگز ہرگز اصلاح دیے ہوئے شعر میں مضمون تمہارا ہی رہا اور ٹکسال کے موافق ہو گیا عجب ہے تمسے کہ صرف شدہ ام اور تا چہ شود کے پیوند میں اُلجھ کر حقیقت معنی سے غافل رہے ؎

بازار دل خود از چنیں کار ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ آزار چہ میکنی دلم را

اہلی نے زبردستی کی ہے۔ مگر ہاں اُسنے ایک وجہ ٹھہرالی ہے۔ یعنی آزردن مصدر اور آزارد مضارع اور آزار امر۔ امر بمعنی اسم جامد آلت ہے اور اسم جامد کردن کے ساتھ پیوند پاتا ہے۔ خیر رہنے دو۔

ع کند آں آہوے وحشی ز برم فرد ارم[۱] یہ شعر مؤید میرے کلام کا ہی

---

[۱] غالباً مرزا تفتہ کسی غزل مین بردارم۔ سر دارم قافیہ رکھکر کسی شعر مین الف ممدودہ لائے ہین۔ جسکو مرزا نے غلط کر دیا ہے۔ تفتہ نے اگلی سند میں یہ مصرع پیش کیا ہے اُس کو مرزا صاحب نے اپنی دعوے کا مؤید ٹھہرایا ہے۔ اسواسطے کہ اس مین قافیہ معمولہ ہے اور وہ ممدودہ کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ اسکے بعد مرزا تفتہ نے مصنف ماقیماں کا یہ سر مطلع پیش کیا ہے ؎

ماستیمان کوے دلداریم ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ رخ بہ دنیا و دیں نمی آریم

جسکا مرزا نے یہ جواب دیا کہ مصنف ماقیماں تصوف میں مستند ہوں مگر قواعد شاعری میں

(بقیہ حاشیہ)

بردارم وزردارم وسردارم وفردا۔رم یہ سب الفاظ ایک طرح کے ہیں الف ممدودہ کہیں نہیں۔ ہاں بُودارد۔ رُودارد۔ فرودآرد تمہارے عقیدے کی تائید کرتا ہے مگر یہ شعر اُستاد کا نہیں مشائخ میں سے ایک بزرگ تھے مولانا علاؤالدین

ماقیمان کوے دلداریم۔ یہ ترجیع بند انہیں کا ہے ان کو فقر وفنا وسیر و سلوک میں مستند سمجھنا چاہیئے۔ نہ انداز کلام میں۔

ع پر مور ست شمشیر کہ بر موے میاں دارد۔[۱] بھائی خدا کی قسم یہ مصرع تلوار کی نازکی کی سند نہیں ہو سکتا۔ یہ تو ایک مضمون ہے کہ مور و تلوار پر مور وجہ شبہ علاقۂ پر مُور با مور مانند علاقہ شمشیر با میان نزاکت وجہ تشبیہ

(بقیہ صفحہ گزشتہ) قابل استناد نہیں ہیں۔

ہمارے خیال میں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے جس میں تفتہ کے مؤیدین بھی ملتے ہیں مثلاً

مومن خان کی یہ غزل۔ پیار آجائے۔ یار آجائے اور مقطع ہے

حسن انجام کا مومن مرے بارے ہی خیال یعنی کہتا ہو وہ کا فر کہ تو مار اجائے

[۱] شاید اپنے کسی شعر میں مرزا تفتہ نے تلوار کو نازک باندھا ہوگا۔ مرزا نے اُس شعر کو نظر کردیا ہوگا کہ تلوار کی صفت تیزی ہے نہ کہ نزاکت۔ مرزا تفتہ نے سنداً یہ مصرعہ پیش کیا مرزا نے اس مصرعہ کے متعلق خط میں سمجھائے یعنی یہ۔ تم شاید سمجھتے ہو کہ جس طرح معشوق کی کمر کو بال سے تشبیہ دی ہے اوسیطرح اوسکی تلوار کو چیونٹی کا پر ٹھہرایا ہو یعنی اوسکی تلوار اتنی پتلی اور نازک ہے جیسے چیونٹی کا پر۔ یہ صحیح نہیں ہے بلکہ شعر کا یہ مطلب ہے کہ جو نسبت تلوار کو کمر کیساتھ ہے وہی نسبت چیونٹی کے پر کو چیونٹی کے ساتھ ہے یعنی معشوق کی تلوار مثل پر مور کے صحیح نہیں بلکہ پر مور شمشیر مور ہے۔ یعنی چیونٹی کے پر اُسکی تلواریں۔ (باقی صفحہ ۱۲۴ پر)

کبھی نہیں۔ انصاف شرط ہے۔ تلوار کی خوبی تیزی ہے یا نازکی؟ یہ دھوکا نہ کھاؤ
اور تلوار کو نازک نہ باندھو۔ مو میں اور تلوار میں مناسبت نہیں پائی جاتی۔ جانے دو
شعر سے ہاتھ اُٹھاؤ۔

میاں خمیدن بھی صحیح اور چمیدن بھی صحیح۔ اس میں کس کو تردد ہے۔
مگر لغت اور محاورہ اور اصطلاح میں قیاس پیش نہیں جاتا۔ ہندوستان کے
باتونی لوگوں کو خم و چم بولتے سُنا ہے آجتک کسی نظم و نثر فارسی میں یہ لفظ نہیں
دیکھا۔ لفظ پیارا مجھکو بھی پسند مگر کیا کروں جو اپنے پیشواؤں سے نہ سنا ہو اُس کو
کیونکر صحیح جانوں۔ چمید صیغہ ماضی کا ہے چمیدن سے اور چمیدن ایک مصدر
ہے صحیح اور مسلم۔ چمد مضارع چم امر۔ اس میں کیا گفتگو ہے۔ کلام خم و چم
میں ہے۔

سوالات ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر اُنکا جواب لکھ دیا۔ اب اشعار کو دیکھتا ہوں
خدا کرے مجھسے کوئی سوال باقی نہ رہ گیا ہو اور تم بھی جب ان اوراق طلسمی کو دیکھو
تو کوئی صلاح کا اشارہ تم سے باقی نہ رہ جائے۔ غرض یہ ہے کہ اب پھر اس طرح
کبھی نہ لکھنا میں بہت گھبراتا ہوں۔

خمیدست و رسیدست میں "نزنی دست" یہ قافیہ درست ہے مگر
است کا الف سب جگہ اڑا دو۔ اور یاد رہے کہ صرف سین تے کافی ہے۔
الف ضرور نہیں۔ ۱۲ غالب (بنام مرزا تفتہ)

(بقیہ صفحہ گزشتہ) افسوس ہے کہ مرزا نے دوسرا مصرعہ نہیں لکھا۔ ممکن ہے اوس سے یہ معنی بھی
نکلتے کہ چیونٹی کے جب پر نکلتے ہیں تو وہ اُسکے جان کے لیے شمشیر ہیں۔

نمبر ۶۴

حضرت اس غزل میں پروانہ و پیمانہ و بت خانہ تین قافیے اصلی ہیں دیوانہ چونکہ علم قرار پاکر ایک لغت جداگانہ مشخص ہوگیا ہے۔ اُس کو بھی قافیہ اصلی سمجھ لیجیے۔ باقی غلامانہ و مستانہ و مردانہ و ترکانہ و دلیرانہ و شکرانہ۔ سب ناجائز و نامستحسن ایطا۔ اور ایطا بھی قبیح۔ مجھے بہت تعجب ہے کہ انھیں قافیوں میں ایطا کا حال تم کو لکھ چکا ہوں۔ اور پھر تم نے غزل مبنی انھیں قوافی پر رکھی کاشانہ و شانہ و افسانہ و جانانہ و فرزانہ یہ قافیے کیوں ترک کیے۔ یاد رہے ساری غزل میں مردانہ یا مستانہ یا اُن کے نظائر میں سے ایک جگہ آوے دوسری بیت میں زنہار نہ آوے۔ یہ غزل نظری ہوگئی اور غزل لکھ کر بھیجو تا اصلاح دی جائے ۱۲

عفو کا طالب غالب (بنام مرزا تفتہ)

نمبر ۶۵

یک الف بیش نہیں صیقل آئینہ ہنوز چاک کرتا ہوں میں جب سے کہ گریباں سمجھا

پہلے یہ سمجھنا چاہیے کہ آئینہ عبارت فولاد کے آئینہ سے ہے ورنہ حلبی آئینوں میں جوہر کہاں اور ان کو صیقل کون کرتا ہے۔ فولاد کی جس چیز کو صیقل کروگے بے شبہہ پہلے ایک لکیر پڑیگی اُسکو الف صیقل کہتے ہیں جب یہ مقدمہ معلوم تو اب اس مفہوم کو سمجھیے ع چاک کرتا ہوں میں جب سے کہ گریباں سمجھا

یعنی ابتدائے سن تمیز سے مشق جنوں ہے۔ ابتک کمال فن حاصل نہیں ہوا۔ آئینہ تمام صاف نہیں ہوگیا۔ بس وہی ایک لکیر صیقل کی جو ہے سو ہے چاک کی صورت الف کی سی ہوتی ہے۔ اور چاک جیب آثار جنوں میں سے ہے ۱۲ غالب

(بنام ماسٹر پیارے لال۔ آشوب)

نمبر ۶۶

بندہ پرور آپ کا مہربانی نامہ پہونچا۔ تمہاری اور صاحبزادے کی خیر و عافیت معلوم ہونیسے دل خوش ہوا۔ جو آپکی عبارت سے سمجھ گیا ہوں اُسکا جواب لیجئے اور جو نہیں وہ مطابق میری التماس کے مجھے سمجھا دیجئے۔ عماد عمائد شعرائے قدیم میں سے ہے اُسی کے پانچ سات بیت کی ایک غزل ہے جسکا مطلع یہ ہے ؎

پلہ سرتا نشود راہ تو رُفتن نتواں　　جز بہ جاروب مژہ کوئے تو رُفتن نتواں

پہلے مصرع میں رے مفتوح اور دوسرے مصرع میں مضموم۔ باقی اشعار میں گفتن و سفتن وغیرہ قافیے ہیں۔ اُستاد دو مصرعوں میں حرکت ماقبل روی مختلف لاوے اگر میں نے پچاس شعر کے قصیدے میں ایک شعر ایسا لکھا تو کیا غضب ہوا۔ آیا معترض صاحب استناد بمثل و نظیر کو نہیں جانتے یا جانتے ہیں اور نہیں مانتے یہ دستور میرا نکالا ہوا نہیں قدیم سے ہے۔ بندہ نواز میں نے لکھا کہ مؤید برہان میرے پاس آگئی ہے اور میں اُسکے اعتراضات کے جواب بہ نشان صفحہ و سطر ایک تختہ کاغذ پر لکھ رہا ہوں۔ بعد اتمام نگارش تمہارے پاس اس مراد سے

بھیجونگا کہ تم ازراہ عنایت مؤیدکا جواب لکھو۔ میری نگارش جو پسند آئے اُس کو بھی جا بجا درج کردو۔ تم نے اس درخواست کا جواب ہاں۔ نا۔ کچھ نہ لکھا۔ اب عنایت فرما کر ان تینوں باتوں کا جواب لکھئے اور ضرور لکھئے۔ ۱۸ مارچ ۱۸۶۶ء۔

(بنام منشی حبیب اللہ ذکا)

نمبر ۶۷

اے عتابت بہ عنایت ہمہ شکل۔ آپکا خط حاوی حل شبہات جس دن پہونچا اسکے دوسرے دن جواب لکھکر بھیجدیا۔ دو مصرعوں میں دو لفظ بدلے گئے دو شعروں کے باب میں کچھ تقریر درج ہوئی۔ دو تین شعروں میں تمہاری راے مسلم رہی۔ باوجود فقدان حافظہ و استیلائے نسیان ایک مصرع کا بدلا ہوا لفظ یاد ہے ع چہ غرہ غرۂ پیشانی سمند عمر "بدل ع چہ غرہ غرہ پیشانی تگاور عمر" دوسرا تبدل اسی قدر یاد رہ گیا ہے۔ کہ شبگرو گران رکاب۔ کچھ اسی طرح کے دو لفظ تھے۔ بے واؤ عاطفہ کچھ تقدم و تاخر ہو گیا ہے۔ صبح شنبہ ۳۔ ذی الحجہ مطابق یکم مئی سال حال ۱۲ غالب۔

(بنام منشی حبیب اللہ ذکا)

نمبر ۶۸

حضرت مولوی صاحب میں برس دن سے بیمار۔ اور تین مہینے سے

صاحب فراش ہوں۔ اُٹھنے بیٹھنے کی طاقت مفقود۔ پھوڑوں سے بدن لالہ زار۔ پوست سے ہڈیاں نمودار۔ پھوڑے ایسے جیسے انگارے سلگتے ہیں۔ اعضا پر دس جگہ پھائے لگتے ہیں ضعف و ناتوانی علاوہ سوزغم ہائے نہانی علاوہ۔ صنعت سہل ممتنع میں میں نے نواب مختار الملک کو قصیدہ بھیجا۔ کچھ قدردانی نہ فرمائی۔ رد فرقۂ وہابیہ میں ایک مثنوی جو سابق میں لکھی تھی وہ محی الدولہ کو بھیجی رسید بھی نہ آئی۔ اب سنتا ہوں کہ مولوی غلام امام شہید شاگرد قتیل وہاں کوس انا ولا غیری بجا رہے ہیں اور سخن ناشناسوں کو اپنا زور طبع دکھا رہے ہیں ایک کم ستر برس کی میری عمر ہوئی سوائے شہرت خشک کے فن شعر کا کچھ پھل نہ پایا۔ فرمانروایان عصر معتقد ہوئے مگر کچھ ہاتھ نہ آیا۔ احسنت و مرحبا کا شور سامع فرسا ہوا۔ خیر ستائش کا حق ستائش سے ادا ہوا۔ مختار الملک نے یہ بھی نہ کیا نہ مدح کی داد دی نہ مدح کا صلہ دیا۔ حیران ہوں کہ نواب صاحب نے مجھے کیا سمجھے۔ محی الدولہ سے اور کچھ نہیں کہتا مگر یہ کہ خدا سمجھے کل سے پلنگ پر لیٹا لیٹا غزل کو دیکھ رہا ہوں اور لیٹے لیٹے یہ سطریں لکھتا ہوں ع۔ دیدیم گل و لالہ جہاں رنگ برآورد + فقیر کے نزدیک "دیدیم" زائد اگر یوں ہو تو بہتر ہے۔ ہر یک زگل و لالہ الخ ے

باشد شفقے کاں بلب لعل تو ماند　　　گرچرخ بکام دل ما رنگ برآورد

باشد مخل معنی ہے اگر اس کی جگہ آرد ہو تو بہتر۔ مگر آرد صیغہ مستقبل کا اور آورد ماضی کا۔ اور فاعل دونوں فعلوں کا چرخ ہر چند اساتذہ نے یوں بھی لکھا ہے مگر فارسی گویان ہند نہ مانیں گے۔ پس اس شعر کو یوں لکھنا چاہیے ے

حاشا کہ شفق مثل لب لعل تو باشد ٭ کے چرخ بکام دل ما رنگ بر آورد

۵ خوں شد دل غم دیدہ الخ۔ یہ شعر ہموار ہے نہ صاد کے قابل نہ اصلاح کا محتاج ۴ اور ۵ یہ دو شعر واہ کیا کہنا ہے اہل ورع الخ یہ بھی ہموار ہے نہ صاد چاہتا ہے نہ اصلاح ۔

گوئی کہ زباں در دہنم برگ حنا بود ٭ تا بوسہ زدم آں کف پا رنگ برآورد

مولوی صاحب یہ بات تو کچھ نہیں ۔ زبان چاٹنے کا آلہ ہے نہ چومنے کا زبان برگ حنا بن گئی تو بوسہ سے کف پا کیوں حنائی ہو جائے ۔

گوئی دہنم لب رنگ برگ حنا داشت ٭ تا بوسہ زدم آں کف پا رنگ برآورد

مقطع اور اُسکے اوپر کا شعر دونوں اچھے ۔ روز چہار شنبہ ۱۰ ربیع الاول ۱۲۷۹ھ مطابق ۲۶ اگست ۱۸۶۲ء (بنام منشی حبیب اللہ ذکا)

نمبر ۶۹

صبح سہ شنبہ ۲۳ صفر سال غفر[1] ۔ صاحب میں تم کو اخوان الصفا میں گنتا ہوں اپنا نور نظر و لخت جگر جانتا ہوں ۔ دیکھو تم پر مجھ کو کیا اعتماد ہے ۔ کہ خود ضبط راز نہیں کر سکتا اور تم سے راز داری اور امانت میں استواری چاہتا ہوں قصیدہ و غزل میں حیلہ و تحسین بہ اقتضائے بخت و قسمت ہے نہ بہ اندازۂ ارزش کلام ۔ ممدوح سخن فہم ہوتا تو مجھ کو متوسط کے تساہل کا غم ہوتا

---

[1] یعنی سنہ ۱۲۸۰ھ مطابق ۱۸۶۳ء

اغنیا کو نہ مذاق شعر سے نسبت نہ مطالعہ اشعار کی فرصت۔ متوسطوں نے بقدر
سلسلہ جنبانی کی لیکن مرجع نے نہ قدردانی کی۔ مولوی غلام غوث خاں بیخبر میر منشی
لفٹنٹ گورنر مخلص خالص الاخلاص ہیں۔ ہرگز ان کو مدعی[۱] سے تلمذ نہیں البتہ
اُس کو خوش گو جانتے ہیں۔ اور کبھی نہ ہوگا کہ وہ میرے مقابلہ کریں اور قاطع برہان کا
جواب لکھیں ع باطل است آنچہ مدعی گوید۔ مدعی اپنے زعم میں مجھ کو اپنا ہم فن
جان کر حسد کرتا ہے۔ میر امیر علی شیر سا محتسب اور مولوی جامی جیسا مفتی
کہاں سے لاؤں جو نیاؤ کرے اونکا ذنب کو سزا دے۔ شکر ہے خدا کا کہ تم سخنور
اور سخنداں ہو۔ اور یقین ہے کہ تمام ہند میں اور بھی ایسے آدمی ہونگے کہ
میرے اور مدعی کے رتبہ کو ممیز ہو سکیں گے۔ ع عیدست بادہ شد فلک و ساغر
آفتاب۔ خالصاً للہ فلک ظرف اور آفتاب مظروف ہے۔ یہ شخص ظرف
کو مظروف اور مظروف کو ظرف ٹھہراتا ہے اس کو کون مسلم رکھے گا۔ اس سے
بڑھکر ایک اور نشہ ہے یعنی مشبہ اور مشبہ بہ میں وجہ شبہ شرط ہے آفتاب
و ساغر میں تدویر وجہ شبہ ہے۔ شراب اور فلک میں وجہ تشبیہ کہاں؟ میں
اپنے کو ایسا نہیں جانتا کہ تمہارے کلام کو اصلاح دوں۔ قدردانی کیونکر کہوں
قدرافزائی کرتے ہو۔ دوستانہ نہ استادانہ جو خیال میں آئیگا کہا جائیگا
اگر آپنے اس روش کا یعنے استصلاح کا التزام کیا ہے تو جب تک کاغذ
اشعار میرے پاس بالتزام جایا کرے مکتب فیہ شہرت نہ پایا کرے۔ مجموعہ
کلام سابق اگر بھیج دوگے میں بکمال طیب خاطر اسکو دیکھکر بھیجدونگا۔ استجازت

---

(۱) غالباً مدعی سے غلام امام شہید مراد ہیں۔

کیا ضرور ۱۲ نجات کا طالب غالب (بنام منشی حبیب اللہ ذکا)

نمبر ۷۰

صاحب پہلے مطلع میں لطف نہیں۔ ہاں مضمون لطیف ہے وہ
فرد میں خوب آگیا ہے۔ مطلع ثانی بسبب تعقیدات کے مہمل رہ گیا۔ ورنہ کا
قافیہ اور شعر میں اور طرح سے بندھ گیا۔ تیسرا شعر الفاظ بدلنے سے بہت اچھا
ہو گیا۔ جو شعر بے تصرف بدستور رہا اُسکا ذکر کچھ ضرور نہیں۔ ساقی ابھی چھنی الخ
چھنی لفظ غریب ہے۔ اہل دہلی کے زبان زد نہ گوش زد غربال کو چھلنی کہتے ہیں جسکی
فارسی پرویزن ہے۔ اور جس کپڑے میں سالمات کو چھانیں فارسی اوس کی
لاے پالا اور دو صافی ہے بہ یاے معروف۔ برابر نہ ہو تھا یہ قافیہ دو طرح
سے درست ہوا ہے جسطرح چاہو رہنے دو۔ ع مرنے کا میرے وقت مقرر نہ ہوا
تھا۔ تقرر وقت مرگ کا انکار حشو بلکہ مہمل ہے۔ مگر ہاں تقرر کا وقت ازل
کو قرار دیا جاوے۔ مقطع میری بھی پسند نہیں ہے میرے سر کی قسم اسکو نہ رکھو
اور مقطع لکھ لو ۱۲۔ غالب شنبہ ۱۴۔ نومبر ۱۸۶۳ء (بنام منشی حبیب اللہ ذکا)

نمبر ۷۱

منشی صاحب سعادت و اقبال نشان سیف الحق میاں داد خاں

سیاح کو دعا۔ صاحب! ہم اور چیز ہے اور احتیاط اور چیز ہے۔ کارپردازان ڈاک میرے خطوط کے ٹکٹ کبھی نہ دبائینگے۔ اور میرے خطوط کبھی نہ تلف ہونگے۔ آدھ آنہ کی جگہ دوست کا ایک آنہ کیوں کھوؤں۔ گلشن بعض کے نزدیک مؤنث اور بعض کے نزدیک مذکر ہے۔ قلم، دہی، خلعت ان کا بھی یہی حال ہے کوئی مؤنث کوئی مذکر بولتا ہے۔ میرے نزدیک دہی اور خلعت مذکر ہے۔ اور قلم مشترک چاہو مذکر کہو چاہو مؤنث۔ گلشن البتہ مذکر مناسب معلوم ہوتا ہے۔ بھائی جہاں الف دبتا ہے میرے کلیجے میں ایک تیر لگتا ہے۔ "رکھتا ہے گلشن بھی" یہ الف دبتا ہوا دیکھ کر میں نے "رکھتی ہے" بنا دیا۔ مگر گلشن مذکر مناسب ہے۔ پھلکی یا پھلکا تنہا بے معنی محض ہے۔ ہلکی پھلکی، ہلکا پھلکا یوں آئے تو درست ورنہ لغو۔ اور یہ جو پھلکا پتلی چپاتی کو کہتے ہیں یہ دوسرا لغت ہے پتلے کبھی کوئی نہ بولیگا۔ پانی وانی حقہ وقہ یوں کہینگے۔ نرا وانی اور نرا وقہ نہ کہینگے۔ ہلکا پھلکا۔ ہلکی پھلکی کہینگے۔ حباب چیز کو نرا پھلکا یا نری پھلکی نہ کہینگے تذکیر و تانیث کے باب میں مرزا رجب علی بیگ سے مشورہ لیا کرو۔ اور دبتے ہوئے حروف بھی اُن سے پوچھ لیا کرو ۱۲۔ غالب۔

(بنام سیف الحق سیاح)

نمبر ۶۲

بھائی ہم نے تم کو یہ نہیں کہا کہ تم مرزا رجب علی بیگ کے شاگرد

ہو جاؤ۔ اور اپنا کلام اون کو دکھاؤ۔ ہم نے یہ کہا ہے کہ تذکیر و تانیث کو اُنسے
پوچھ لیا کرو۔ دکھن بنگالے کے رہنے والوں کو اس امر خاص میں دلّی لکھنؤ
کے رہنے والوں کا تتبع ضرور ہے۔ ایک قاعدہ تم کو معلوم رہے عین کا حرف
فارسی میں نہیں آتا۔ جس لغت میں عین ہو اُسکو سمجھنا کہ عربی ہے۔ بعد
معلوم ہونے اس قاعدہ کے یہ سمجھو کہ غربال غین نقطہ دار مکسور اور
رائے قرشت اور بائے موحدہ اور لام یہ لغت فارسی ہے۔ ہندی اسکی
چھلنی اور مرادف اسکی پرویزن یعنی فارسی میں چھلنی کو غربال اور پرویزن
کہتے ہیں۔ اور چھلنی ایسی چیز نہیں ہے کہ جس کو کوئی نجانے۔ رہا غریال یا
عریال عین سعفص اور یائے تحتانی سے فصیح و غیر فصیح کیا بلکہ غلط محض و محض
غلط ہے۔ ہاں اگر عربی میں چھلنی کو عریال کہتے ہوں تو فارسی غربال اور
عربی عریال۔ مگر میں ایسا گمان کرتا ہوں کہ غربال کا عربی میں کچھ اور اسم ہوگا
عریال نہ کہتے ہونگے۔ اب تم سُنو فن لغت میں ایک امر ہے کہ اسکو تصحیف
کہتے ہیں یعنی لفظ کی صورت ایک ہو اور لفظوں میں فرق جیسا کہ سعدی
بوستاں میں کہتا ہے ؎

مرا بوسہ گفتا بتصحیف دہ   کہ درویش را توشہ از بوسہ بہ

توشہ و بوسہ و نوشہ یہ تین لفظ مصحف ہمدگر ہیں۔ حال آنکہ معانی میں وہ فرق
کہ جیسا زمین و آسمان میں۔ توشہ ترجمہ زاد کا۔ بوسہ ترجمہ قُبلہ کا۔ نوشہ اسم
دولہا کا۔ صاحبان فرہنگ میں برہان قاطع والا تصحیف میں بہت مبتلا
ہے۔ گزر اور گزر خرپزہ اور خربزہ ؟ کہتا ہے کہ سدا بسین سعفص نقط

فارسی ہے بمعنی آواز اور صدا بہ صاد تعریب ہے، جو لغات تے میں لکھے ہیں
انھیں لغات کو طوئے میں لکھتا ہے۔ حال آنکہ جس طرح عین فارسی میں نہیں
ہے طوئے بھی نہیں ہے۔ مثلاً تشت لغت فارسی الاصل ہو املا کی طوئے
سے غلط ہے۔ برہان قاطع والا اس کو تے سے بھی لایا ہے اور طوئے سے
بھی محققین جانتے ہیں کہ صدا بمعنی آواز لغت عربی الاصل ہے نہ معرب
اور سدا سین سے ہرگز فارسی میں آواز کو نہیں کہتے۔ ہاں اردو کے
محاورہ میں بمعنی ہمیشہ کے مستعمل ہے۔ قصہ کوتاہ غربال بمعنی چھلنی کے لفظ
فارسی الاصل صحیح اور فصیح ہے۔ اور غریال اگر کسی اور فرہنگ عربی میں
مثل قاموس اور صراح وغیرہ کے بمعنی چھلنی کے نکلے تو اسکو مانو ورنہ
یہ برہان قاطع والے کی خرافات میں سے ہے۔ نجات کا طالب غالب ۱۲
۲۷ فروری۔ (بنام سیف الحق سیاح)

نمبر ۳

منشی صاحب تمہارے خط پہنچنے کی تم کو اطلاع دیتا ہوں اور
مطالب مستفسرہ کا جواب لکھتا ہوں اور اپنے دوست روحانی مرزا رجب علی
بیگ سرور کو سلام کہتا ہوں کہ دیجئے گا بلکہ یہ رقعہ دکھا دیجئے گا۔ بعض لوگ
"آن بان[1]" بولتے ہیں مگر فقیر کے نزدیک "آن تان" صحیح ہے۔ اور یہی

[1] لکھنؤ میں آن بان ہی بولتے ہیں۔ مگر عبارت مندرجہ خط سے معلوم ہوا کہ دہلی میں
(بقیہ صفحہ ۱۳۵ پر)

فصیح ہے۔ پر معنی لیکن لفظ مشہور ہے اور یہ اُسکا مخفف ہے۔ اس میں شاید کسی کو کلام نہو۔ کوئی اور لکھے یا نہ لکھے میرے اردو کے دیوان میں سو دو سو جگہ یہ لفظ آیا ہوگا۔ مجھ کو بنگالے سے آئے ۳۲۔۳۳ برس ہوئے بہت احباب مرگئے۔ بہت متفرق ہوگئے۔ اب ایسا وہاں کوئی نہیں جس سے ارسال رسائل کی رسم و راہ ہو۔ صاحب وہ شعر جس کو تم نے پوچھا ہے یہ ہے ؎

واعظ نہ تم پیو نہ کسی کو پلا سکو　　کیا بات ہے تمہاری شراب طہور کی

دو شعر اس غزل کے اور یاد آگئے ہیں وہ دوسرے صفحہ پر لکھتا ہوں ؎

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب　　آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہ طور کی
گو واں نہیں پہ واں کے نکالے ہوئے تو ہیں　　کعبہ سے ان بتوں کو بھی نسبت ہے دور کی

دیکھو یہ پر کا مخفف ہے بمعنی لیکن۔ بنارس کا کیا کہنا ہے ایسا شہر کہاں پیدا ہوتا ہے۔ انتہائے جوانی میں میرا وہاں جانا ہوا۔ اگر اُس موسم میں جوان ہوتا تو وہیں رہ جاتا اور ادھر کو نہ آتا ؎

عبادت خانۂ ناقوسیانست　　ہمانا کعبۂ ہندوستانست

جس بحر میں کوئی اسم یا کوئی لفظ نہ آسکے اُسکی تدبیر فردوسی اور خاقانی سے بھی نہوگی۔ میں کیا کرونگا نام تمہارا آسکتا ہے لیکن الف و تبا رہتا ہے۔ خدا کے واسطے اس کی تدبیر سرور صاحب سے بھی ضرور پوچھنا۔ نجات کا طالب غالب ۱۲۔ فروری ۱۸۶۱ء　　(بنام سیف الحق سیاح)

آن تان بھی بولا جاتا تھا۔ اور ممکن ہے کہ اب بھی بعض لوگوں کی زبان پر ہو۔ ۱۲

نمبر ۴۷

بھائی تمہاری جان کی اور اپنے ایمان کی قسم کہ میں فن تاریخ گوئی و معمے سے بیگانہ محض ہوں۔ اُردو زبان میں کوئی تاریخ میری نہ سنی ہوگی۔ فارسی دیوان میں دو چار تاریخیں ہیں اُنکا حال یہ ہے کہ مادہ اوروں کا ہے اور اشعار میرے ہیں۔ تم سمجھے کہ میں کیا کہتا ہوں۔ حساب سے میرا جی گھبراتا ہے۔ اور مجھ کو جوڑ لگانا نہیں آتا ہے۔ جب کوئی مادہ بناؤنگا حساب درست نہ پاؤنگا۔ دو ایک دوست ایسے تھے کہ اگر حاجت ہوتی تو مادۂ تاریخ وہ مجھے ڈھونڈھ لا دیتے موزون میں کرتا۔ اور اگر آپ میں نے مادہ کی فکر کی ہے اور یہی حساب جُمَل منظور رکھا ہے تو ایسے ایسے تعمیے و تخرجے آگئے ہیں کہ وہ تاریخ ہنسی کے قابل ہوگئی ہے کلکتہ میں قاضی القضاۃ سراج الدین علی خاں مرحوم کی قبر پر مسجد بنی ہے اُنکے بھتیجے مولوی ولایت حسین خان نے التماس تاریخ کی میں نے لکھی چنانچہ وہ فارسی دیوان میں موجود ہے ؎

مفتی عقل از پئے تاریخ ایں بنا | ایکا بسوئے من زرہِ احترام کرد
گفتم بوے بدیہہ خوشا خانۂ خدا | شد خشمگین دمے کہ نظر در کلام کرد
خاشاک رُفت و پائے ادب در شکنجہ ریخت | ابہام را بہ تخرجہ معنے تمام کرد

واسطے خدا کے غور کرو خوشا خانہ خدا مادہ پھر اُس میں سے خاشاک کے عدد دور کرو نو سو بائیس کا تخرجہ پھر بھی دو اور زیادہ رہے پائے ادب توڑا۔ بھلا یہ کوئی تاریخ ہے مگر ہاں حساب کے قاعدہ سے باہر کچھ معنی سنگالی کے طور پر

میرا ایجاد ہے! اور وہ لطف رکھتا ہے۔ ایک شخص ۱۲۴۸ میں مرا اُس کی تاریخ
میں نے لکھی ہے ؎

زسالِ واقعۂ میرزا میتا بیگ — مآت راست شمار ائمہ امجاد
صحیفہ ہائے سماوی مبین از عشرات — حدیقہ ہائے بہشتی شخص از آحاد

ائمہ بارہ یعنی بارہ سو پھر کتب سماوی چار دہائی کے چار یعنی چالیس بہشت
آٹھ چالیس اور آٹھ اڑتالیس بارہ سو اڑتالیس دوسری تاریخ بارہ سو ستر کی ؎

از بروج سپہر جوے مآت — عشرات از کواکبِ سیّار
برُوج بارہ سات دہائی کے ستّر۔

یہ جو لکھتے ہو کہ سید غلام بابا کسی بحر میں نہیں آتا کیوں نہیں آتا ؎

جب کہ سیّد غلام بابا نے — مسندِ عیش پر جگہ پائی
ایسی رونق ہوئی برات کی رات — کہ کواکب ہوئے تماشائی

دوسری بحر سُنو ؎

ہزار شکر کہ سیّد غلام بابا نے — فرازِ مسندِ عیش و طرب جگہ پائی
زمیں پہ ایسا تماشہ ہوا برات کی رات — کہ آسماں پہ کواکب بنے تماشائی

اس بحر میں سماتا ہو اکوئی مادہ بہم پہنچاؤ۔ تاریخ کہہ لو بھوو ست جو مادہ ڈھونڈ
دیتے تھے وہ جنت کو سدھارے۔ میں جیسا کہ اوپر لکھ آیا ہوں معذور اور
مجبور ہوں۔ غالبؔ سہ شنبہ ۱۱ محرم ۲۱ جولائی سال حال۔

(بنام سیف الحق سیاح)

نمبر ۵ؔ

پیر و مرشد سلامت۔ اعضا۔ فرسودہ اور بودے ہوگئے۔ روح اُن میں دوڑتی نہیں پھرتی۔ مگر ابھی مفارقت نہیں کرگئی۔ خدا جانے کس کمین میں ہے۔ اعضا نکمّے ہوگئے۔ اب وہ کام جو اُن سے متعلق تھے بند ہوگئے آپکا حکم ماننا اور آپ کی خدمت بجالانی دل سے تعلق رکھتی ہے۔ وہ لطیفہ غیبی یعنی روح کے کام ہیں جب تک وہ باقی ہے سرانجام پائے جائینگے "خاکم بدہن" واسطے اقوال کے ہے۔ جب کوئی کلمہ مکروہ طبع کہتے ہیں تو "خاکم بدہن" کہہ لیتے ہیں عمر خیام ؂

بر خاک بریختی مے ناب مرا   خاکم بدہن مگر تو مستی ربی"

اور خاکم بسر اور خاکم بفرق عام ہے جیسا کہ میں ایک شہزادہ کے مرثیہ میں کہتا ہوں ؂

اے اہل شہر مدفن ایں دودماں کجاست[1]   خاکم بہ فرق خوابگہ خسرواں کجاست

اُستاد ؂

خاکم بسر کہ عاشق کار آزمودہ ام   دانم کہ باز قیب بخلوت چہا رود

آپ کے ہاں اور مولوی روم کے ہاں "خاکم بدہن" کا متوقع نہیں جیسا کہ مولوی معنوی نے نہیں لکھا حضرت بھی اپنے ہاں نہ لکھیں ع فرق است درمیانہ کہ بسیار نازک است ✝ نجات کا طالب غالب ۱۲ (بنام شہزادہ بشیر الدین)

---

[1] یہ شعر نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ کا ہے۔

نمبر ۶

غالب خاکسار کہتا ہے کہ شعرائے ایران کلھم اجمعین مسلم الثبوت ہیں اور اُنکا کلام سند ہے سخنوران ہند میں امیر خسرو دہلوی بھی ایسے ہی ہیں جیسے اہل ایران۔ اہل ہند میں امیر خسرو دہلوی نے اہل ایران میں رودکی و فردوسی سے لیکر جامی تک اور جامی سے صائب وکلیم تک کسی نے لغت کی کوئی کتاب لکھی ہو کوئی فرہنگ جمع کی ہو تو ہمیں دکھاؤ۔ اس کو اگر میں نہ مانوں اور سند نہ جانوں تو میں گنہگار جتنی فرہنگیں اب موجود ہیں نام ان کے کہاں تک لوں مشہور و غیر مشہور کچھ کم سو رسالے ہونگے۔ ان سب رسالوں کے جامع ہندی ہیں۔ کوئی اہل زبان نہیں ہے۔ اشعار اساتذہ ایران کو ماخذ ٹھہراکر جو لغات انکی نظم میں دیکھے بمناسبت مقام اُن لغات کے معنے لکھدیے استنباط معنے کا مدار قیاس پر۔ یہ میں نہیں کہتا کہ قیاس اُنکا سراسر غلط میرا قول یہ ہے کہ کمتر صحیح اور بیشتر غلط ہے۔ ان سب فرہنگ لکھنے والوں میں یہ دکن کا آدمی یعنی جامع برہان قاطع احمق اور غلط فہم اور معوج الذہن ہے مگر قسمت کا اچھا ہے۔ مسلمان اُس کے قول کو آیت اور حدیث جانتے ہیں اور ہندو اُسکے بیان کو مطالب مندرجہ بید کی برابر مانتے ہیں۔

گیا اور گیاہ بہ کاف فارسی مکسور سبز گھانس کو کہتے ہیں۔ گیا بہ کاف فارسی مفتوح کوئی لغت فارسی نہیں ہی ہرگز نہیں ہے۔

مولوی روم اور حکیم سنائی کے ہات کے لکھے ہوئے شعر کسنے دیکھے
ہیں کہ اُنھوں نے اپنے ہاتھ سے کاف پر دو مرکز اور فتحہ بنا دیا ہو۔ فرہنگ
نویسوں کی رائے کی تباہی اور قیاس کی غلطی ہے جو ایسا سمجھے ہیں۔
نہ گیا بمعنی دہ ہے نہ گیا بمعنی مقدم دہ ہے نہ گیا بمعنی پہلوان ہے۔ نہ کار گیا
کوئی لفظ ہے نہ کوئی لغت ہے۔ کے بہ کاف عربی مفتوح بروزن سے
ایک لغت فارسی ہے ذو معنیین یعنے دو معنے دیتا ہے ایک تو
کب یعنے کس وقت اور دوسرے معنے اسکے ہیں حاکم اور مالک
کے الف جو اُسکے آگے آتا ہے وہ کثرت کے معنے دیتا ہے جیسے خوشا
بہت خوش بدا بہت بد۔ کیا بڑا حاکم ؎

عشق آں بگزیں کہ جملہ انبیا — یافتند از عشق او کارِ کیا

یعنی بہ سبب عشق کار بزرگ یافتند ؎

سر فرو بردیم تا بر سروراں سر شدیم — چاکری کردیم تا کار کیائی یافتیم

یہاں بھی وہ کار بزرگ یعنی بڑا کام۔ پس یائے تحتانی اگر مجہول ہے تو
تعظیمی ہے اگر معروف ہے تو مصدری ہے یعنی بزرگی کا کام حکومت کا کام
دہ کیا مضاف و مضاف الیہ مقلوب ہے یعنے کیای دہ اور حاکم دہ
کار کیا مثلاً یعنی کیاے کار د مالک کار۔ جہاں ماقبل اس کے راے مکسور
لائینگے وہاں کار موصوف اور کیا صفت ہے۔ نہایت تحقیق و اصل حقیقت
یہ ہے۔ فقیر نے جہاں کیا کے لفظ پر خط مستطیل کھینچا ہے وہ علامت فتحہ ہے
دوسرا مرکز نہیں جس کاف فارسی سمجھا جائے۔ داد کا طالب غالب (بنام منشی کیول رام ہشیار)

نمبر ۲۲

فقیر اسد اللہ جناب مخدومی مولوی کرامت علی صاحب کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ آپکی تحریر کے دیکھنے سے یاد آیا کہ آپ میرے ہاں آئے ہیں اور میں نے آپ کی ملاقات سے حظ اٹھایا ہے۔ حل معنی اشعار کی یہ صورت ہے کہ ہندی کے شعر میرے نہیں شعرائے لکھنؤ میں سے کسی کے ہیں بلکہ اغلب ہے کہ ناسخ کے ہوں۔ اشعار فارسی البتہ میرے ہیں ؎

خواست کز مار نجد و تقریب رنجیدن نداشت
جرم غیر از دوست پرسیدیم و پرسیدن نداشت

داشتن بمعنی رکھنے کے ہے۔ لیکن اہل زبان بمعنی بایستن بھی استعمال کرتے ہیں۔ ظہوری کہتے ہیں ؎

گر اسیر زلف و کاکل گفتہ باشم خویش را
گفتہ باشم این قدر بر خویشتن پیچیدن نداشت

میرے شعر میں پہلے مصرعہ کا داشت بمعنے رکھنے کے اور دوسرے مصرعہ کا داشت بمعنی بایست ہے۔ مفہوم شعر یہ کہ دوست ایسا حیلہ ڈھونڈھتا تھا کہ اُسکے ذریعے سے مجھپر خفا ہو۔ چاہتا تھا کہ آزردہ ہو مگر سبب نہیں پاتا تھا۔ قضارا کچھ دنوں کے بعد رقیب سے معشوق کو ملال ہوا۔ میری جو

شامت آئی میں نے دوست سے پوچھا کہ رقیب نے کیا گناہ کیا جو راندۂ درگاہ
ہوا۔ معشوق اسی گستاخی کو بہانہ عتاب ٹھہرا کر آزردہ ہو گیا۔ اب شاعر افسوس
کرتا ہے اور کہتا ہے ہائے پرسیدن نداشت یعنی پوچھنا نہ چاہیئے تھا ؎

دیر خواندی سوئے خویشم و زود فہمیدم دریغ
پیش ازیں پایم ز گردِ راہ پیچیدن نداشت

عاشق ایک عمر تک منتظر رہا کہ یار مجھ کو بلاوے۔ مگر اُس عیار نے
نہ بلایا رفتہ رفتہ میں غم سے ایسا زار و ناتواں ہو گیا کہ طاقت رفتار نہ رہی
اور گرد راہ سے میرے پاؤں اُلجھنے لگے۔ تب اُس نے یہ جانا کہ اب نہ آسکے گا
تب بُلایا۔ عاشق کہتا ہے کہ تو نے میرے بلانے میں دیر کی اور میں اسکی
وجہ جلد سمجھ گیا کہ تو نے میرے بُلانے میں اسواسطے دیر کی کہ اس سے پہلے
میں ایسا ضعیف نہ تھا کہ تو بلائے اور میں نہ آؤں۔ دریغ کو یہ نہ سمجھا جائے
کہ زود فہمیدن پر ہے یا پیچیدن سے بیزار نہ ہونے پر ہے۔ دریغ ہے دوست
کی بیوفائی اور بے سبب آزار دینے اور اپنی عمر کے تلف ہونے پر ؎

من بوفا مردم و رقیب بدر زد
نیمہ نیش انگبیں و نیمہ تبرزد

انگبیں شہد کو کہتے ہیں اور تبرزد مصری کو کہتے ہیں ان معنوں میں کہ یہ مانند
قند اور بتاشوں کے جلد ٹوٹنے والی نہیں۔ جب تک اُس کو تبر سے نہ
توڑو مدعا حاصل نہیں ہوتا۔ بدر زدن۔ اگرچہ لغوی معنے اسکے ہیں باہر زنا
یعنی بدر باہر۔ اور زدن مارنا۔ لیکن روزمرہ میں اسکا ترجمہ ہے نکلجانا۔ اب
جب یہ معلوم ہو گیا تو یوں سمجھئے کہ معشوق کے ہونٹوں کو میٹھا کہتے ہیں۔ اور

قند اور مصری اور شہد سے نسبت دیتے ہیں اور البتہ مکھی مٹھاس کی عاشق ہے پس جو مکھی کہ مصری پر بیٹھی وہ جب چاہے بے تکلف اڑ جائے اور جو مکھی کہ شہد پر بیٹھے گی جب وہ اڑنے کا قصد کرے گی پر و بال اسکے شہد میں لپٹ جائینگے اور وہ مر کر رہ جائیگی پس اب یہ کہتا ہے کہ میرے معشوق کے ہونٹ شیرینی میں میرے واسطے شہد ہو گئے اور رقیب کے واسطے مصری یعنے وہ چاٹ کر لطف اٹھا کر صحیح و سالم چلا گیا اور میں پھنس کر وہیں مر کر رہ گیا ۵

نمکش ہیں و اعتماد و نفوذش گر بمے افگند ہم زخم جگر زد

در نمکش
زدن لازمی بھی ہے۔ اور متعدی بھی لازمی کے معنی ہندی میں لگ جانا اور متعدی کے معنے مارنا یہاں زد لازمی ہی اب یہ سمجھنا چاہیئے کہ نمک شراب کی بگاڑتا ہی یعنے اگر شراب میں نون ڈال کر ایک آدھ دن دھوپ میں رکھیں تو اس میں نشہ جاتا رہتا ہے اور وہ سرکہ ہو جاتا ہے۔ اور زخم پر اگر نمک ڈالیں تو وہ کاٹ کرتا ہے اور زخم کو بڑھاتا ہے مقصود شاعر کا یہ کہ تو میرے معشوق کے نمک کو دیکھ اور دیکھ کر اوس نمک کے نفوذ پر کتنا بھروسہ ہے۔ اگر وہ اوس نمک کو شراب میں ڈال دیتا ہے تو وہ شراب میں نہیں ملتا اور زخم جگر پر جا لگتا ہے۔ یعنی اگر بے محل بھی کرشمہ کرتا ہے تو بھی وہ اپنا کام کرتا رہتا ہے ۵

کیست دریں خانہ کز خطوط شعاعی ہر نفس ریزہ ہا بہ روزن در زد

یہ خیال ہے یعنی ایک گھر میں اسکا محبوب بیٹھا ہوا ہے۔ اور اسنے جان

لیا ہی کہ کون ہے۔ مگر بطریق تجاہل بھولا بن کر پوچھتا ہے کہ آیا اس گھر میں ایسا کون ہے کہ مہر یعنے آفتاب نے اپنی سانس کے ٹکڑے فرط شوق سے دروازہ کے روزن پر پھینک دیے ہیں فیستاب کے خطوط شعاعی کا روزنوں میں پڑنا۔ اور اُن خطوط شعاعی کا یعنی سورج کی کرن کا بصورت سانس کے ٹکڑوں کے ہونا ظاہر ہے ٥

دعوی اور ابود دلیل بدیہی ‌ ‌ ‌ ‌ خندۂ دنداں نما بحسن گہر زد

خندۂ دنداں نما اُس ہنسی کو کہتے ہیں جو تبسم سے بڑھ کر ہو۔ اور اُس میں دانت ہنسنے والے کے دکھائی دیں۔ معشوق موتیوں کے حسن پر ہنسا اور ہنستا کوئی اُسی چیز پر ہے جس کو اپنے نزدیک ذلیل سمجھ لیتا ہے حاصل معنی یہ کہ میرا معشوق موتیوں کے حسن پر ہنسا گویا اُسنے یہ دعوی کیا کہ موتی کچھ اچھی چیز نہیں اب دعوی کے واسطے دلیل ضرور ہے۔ سو شاعر یہ کہتا ہے کہ میرے معشوق کے دعوی پر دلیل بدیہی ہے یعنے ہنسنے میں اُسکے دانت نظر آئے معلوم ہوا کہ وہ حسن جو لوگ موتی میں گمان کرتے تھے وہ لغو ہے حسن یہ ہے کہ جو معشوق کے دانتوں میں ہے۔ پس اسی دلیل کو سب نے دیکھ لیا اور چونکہ بدیہی تھی مان لیا ٥

غیرت پروانہ ہم بروز مبارک ‌ ‌ ‌ ‌ نالۂ آتش بہال مرغ سحر زد

پروانہ کی غیرت دن کو بھی مبارک سمجھنی چاہیئے۔ پروانہ کی غیرت وہ غیرت نہیں کہ جو پروانہ میں ہو یا پروانہ کو ہو۔ بلکہ وہ غیرت کہ جو اور کو آتی ہو پروانہ پر۔ یعنی رشک۔ حاصل معنی یہ کہ میں تو دن رات عشق مین جلتا ہوں رات

کو جو پروانہ جلتا ہوا دیکھتا تھا تو مجھ کو اُس پر رشک آتا تھا۔ دن کو کوئی ایسا نہ
تھا کہ مجھ کو اُسپر رشک آوے۔ لو اب وہی غیرت اور وہی رشک جو پروانہ
پر شب کو تھا اب دن کو بھی مبارک ہو۔ یعنے میرے صبح کے نالوں
سے مرغ سحر کے پروں میں آگ لگ گئی اور میں اپنی مستی اور بیخودی میں
یہ نہیں جانتا کہ یہ میرے نالے کے سبب سے ہے مجھ کو وہ رنج اور غصہ تازہ
ہو گیا جو رات کو پروانہ کو دیکھکر کھاتا تھا۔ اب مرغ سحر کو جلتے ہوئے دیکھکر
جلتا ہوں کہ ہاے یہ کون ہے کہ جو میری طرح جلتا ہے ؎

لشکر ہوشم بر درے نہ شکستی　　　　غمزۂ ساقی نخست راہ نظر زد

نظر فکر کو بھی کہتے ہیں اور نگاہ کو بھی۔ یہاں نگاہ کے معنی ہیں۔ شاعر کہتا ہے
کہ میں ایسا نہ تھا کہ شراب کی تاب نہ لاتا اور شراب پی کر بیہوش ہو جاتا مگر
کیا کروں کہ پہلے غمزۂ ساقی نے نگاہ کو خیرہ اور مغلوب کر دیا پھر
اُسپر شراب پی گئی بیخودی کا استعداد تو ہم پہنچ ہی گیا تھا ناچار ہوش
جاتے رہے ؎

زاں بت نازک چہ جاے دعوی خون ست　　　　دست دے ودامنے کہ او بکمر زد

اس شعر کا لطف وجدانی ہے بیانی نہیں ہے معنی اسکے یہ ہیں کہ اُس
معشوق سے کہ وہ بہت نازک ہے۔ خون کا دعوی کیا کریں کہ اُس کو وقت
عزم قتل دامن گردانتے وقت وہ صدمہ پہونچا کہ اُسکا ہات سے اور وہ
دامن کہ جو اُس نے گردان کر کمر پر باندھا تھا اس سے ایسا لچکا کمر کو پہونچا
ہے کہ وہ آپ اپنے دامن پر داد خواہ ہو رہا ہے۔ پس اُس سے کوئی

خون کا کیا دعویٰ کرے گا قطعہ

برگ طرب ساختیم و بادہ گرفتیم | ہر چہ ز طبع زمانہ بیہدہ سر زد
شاخ چہ بالد گر ارمغاں گل آورد | تاک چہ نازد اگر صلائے ثمر زد

شاعر کہتا ہے کہ یہ روئیدگیاں بمقتضائے طینت خاک ہر طرف ظاہر ہوا کرتی ہیں مثلاً گنا۔ اب کچھ خاک کو اور ہوا کو یہی منظور نہیں کہ اُس کا رس نکلے اور اُس کا قند بنے۔ یہ آدمی کی دانشمندی ہے کہ اُس نے اُس گھاس میں سے یہ بات پیدا کی۔ بس اسی طرح انگور ہیں اور گلاب کے پھول ہیں شاخ گل کیا جانے کہ پھول میں کیا خوبی ہے اور تاک کیا جانے کہ میرے پھل مین کیا ہنر ہے۔ ہم نے اپنی زور عقل سے انگور کی شراب بنائی اور پھولوں کو ہر ہنر سے اپنے کام میں لائے ہ

کام نہ بخشیدہ گنہ چہ شماری | غالب مسکین بہ التفات نیرزد

یہ گستاخانہ اپنے پروردگار سے کہتا ہے کہ جب اس عالم میں تو نے میری داد نہ دی اور میری خواہشیں پوری نہ کیں تو بس اب معلوم ہوا کہ میں لائق التفات کے نہ تھا۔ پس جب میں لائق توجہ کے نہیں تو اب عالم عقبےٰ میں میرے گناہوں کا مواخذہ کیا ضرور ہے جب ہمارے مطالب آپ نے ہم کو نہ دیے تو ہمارے معاصی کا بھی شمار نہ کیجئے۔ جانے دیجئے۔ ہم میں التفات کی ارزش نہیں ہے۔ ۱۲۔ غالب (بنام مولوی کرامت علی)

نمبر ۸

برخوردار۔ غزل تمہاری ہم کو پسند آئی اصلاح دیکر بھیجدی گئی۔ اسکا تم خیال رکھا کرو کہ کس لفظ کو کس معنی کے ساتھ پیوند ہے ع چرانہ یاس بجان اُمیدوار اُفتد۔ یہاں اُفتد مہمل ہو۔ یاس بدل اُفتادن و یاس بجان اُفتادن روزمرہ نہیں۔ اور بھی کئی اُفتد ایسے ہی ہیں ؎

سیاہ بختم اگر برسرم گزار اُفتد ۔۔۔ بسان سایہ ہما نیز سوگوار اُفتد

سوگوار ہونا سایہ کا باعتبار سیاہی رنگ ہے اب یہاں دونو اُفتد ٹھیک ہیں گزار افتادن روزمرہ اور دوسرا اُفتد بمعنی واقع شود ؎

شنیدہ ام بجفائے تو مبتلا ست عدو ۔۔۔ چرانہ شور بجان اُمیدوار اُفتد

شور اُفتادن روزمرہ ہے اور یاس اُفتادن غلط ؎

بہ جیرتم کہ زدوزخ کسان دوزخ را ۔۔۔ کجا برند چو آہم شرارہ بار اُفتد

یہاں اُفتد بمعنے واقع شود ٹھیک ؎

نہ گبرم و نہ مسلمان بحیرتم کہ مرا ۔۔۔ سوائے دوزخ و مینو کجا گزار اُفتد

یہ شعر تمہارا بہت خوب ہے آفرین ؎

قرار در وطن افسردہ می کند دل را ۔۔۔ خوشا غریب کہ دور از دیار یار اُفتد

یہاں بھی اُفتد صحیح و با معنی ؎

نیم رقیب کہ رسوائیم خجل نکند ۔۔۔ خوش است چشم اگر بار پردہ دار اُفتد

یہاں بھی اُفتد بمعنے واقع شود ؎

ترا کہ شیوہ دگر گوں کنی بزعم بتاں — خوش ست گر ز جفا بر وفا قرار افتد

اُفتد یہاں بھی ٹھیک ہے۔ بات اتنی ہی تھی کہ بود گدلا لفظ تھا کئی صاف ہے ۔

خط رخ تو بدل داده خط آزادی — خوشم که در شکن زلف تابدار افتد

وہ صورت اچھی نہ تھی یہ طرز خوب ہو گئی معنی کا عیار کامل ہو گیا ۔

چلد ز خامۂ جوہر سخن چنانکہ مگر — بزور موج دُر از بحر بر کنار اُفتد

دولت و اقبال روز افزوں روزی باد۔ از اسد اللہ نگاشتہ شنبہ نہم اپریل سنہ ۱۸۵۳ عیسوی۔

(بنام منشی جواہر سنگھ جوہر)

نمبر ۶۹

فرزند دلبند سعادتمند منشی ہیرا سنگھ کے حق میں میری دعائیں قبول ہوں اور اُن کے جتنے مطالب و مآرب ہیں وہ عنایت الٰہی سے پورے ہوں۔ بھائی لب ساحل کی سند پر یہ شعر ہے طالب آملی کا ۔

شتے آں گدائے خونیں دل — بود تبخالہ لب ساحل

لب بام، لب فرش، لب گور، لب چاہ، لب دریا، لب ساحل، بمعنے کنارہ کے ہے مستعمل اہل ایران لب بام اُس مقام کو کہتے ہیں کہ جہاں ایک قدم آگے بڑھائیے تو دھم سے انگنائی میں آئیے۔ پس لب دریا اُسے سمجھے جہاں سے قدم بڑھائیے تو پانی میں جائیے۔ لب ساحل وہ ہوا جہاں سے آگے

بڑھے تو دریا میں گرے۔ لب دریا سے پاؤں پانی پر رکھا جاتا ہے۔ جیسا نہانے کیواسطے۔ اور لب ساحل سے دریا میں کودتے ہیں جس طرح سلطان جی کی باؤلی میں لب بام سے تیراک کودتے ہیں۔ اسی طرح تیراک جہاں دریا کا پانی نشیب میں ہوتا ہے وہاں کرارے کے کنارے پر سے کودتے ہیں۔ کرارا ساحل اور کرارے کا کنارہ لب ساحل جو صاحب لب ساحل کو صحیح نہیں جانتے کیا وہ طالب آملی کو بھی نہیں مانیں گے اور اس لفظ پر اعتراض کرنیکا سبب یہ ہے کہ ان بیچاروں نے سوائے گلستاں بوستاں کے کوئی فارسی کی کتاب نہیں دیکھی۔ اگر مدت تک قدما کی تصنیفات نظر میں رکھینگے تو یقین ہے کہ دیکھ لینگے۔ نجات کا طالب غالب۔

(بنام منشی ہیرا سنگھ)

نمبر ۸۰

آیئے جناب میر مہدی صاحب دہلوی، بہت دنوں میں آئے کہاں تھے بارے آپکا مزاج خوش ہے۔ میر سرفراز حسین صاحب اچھی طرح ہیں میرن صاحب خوش ہیں ؎

ہستی ہماری اپنی فنا پر دلیل ہے ... یانتک مٹے کہ آپ ہم اپنی قسم ہوئے

پہلے یہ سمجھو کہ قسم کیا چیز ہے۔ قد اسکا کتنا لنبا ہے۔ ہاتھ پاؤں کیسے ہیں رنگ کیسا ہے۔ جب یہ نہ بتا سکو گے تو جانو گے کہ قسم جسمانیات میں سے

نہیں ایک اعتبار محض ہے وجود اسکا صرف تعقل میں ہے سیمرغ کا سا اِسکا وجود ہے یعنے کہنے کو ہے دیکھنے کو نہیں۔ پس شاعر کہتا ہے کہ جب ہم آپ اپنی قسم ہو گئے تو گویا اس صورت میں ہمارا ہونا ہمارے نہ ہونیکی دلیل ہے ۱۲ س ہ

میخواہم از خدا و نمی خواہم از خدا دیدن حبیب را و ندیدن رقیب را

لف و نشر مرتب ہے "میخواہم از خدا دیدن حبیب را" "نمی خواہم از خدا نہ دیدن رقیب را"۔ خوار و زار و خستہ و سوگوار معنی تو اس میں موجود ہیں مگر بول چال ٹکسال سے باہر ہے ایک جملہ کا جملہ مقدر چھوڑ دیا ہے اور پھر اس بھونڈی طرح سے کہ جس کو المعنے فی بطن الشاعر کہتے ہیں۔ یہ شعر اساتذہ مسلم الثبوت میں سے کسی کا نہیں ہے۔ کوئی صاحب ہونگے کہ اُنھوں نے لوگوں کے حیران کرنے کے واسطے یہ شعر کہدیا اور کسی اُستاد کا نام لے دیا کہ یہ اُن کا ہے۔

تذکیر و تانیث کا کوئی قاعدہ منضبط نہیں کہ جسپر حکم کیا جائے۔ جو جس کے کانوں کو لگے جس کو جس کا دل قبول کرے اس طرح کہے رتھ میرے نزدیک مذکر ہے یعنی رتھ آیا لیکن جمع میں کیا کرونگا ناچار مؤنث بولنا پڑے گا یعنی رتھیں آئیں خبر مؤنث ہے بہ اتفاق۔ مگر "کاغذ اخبار" اس کو خود سمجھو لو کہ تمہارا دل کیا قبول کرتا ہے میں تو مذکر کہونگا یعنی اخبار آیا۔ "پیر" ہوئی یا ہوا یہ منطق عوام کا ہے۔ ہمیں اس سے کچھ کام نہیں ہم کہینگے کہ دوشنبہ ہوا پیر کا دن ہوا نری پیر ہوئی یا پیر ہوا ہم کیوں بولیں گے۔

بلبل میرے نزدیک مؤنث ہے جمع اسکی بلبلیں طوطی بولتا ہے۔ بلبل
بولتی ہے بھائی اس امر میں مفتی و مجتہد بن نہیں سکتا۔ اپنا عندیہ لکھتا ہوں
جو چاہے مانے جو چاہے نہ مانے ۱۲۔ نجات کا طالب غالب۔ سہ شنبہ
۸ر دسمبر ۱۸۶۳ء۔ (بنام میر مہدی مجروح)

نمبر ۸۱

بھائی کیا پوچھتے ہو کیا لکھوں۔ قاطع برہان کے مسودے سب
میں نے پھاڑ ڈالے اسواسطے کہ ہر نظر میں اس کی صورت بدلتی گئی۔
وہ تحریر بالکل مغشوش ہو گئی۔ ہاں اسکی نقلیں صاف کہ جن میں کسی طرح کی غلطی
نہیں نواب صاحب نے کرلی ہیں۔ ایک میرے واسطے ایک ضیاء الدین
خان کے واسطے۔ میری ملک کی جو کتاب ہے اسکی جلد بندھ جائے تو بطریق
مستعار بھیجدونگا تم اسکی نقل لیکر میری کتاب مجھکو پھیر دینا۔ اور یہ امر بعد
محرم واقع ہوگا۔ مگر یہ یاد رہے کہ جو صاحب اسکو دیکھیں گے وہ ہرگز نہ
سمجھینگے۔ صرف برہان قاطع کے نام پر جان دینگے کئی باتیں جس شخص میں جمع
ہونگی وہ اسکو مانیگا۔ پہلے تو عالم ہو۔ دوسرے فن لغت کو جانتا ہو۔ تیسرے
فارسی کا علم خوب ہو اور اس زبان سے اسکو لگاؤ ہو۔ اساتذہ سلف کا
کلام بہت کچھ دیکھا ہو۔ اور کچھ یاد بھی ہو۔ چوتھے منصف ہو ہٹ دھرم
نہ ہو پانچویں طبیع سلیم و ذہن مستقیم رکھتا ہو۔ معوج الذہن او کج فہم نہ ہو۔

نہ یہ پانچ باتیں کسی میں جمع ہونگی اور نہ کوئی میری محنت کی داد دیگا۔
فہمائش کا لفظ میاں بدھا ولد میاں جما اور لالہ گنیشی داس ولد لالہ بھیروں ناتھ کا گھڑا ہوا ہے میری زبان سے تم نے کبھی سُنا ہے؟ اب تفصیل سُنو! امر کے صیغہ کے آگے شین آتا ہے تو وہ امر معنی مصدری دیتا ہے اور اس کو حاصل بالمصدر کہتے ہیں۔ سوختن مصدر، سوزد مضارع، سوز امر، سوزش حاصل بالمصدر۔ اسی طرح ہیں خواہش۔ کاہش گزارش، گدازش، آرایش، پیرائش، فمائش۔ فہمیدن فارسی الاصل نہیں ہے مصدر جعلی ہے۔ فہم لفظ عربی الاصل ہے۔ طلب لفظ عربی الاصل ہے۔ ان کو موافق قاعدہ تفریس فہمیدن اور طلبیدن کر لیا ہے اور اس قاعدے میں یہ کلیہ ہے کہ لغت اصل عربی آخر کو امر بن جاتا ہے۔ فہم یعنے بفہم۔ سمجھ۔ طلب یعنی بطلب مانگ۔ فہمد مضارع بنا۔ طلبد مضارع بنا خیر یہ فرض کیجیے کہ جب ہم نے مصدر اور مضارع اور امر بنایا تو اب حاصل مصدر کیوں نہ بنائیں۔ سُنو حاصل بالمصدر فہمش اور طلبش ہونا چاہیے۔ فہم تھا صیغۂ امر فہمد سے نکلا تھا۔ الف اور یے کہاں سے آیا۔ فہمائی تو نہیں ہے جو فہمائش درست ہو۔ کہیں فرمائش کو اس کا نظیر گمان نہ کرنا وہ مصدر اصلی فارسی فرمودن ہے۔ فرماید مضارع۔ فرمائے امر حاصل مصدر فرمائش۔ پہلے حکیم میر اشرف علی کو دعا اور بیٹا پیدا ہونیکی مبارکباد، میاں میں نے رات کو اپنے عالم سرخوشی میں تاریخی نام کا خیال کیا۔ میر کاظم دین کے بارہ سو چھپتر ہوتے ہیں لیکن یہ اسم بھی مانند لفظ فہمائش

ٹکسال سے باہر ہے۔ غالب (بنام میر مہدی مجروح)

نمبر ۱۸

بندہ پرور آپ کے عنایت نامے آنے سے تین طرح کی خوشی مجھ کو حاصل ہوئی۔ ایک تو یہ کہ آپ نے مجھکو یاد کیا۔ دوسرے آپ کی طرز عبارت مجھ کو پسند آئی۔ تیسرے یہ کہ آپ حضرت آزاد[۱] مغفور کی یادگار ہیں اور میں ان کے حسن کلام کا معتقد ہوں۔ خواہش آپ کی کیا ممکن ہے کہ مقبول نہ ہو جب مزاج میں آئے آپ نظم و نثر بھیجدیں میں دیکھکر بھیجدیا کرونگا۔ اور آرائش گفتار یعنی حک و اصلاح میں دریغ نہوگی۔

بارہ برس کی عمر سے نظم و نثر میں کاغذ مانند اپنے نامۂ اعمال کے سیاہ کر رہا ہوں۔ باسٹھ برس کی عمر ہوئی۔ پچاس برس اس شیوہ کی ورزش میں گزرے اب جسم و جاں میں تاب و تواں نہیں۔

نثر فارسی لکھنی یک قلم موقوف۔ اردو سو اس میں عبارت آرائی متروک۔ جو زبان پر آوے وہ قلم سے نکلے پاؤں رکاب میں ہے اور ہاتھ باگ پر کیا لکھوں اور کیا کروں یہ شعر اپنا پڑھتا ہوں ؎

عمر بھر دیکھا کئے مرنے کی راہ — مر گئے پر دیکھئے دکھلائیں کیا

آپ ملاحظہ فرمائیں ہم اور آپ کس زمانے میں پیدا ہوئے ہیں اوسکی فیض رسانی

---

[۱] یعنی میر غلام علی آزاد بلگرامی۔

اور قدر دانی کو کیا روئیں اپنی تکمیل ہی کی فرصت نہیں۔ تباہی ریاست اودھ نے باآں کہ بیگانہ محض ہوں مجھ کو اور بھی افسردہ دل کر دیا۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ سخت ناانصاف ہونگے وہ اہل ہند جو افسردہ دل نہوے ہونگے۔ اللہ ہی اللہ ہے۔ کل آپ کا خط آیا آج میں نے جواب لکھا تا کہ انتظار جواب میں آپ کو ملال نہو۔ والسلام مع الاکرام از اسداللہ نگاشتہ بست و سوم فروری ۱۸۵۶ء۔ (بنام قدر بلگرامی)

نمبر ۸۲

حضرت میں نے چاہا کہ حکم بجالاؤں اور عبارت کو اصلاح دوں مگر میں کیا کروں آپ غور کریں کہ اصلاح کی جگہ کہاں ہے اگر مثل آپ خود نظر ثانی میں کوئی لفظ بدلا چاہیں تو ہرگز جگہ نہ پائیں جس کاغذ پر اصلاح منظور ہوتی ہے تو بین السطور زیادہ چھوڑتے ہیں جب اس عبارت کو اور کاغذ پر نقل کروں تب حک و اصلاح کا طور بنے۔ میرا کام اصلاح عبارت ہے نہ کتابت۔ زردشت آتشکدہ الخ زردشت کو آتش کدہ سے وہ نسبت نہیں جو ساقی کو میخانے سے ہے زردشت باعتقاد مجوس پیمبر تھا آتش کدہ کے پجاری کو موبد اور ہیربد کہتے ہیں۔ "آب حرام اشتیاق" آب حرام شراب کو محل مناسب پر کہیں تو کہیں ورنہ بادہ و رحیق و مے و راوق کی طرح اسم نہیں۔ ناچار شراب شوق یا بادۂ شوق لکھنا چاہیے اشتیاق سے شوق بہتر ہے۔

"تاہم دوسہ جامگی علی التواتر زدہ بودم" مازدہ بودم تمہارا دل اس ترکیب کو قبول کرتا ہے؟ من زدہ بودم یا مازدہ بودیم؟ اس سے علاوہ دوسہ جامگی بکاف فارسی یعنی چہ؟ جام معلوم کاف تصغیر کا جامک ہے جامگ کیا؟ مگر یہ پیروی قتیل کی ہے۔ کہ وہ ایرانیوں کی تقریر کے موافق تحریر بناتا ہے ظہوری جلال ظہیر طاہر وحید کسی کے ہاں جام کو جامک نہیں لکھا دوسہ جامگی کی جگہ دوسہ ساغر یا دوسہ قدح لکھو۔" باچناری گلستاں بر باغبان است وتیماری او بر قدر دانان" میں اس فقرے کو نہیں سمجھا یعنی بر باغبان کیا ہے۔ تیماری کیا ہے۔ تیمار بمعنی بیمار داری و غمخواری ہے جب یہ لفظ خود افادہ معنی مصدری کرتا ہے تو یاے مصدری کیسی۔؟

تیرہ شبی ہا بسر آمد۔ تیرہ شبے ہا بسر آمد خیر۔ تیرہ شبے بسر آمد یعنی چہ۔

لیلائے دیدم کہ با ہزار طرۂ طرار۔ طرہ زلف کو کہتے ہیں وہ دو ہوتے ہیں نہ کہ ہزار در ہزار۔

جامگی مکرر دیکھا گیا۔ معلوم ہوا حضرت نے جو کہیں جامگی خوار دیکھا ہے تو اس کو جام خوار بمعنے شراب خوار سمجھا ہے یہ غلط ہے۔ جامگی خوار اس نوکر کو کہتے ہیں کہ جس کی تنخواہ کچھ نہ ہو روٹی کپڑے پر اس سے کام لیتے ہوں۔

"در توبہ باز است و باب رحمت فراز" بمعنی اس کے یہ کہ توبہ کا در کھلا ہے اور دروازہ رحمت کا بند ہے۔ فراز اضداد میں سے نہیں[1] ہے۔ باز کھلا۔ فراز بند۔ قدر زعفران زار را بوئے گل کرد۔ اس کا لطف کچھ میرے سمجھ میں

---

[1] کتب لغات میں اس لفظ کو لغات اضداد سے لکھا ہے ۱۲

نہیں آیا۔ قدر زعفراں زار کیا۔ اور پھر اُس کو کس نے بوسے گل کر دیا۔

سہ کرر۔ کدام زبان است عربی یا فارسی۔

حسب لیاقت خود کافی است خودم چہ محل دارد۔ مگر ہماں شیوہ قتیل بندہ مجبورم۔ ہاں سک قتیل۔

صاحب من تحریر میں اساتذہ کی تحریر کا تتبع کرو نہ یہ کہ مغل کے لہجہ کا۔ تتبع بھانڈوں کا کام ہے نہ دبیروں کا اور شاعروں کا۔

جناب نوروز علی صاحب کی خدمت میں میرا سلام نیاز عرض کیجیے گا۔ اور یہ کہیے گا کہ بیرنگ خط کا ایک آنہ دینا پڑیگا۔ ہر مہینہ میں آٹھ خط تک بلکہ سولہ خط تک میں نہ گھبراؤنگا۔ بھیجیے۔ رہا جواب کا لکھنا۔ کاش آپ یہاں ہوتے اور میرا حال دیکھتے تو جانتے ہر روز صبح کو قلعہ جانا دوپہر کو آنا بعد کھانا کھانے کے حضرت کے مسودوں کا درست کرنا۔ احباب کے خط لکھنے کی فرصت بہت کم ہاتھ آتی ہے والسلام (بنام قدر بلگرامی)

نمبر ۳

حضرت آپ کے خط کا کاغذ باریک اور ایک طرف سے سراسر سیاہ دوسری طرف اگر کچھ لکھا جائے تو میری تحریر ایک طرف تم خود اپنی عبارت کو درست پڑھ سکو گے۔ ناچار جداگانہ ورق پر سوالات کا جواب لکھتا ہوں۔

رنگ بوزن سنگ ترجمہ لون اور لفظ فارسی الاصل ہے جب اس کو

اردو میں منصرف یا بقول بعضے متصرف کرینگے تو نون کا تلفظ موہوم سا رہ جائے گا۔

رنگنا بوزن چند جا نہ کہینگے بلکہ وہ لہجہ اور ہے جیسا کہ اس مصرع میں ؎ ہم نے کپڑے رنگے ہیں شنگرفی۔ یہ صحیح ہے اور فصیح ہے ؎ ہم نے رنگے ہیں کپڑے شنگرفی۔ یہ اعلان نون گنواری بولی اور غیر صحیح اور قبیح ہے۔

خرام کو کون مؤنث بولیگا مگر وہ کہ دعوے فصاحت سے ہاتھ دھو لیگا رفتار مؤنث اور خرام مذکر ہے۔ رفتار کی تانیث کو خرام کی تانیث کی سند ٹھہرانا قیاس مع الفارق ہے۔ حرف سہ دو حرفی جس کو ثنائی[۱] بھی کہتے ہیں حدّ سے زائے معجمہ تک الف کی جگہ تحتانی بھی قبول کرتے ہیں۔ مولوی آل نبی سہارنپوری اور مولوی امام بخش دہلوی میں اس بات پر بڑا جھگڑا ہوا مولوی امام بخش باکو بے کہنا جائز نہیں رکھتے تھے آخر مولوی آل نبی نے ائمہ فن کلام کے کلام سے اسکا جواز ثابت کر دیا مگر صرف اردو سے تلفظ اور اسکی اجازت کا کوئی قاعدہ خاص اسکے واسطے نہیں اردو میں طا کو طوی اور ظا کو ظوی کہتے ہیں اور باقی حروف کے آخر میں تحتانی بولتے ہیں۔ لسان عرب و عجم میں موحدہ سے زائے معجمہ تک اواخر حروف میں الف بھی لاتے ہیں اور تحتانی بھی۔ طا ظا کو طا ظا ہی کہینگے نہ طوی ظوی نہ طے ظے علیٰ ہذا القیاس حروف باقیہ راقم اسد اللہ خان۔

---

[۱] دو حرفی یعنی دو طرح پڑھے جانے والے جیسے حرف "ب" کہ با اور بے دونوں طرح پڑھا جاتا ہے۔ حرف "ر" کہ را اور رے دونوں طرح پڑھا جاتا ہے۔

انوری ؎

بعہد جود تو دائم بآیت شکم زاید
زمانہ صوت سوال و صدائے آرے را

زغایت کرم اندر کلام تو بے نیست
باعتقاد تو صد حیث نون مگر بے را

(بنام قدر بلگرامی)

نمبر ۱۴۸

سید صاحب۔ تمہارا مہربانی نامہ مع دو غزلوں کے پہنچا۔ جواب کے لکھنے میں اگر درنگ ہوئی تو آزردہ نہونا اب غزلوں کو دیکھا کہیں حک و اصلاح کی حاجت نہ پائی۔ مدعائے خاص کا جواب یہ ہے کہ اجزائے خطابی یہاں شامل اسم نہیں ہیں صرف اسم مبارک خطوط دعرائض پر لکھا جاتا ہے یہ ہاقصید کا بھیجنا زائد محض اور بے فائدہ۔ اگر میں یہاں رہتا اور تم بھی تکلیف رہروی اُٹھاتے اور یہاں آتے اور قصیدہ گزرانتے تو بطریق صلہ کچھ ملنے کا احتمال تھا یہ طرز کہ تم بھیجو اور میں گزرانوں اِس سے قطع نظر کہ احتمال نفع بھی نہیں رکھتے یہ تو سط میرے خلاف وضع ہے مجھ کو معاف رکھئے اور اب جو خط بھیجئے دلی کو بھیجئے گا کہ میں اس مہینہ میں اُدھر کو جاؤنگا۔ رویت ہلال ماہ صیام اغلب ہے کہ دلی ہی میں ہو والسلام مع الاکرام غالب۔ سہ شنبہ ۱۳ مارچ ۱۸۶۶ء

(بنام قدر بلگرامی)

نمبر ۸۵

میر صاحب۔ ماجرا یہ ہے کہ میں ہمیشہ نواب گورنر جنرل بہادر کے دربار میں سیدھی صف میں دسواں نمبر اور سات پارچہ اور تین رقم جواہر خلعت پاتا تھا۔ غدر کے بعد پنشن جاری ہوگئی۔ لیکن دربار اور خلعت بند۔ اب کے جو لارڈ صاحب یہاں آئے تو اہل دفتر نے موجب حکم کے مجھ کو اطلاع دی کہ تمہارا دربار اور خلعت و اگذاشت ہو گیا مگر دلی میں دربار نہیں انبالے آؤ گے تو دربار میں نمبر اور خلعت معمولی پاؤ گے۔ میں نے خبر میں وجدان کا مزہ پایا[1] اور انبالے نہ گیا۔ رابرٹ منٹ گمری صاحب لفٹنٹ گورنر بہادر قلمرو پنجاب یہاں آئے دربار کیا میں دربار میں گیا۔ دربار کے بعد ایک دن بارہ بجے چپراسی آکر مجھ کو بلا لے گیا بہت عنایت فرمائی اور اپنی طرف سے خلعت عطا کیا

آغاز دیوان کے شعر یعنی مطلع میں ہرگز حروف و الفاظ کی قید نہیں ہی[2]۔ ہاں ردیف الف کی ہے۔ یہ امر قابل پرسش کے نہیں بدیہی ہے۔ دیکھو اور سمجھ لو یہ جو دیوان مشہور ہیں حافظ و صائب و سلیم و کلیم ان کی آغاز کی غزل کے مطلع دیکھو اور حروف و الفاظ کا مقابلہ کرو کبھی ایک صورت ایک ترکیب ایک زمین ایک بحر نہ پاؤ گے چہ جائے اتحاد حروف و الفاظ۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

(بنام قدر بلگرامی)

---

[1] یعنی گویا وہ خلعت مجھے مل گیا ۱۲

[2] یعنی یہ ضروری نہیں کہ مطلع سر دیوان الف یا کسی خاص حرف سے شروع ہو۔

نمبر ٨٦

سعادت واقبال نشان میر غلام حسنین کو غالب گوشہ نشین کی دعا پہونچے حضرت کشفی کے دیوان کے انطباع کی تاریخ اچھی ہے کہیں اصلاح کی حاجت نہیں مگر دوسری تاریخ میرے سمجھ میں نہیں آئی۔ اس فن کے قاعدے کے موافق مصرع تاریخ میں سے تکلف کے عدد نکالنے چاہییں یعنی پانسوتیں ع کلوخ انداز را پاداش سنگ است۔ اس مصرع کے اعداد میں اتنی گنجائش کہاں کہ پانسوتیں نکلجائیں اور ١٢٧٠ بچ رہیں۔

صاحب تم بہت دن سے بیکار ہو ایک جگہ مساعدت روزگار کی صورت ہے تم بے تکلف میرا یہ رقعہ مُہری لیکر لکھنؤ چلے جاؤ مطبع اودھ اخبار میں میرے شفیق دلی یعنی منشی نولکشور صاحب سے ملو اور یہ رقعہ اُن کو پڑھواؤ اپنی نظم و نثر اُن کو دکھاؤ اور اپنا مبلغ علم اُن پر ظاہر کرو اگر وہ اپنی مرضی کے موافق تم کو کارگزار سمجھیں گے تو مطبع کا کام تمہارے سپرد کر دینگے مشاہرہ خاطر خواہ تم کو مقرر ہو جائیگا معزز و مکرم رہوگے زندگی کا لطف اُٹھاؤگے لیکن شرط یہ ہے کہ جلد چلے جاؤ لکھنؤ تم سے نزدیک ہے اتنی راہ کا قطع کرنا کچھ دشوار نہیں اگر نوکر نہ ہو جاؤگے پھر چلے آنا بخت آزمائی ہے۔ (بنام قدر بلگرامی)

نمبر ٨٧

سید صاحب سعادت و اقبال نشان میر غلام حسنین صاحب کو

غالب کی دعا پہونچے آپ کا خط آیا اور میں نے اُسکا جواب بھجوایا اس رقعہ کی تحریر سے مراد یہ ہے کہ جناب منشی صاحب سے میرا سلام کہئے اور یہ رقعہ اُن کو پڑھا کر عرض کیجئے کہ غالب پوچھتا ہے کہ فارسی کی کلیات کا چھاپا ملتوی ہے یا جاری ہے ملتوی ہے تو کبتک کھلے گا جاری ہے تو تصحیح کیکے طور پر ہے۔ قصیدہ اور تاریخ کلیات کا مطبع میں پتا لگا ہے یا نہیں۔ اگر وہ دونوں کاغذ گم ہو گئے ہوں تو میں نے بھیجدوں۔

یوسف مرزا صاحب بذریعہ میرے خط کے آپ سے مل گئے یا نہیں۔ قاطع برُہان کے اجزا کی جلدیں بندھ گئی ہیں یا نہیں اگر بندھ گئی ہوں تو جناب منشی صاحب سے کہکر وہ جو پچاس جلدیں میں نے لی ہیں اُن میں سے ایک جلد لے کر جناب فیضمآب خداوند نعمت آیہ رحمت قبلہ وکعبہ جناب مجتہد العصر کیخدمت میں حاضر ہو اور میری طرف سے کورنش عرض کرو اور کتاب نذر کرو اور کہو کہ غلام نے بہت خون جگر کھا کر فارسی کی تحقیق کو اُس پایہ پر پہنچایا ہے کہ اُس سے بڑھ کر متصور نہیں یہ مجال کہاں کہ داد کا طلبگار ہوں صرف عز قبول کا اُمیدوار ہوں سمجھے سید صاحب منشی صاحب سے چاروں سوالوں کا جواب اور جو قبلہ وکعبہ فرمائیں اُس تقریر میں تغیر بالمرادف بھی نہ ہو جو الفاظ حضرت کی زبان سے سنو ہو بہو لکھ بھیجو ہاں مولوی ہادی علی صاحب کا جو حال معلوم ہو وہ بھی ضرور لکھنا اور اس خط کا جواب بہت جلد بھیجنا۔ بھائی میں از راہ احتیاط تلف ہونے کے ڈر سے اس خط کو بیرنگ بھیجتا ہوں۔ دو شنبہ پنجشم ذی القعدہ

مئی سال رستاخیز ۱۲۷۸ھ (بنام قدر بلگرامی)

نمبر ۸۸

سید صاحب آپ کا خط جس میں قبلہ و کعبہ کا مہری و دستخطی توقیع ملفوف تھا پہنچا میں تم سے بہت راضی ہوا کہ تم نے تکلیف اُٹھائی اور میری نذر وہاں پہنچائی اب ایک اور تکلیف دیتا ہوں کر جناب منشی صاحب سے میرا سلام کہکر اُن کے حکم سے ایک نسخہ قاطع برہان کا مطبع میں سے لو اور مکان معلوم کر کے جناب مفتی میر عباس صاحب کے پاس جاؤ اور میرا سلام کہو اور کتاب دو اور عرض کرو کہ جو خون جگر میں نے اس تالیف میں کھایا ہے یقین ہے کہ اسکی داد تمہارے سوا اور سے نہ پاؤنگا۔

ہاں صاحب جناب منشی صاحب سے یہ کہدینا کہ پچاس میں سے تین جلدیں میں نے پائیں اب قیمت کا روپیہ بھیجکر ۴۷ اور منگائے لیتا ہوں کلیات کے انطباع کی تاریخ میں کیوں لکھوں۔ اہل مطبع کو خدا منشی صاحب کے سایۂ عطوفت میں سلامت رکھے کہہ لینگے۔ چھاپا ۸۰ میں شروع ہوا ۷۹ میں تمام ہوگا مولوی ہادی علی صاحب کے مطبع میں آنے کا حال تم لکھواو کلیات کے کاپی نگار کے آنے کا بھی حال معلوم کر کے لکھو۔ جواب کا طالب

غالب ۲۴ مئی ۱۸۶۲ء۔ (بنام قدر بلگرامی)

نمبر ۸۹

حضرت کیا فرماتے ہو، ہُوا بھی ہو قضا بھی ہو اس ردیف کے ساتھ قافیہ معمولہ آ نہیں سکتا۔ بیتابی ہو جھتابی ہو کیونکر درست ہوگا وہاں موحدہ کے ما بعد ہائے ہوز ہے یہاں موحدہ کے آگے ے چاپی کہ بلکے فارسی اور یائے حطی ہے۔ اور کا ب ی اور راپی اور باپی یہ قافیہ ہمد گر ہو سکتے ہیں۔ چاپی لغت انگریزی ہے اس زمانے میں اس اسم کا شعر میں لانا جائز ہے بلکہ مزا دیتا ہے۔ تار بجلی اور دخانی جہاز کے مضامین میں نے اپنے یاروں کو دیے ہیں اوروں نے بھی باندھے ہیں۔ روبکاری اور طلبی اور فوجداری اور سررشتہ داری خود یہ الفاظ میں نے باندھے ہیں۔ چابی بمعنی کلید شوق سے لکھو نہ چابھی۔ ناسخ لکھتا ہے سے میم صاحب کے آگے کے الفاظ بھول گیا ہوں آخر مصرع یہ ہے، مس کے۔ ناز بیجا اٹھاؤں کس کس کے الٰہی بخش خاں معروف لکھتے ہیں۔ ع

نگین دل سوا کھو وے تو گھر بسلام ہو جائے

صاحب تم نے مثنوی خوب لکھی ہے کہیں املا میں کہیں انشا میں جو اغلاط تھے دور کئے اور ہر اصلاح کی حقیقت اُس کے تحت میں لکھدی۔ فکر تاریخ مثنوی سے مدۃ العمر معاف رہوں۔ ۱۲ غالب۔ (بنام قدر بلگرامی)

نمبر ۹۰

صاحب واللہ سوائے اس خط کے تمہارا کوئی خط نہیں آیا۔ کیسے چار خط تم نے بھیجے کیوں باتیں بناتے ہو۔ یہاں بھی ٹکٹ پر تحریر کی ممانعت ہے بہتر یہی ہے کہ طرفین سے خطوط بیرنگ بھیجے جائیں کہ یہ قصہ مٹ جائے مطلع میں نام اپنا لکھنا رسم نہیں ہے۔ میر کا تخلص اور صورت رکھتا ہے۔ میرجی اور میر صاحب کر کے وہ اپنے کو لکھ جاتا ہے اور کو اس بدعت کا تتبع نہ چاہیئے ؎

کاٹ کر غیروں کے سر لائے جو میری نذر کو
ڈال دوں سونے کا آنڈو پاؤں میں جلاد کے

آنڈو بدال ہندی یا بدال عربی بھائی واللہ یہ لفظ کبھی میری زبان پر نہیں آیا میں اسکی حقیقت سے آگاہ نہیں۔ ہاں سنا ہے فلانا سردار ایسا بہادر ثابت قدم تھا کہ معرکۂ کارزار میں ہاتھی کے پاؤں میں انڈوڈلوا دیے۔ ظاہرا کوئی چیز ہوگی کہ ہاتھی کو مانع رفتار ہو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک بند خاص ہے استعمال اس لفظ کا محال العام میں نہ چاہیئے۔

آستن و آستین کے باب میں یہ قول معترض کا غلط ہے کہ آستین کو بجائے آستن سمجھتا ہے۔ آستین کوئی لفظ نہیں ہے آستن اصل لفظ اور آستنی مزید علیہ یہ دونوں صحیح بلکہ آستنی زیادہ فصیح۔ اگر معترض فیضی کو نہیں مانتا تو آپ معترض کو کیوں مانتے ہیں فیضی کی سند مقبول اور مسموع۔

ارمغاں دارمغانی آبستن و آبستنی لے یہ تو فارسی لغت ہیں۔ فارسی گویوں نے حضور کو حضوری اور فضول کو فضولی اور نقصان کو نقصانی لکھا ہے۔

آجتک سُنا نہیں کہ رب کبریا کسی نے لکھا ہو۔ ہاں کبریائے الٰہی یعنی خدا کی بزرگی اس نظر پر رب کبیر لکھیں گے نہ رب کبریا۔ کبریا صفت واقعی ہے۔ لیکن اگر صفت سے موصوف مراد رکھیں تو ممکن ہے۔ جیسا زید عدل بجائے زید عادل۔ جناب کبریا بجائے جناب الٰہی جائز۔ ایک نکتہ دقیق ہے یعنی مذہب حقہ امامیہ میں مجموع صفات عین ذات ہیں پس اگر ہم نے خدا کو محض قدرت یا محض عظمت کہا تو موافق ہدایت نبی اور ائمہ کے ہمارا قول درست ہے۔

حال کی جگہ حالات یا احوال لکھنا قبیح نہیں ہے خصوصاً احوال کہ یہ بہ معنی واحد مستعمل ہے اور یہ استعمال یہانتک پہونچا ہے کہ احوال بہ معنی جمع مستعمل نہیں ہوتا جیسے حور کہ بمعنی حورا کے اہل فارس اس کو صیغہ واحد قرار دے کر الف نون کے ساتھ اس کی جمع لاتے ہیں سعدی کہتا ہے ؎

حوران بہشتی را دوزخ بود اعراف
از دوزخیاں پرس کہ اعراف بہشت است

بلکہ حور کو حوری کہکر اس کی جمع حوریاں لاتے ہیں حافظ لکھتا ہے ؎

حوریاں رقص کناں ساغر شکرانہ زدند

میں نے ایک مقطع میں حال کی جگہ احوال لکھا ہے ؎

جانِ غالب تابِ گفتارے گماں داری ہنوز
سخت بیدردی کہ میپرسی ز ما احوالِ ما[۵]

حضرت مجھ کو اور فیضی کو معترض سے زیادہ اساتذہ عجم کے کلام پر اطلاع ہے وہ آلبتنی کیوں لکھتا اور میں احوال کیوں لکھتا صائب کی ایک غزل جس کا ایک مصرعہ یہ ہے ؎

ہر لحظہ دارم نیتے چوں قرعہ رمّا لہا

اس غزل میں اُسی نے ایک جگہ احوالہا لکھا ہے۔ (داد کا طالب غالب)

(بنام قدر بلگرامی)

نمبر ۹۱

چھیڑ خوباں سے چلی جائے اسد گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی

رہن رکھوا کر ترا عمامہ دلوا دوں شراب
زاہدا تجھ کو کروں مرہونِ احساں تو سہی ناسخ

اس سہی اور تو سہی کا ترجمہ فارسی لغت میں کیا آیا ہے ۱۲ قدر

جواب۔ اسمار کے یا لغات کے واسطے یہ بات ہے کہ عربی میں یہ کہتے

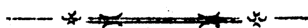
---

[۵] نیز ارد و میں بھی احوال بمعنی مفرد حال لکھا ہے اور وہاں بہت صاف ہے ؎
غالب ترا احوال سنا دینگے ہم انکو وہ سنکے بلالیں یہ اجارا نہیں کرتے

ہیں اور فارسی میں یہ اور ہندی میں یہ طرز گفتار۔ محاورات ہندی کی فارسی یا فارسی کی ہندی کبھی نہیں ہوسکتی مثلاً چوری کا گڑ میٹھا اِس کی فارسی نہ پوچھے گا مگر نادان۔ سہی اور تو سہی کی فارسی کیونکر بنے یہ روزمرّہ اردو ہے ع گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی :. اِسی مطلب کے مطابق فارسی عبارت یوں ہو سکتی ہے۔ وصل اگر نیست حسرت نیز علاوہ دارد ع "زاہدا تجھ کو کروں مرہونِ احساں تو سہی" ایک نوع کی تنبیہ ایک قسم کا دعوی ہے نامرد باشم اگر فلاں کار نہ کنم تا فلاں کار نکنم نیاسایم۔ اہل ہند کی فارسی اِسی طرح خام اور ناتمام رہی کہ اصول میں انھوں نے فارسی کے قواعد کی تطبیق عربی سے چاہی اور اُردو کے خاص روزمروں کی فارسی بنایا کیے۔ ہندی میں کچھ نہیں کی جگہ خاک نہیں بولتے ہیں فارسی میں ہیچ نیست کی جگہ خاک نیست کبھی کوئی نہ کہے گا۔ قتیل چاروں شانے چت گرا ہے ع کشتہ بر کشتہ پتاں بود گر خاک نبود یعنی ہیچ نبود لاحول ولا قوۃ۔ ایک جگہ سے مجھ کو خط آیا چونکہ میں بلی ماروں کے محلہ میں رہتا ہوں اُسنے پتا لکھا کہ در محلہ گربہ کشاں، واہ ری فارسی!! غالب ؎

مردم از من و استان راندند و از دوران چرخ
گشت صرفِ طعمۂ زاغ و زغن عنقائے من

(بنام قدر بلگرامی)



نمبر ۹۲

سید صاحب تم نے جو خط میں برخوردار کامگار مرزا عباس بیگ
خان بہادر کی رعایت اور عنایت کا شکریہ ادا کیا ہے تم کیوں شکر گزار
ہوتے ہو جو کچھ نیکی اور نکوئی اُس اقبال نشان نے تمہارے ساتھ کی ہے
وہ بعینہ میرے ساتھ کی ہے اُسکا سپاس میں ادا کروں۔ خدا کی قسم دل سے
دعائیں دے رہا ہوں بھائی تم اسکا جوہر طبع از روے فطرت شریف ہے
پروردگار اُس کو سلامت رکھے اور مدارج اعلیٰ کو پہنچائے یہ اپنے خاندان
کا فخر ہے اور چونکہ اس کی ماں کا اور میرا لہو اور گوشت اور ہڈی اور قوم
اور ذات ایک ہے پس وہ فخر میری طرف بھی عائد ہوتا ہے وہ اپنے جی
میں کہتا ہوگا کہ ماموں میری بیٹی کے بیاہ میں نہ آیا اور صرف زر سے جی
چُرایا ہے میں تو زر کو خاک و خاکستر کے برابر بھی نہیں سمجھتا مگر کیا کروں
کہ مجھ میں دم ہی نہ تھا۔ کاش کے جب ایسا ہوتا جیسا اب ہوں تو سب

سلہ لکھنو میں ڈپٹی عباس بیگ کے نام سے مشہور تھے ان کی کوٹھی روشن الدولہ
کی کوٹھی کے سامنے واقع تھی۔ جو ابھی حال میں کھدی ہے۔ ان کے ۔۔۔ بھتیجے
مرزا خدا داد بیگ مرحوم راقم الحروف کے قریبی عزیز تھے۔ ۱۲

پہلے پہنچتا جی اُسکے دیکھنے کو بہت چاہتا ہے۔ دیکھوں اُسکا دیکھنا کب میسر
آتا ہے۔ میں اب اچھا ہوں برس دن صاحب فراش رہا ہوں چھوٹے
بڑے زخم بارہ اور ہر زخم خونچکاں۔ ایک درجن بھالے لگ جاتے تھے
جسم میں جتنا لہو تھا پیپ ہو کر نکل گیا تھوڑا سا جو جگر میں باقی ہے وہ کھا کر
جیتا ہوں۔ کبھی کھاتا ہوں کبھی پیتا ہوں۔ مرض کے آثار میں سے اب بھی
یہ نشان موجود ہے کہ دونوں پاؤں کی دو دو انگلیاں ٹیڑھی ہو گئی ہیں
معہذا متورم ہیں جوتا نہیں پہنا جاتا ضعف کا تو بیان ہو ہی نہیں سکتا
مگر ہاں یہ میرا شعر ہے

درکشاکش ضعفم نگسلد رواں از تن
ایں کہ من نمی میرم ہم ز ناتوانی ہاست[1]

اب کے رجب یعنی ماہ آیندہ کی آٹھویں تاریخ سے ستروان برس شروع ہوگا۔
غ چو ہفتاد آمد اعضا رفت از کار۔ پس اب شکوہ ضعف نادانی ہے ایمان
سلامت رہے۔ نجات کا طالب غالب سہ شنبہ ۲۴ نومبر ۱۸۶۳ء

(بنام قدر بلگرامی)

---

[1] یعنی مرنے کیلیے ضرور ہی کہ روح بدن سے مفارقت کرے جسکے لیے حرکت ضروری ہی اور حرکت قوت
چاہتی ہی جو اب باقی نہیں ہی پس روح بھی بدن سے اب نہیں نکل سکتی اور میں اپنی ناطاقتی کی بدولت زندہ
ہوں۔ اسی مضمون کو بلکہ اس سے لطیف تر طریقہ سے بیگی دختر امیر علی جلائر نے بھی کہا ہی

جاں بلب آمد از ضعف تواند رسید — ما بزور ناتوانی زندہ ایم

نمبر ۹۴

قرۃ العین میر غلام حسنین سلمکم اللہ تعالے۔ تمہارا خط پہونچا دل خوش ہوا۔ تم میرے یار رہو اور میری خدمت گزاری کے حقوق ہیں تم پر۔ مجھ کو مدد دو اور اپنی قوت علمی صرف کرو۔ محرق قاطع برہان میرے پاس موجود ہے مجھ سے منگواؤ میں ہر موقع پر خطا اور زلت مولف کا اشارہ کردونگا۔ تم ہر فقرے کو بغور دیکھو اور بے ربطی الفاظ اور لغویت معانی کو میزان نظر میں تولو۔ عامی نہیں ہو عالم ہو جسے مولوی نجف علے صاحب نے بھی تو اپنی قوت عاقلہ سے بے اعانت غیر محرق کے جامع کی دھجیاں اوڑائی ہیں۔ تمہارے پاس دو نسخے ایک دافع ہذیان ایک سوالات عبدالکریم مع استفسار وافتا ستختلی علما دہلی موجود ہیں اور اب اُس کتاب کے ساتھ میرے اشارات سود مند پہنچینگے۔ تم کو معارضہ بہت آسان ہوگا۔ مدعی کا کلام در اصل لغو پھر تمہارے پاس سرمایۂ علمی موجود اور یہ تین نسخے معقول اُسپر مزید علیہ۔ اُسپر محرق اور صاحب محرق کا خاکہ اڑ جائیگا۔ میرے اس خط کے پہونچتے ہی جواب لکھے اور اجازت نیھجیے کہ میں نسخہ مطبوعہ نامطبوعہ محرق بسبیل ڈاک بھیجدوں مگر جس دن سے کہ کتاب پہنچ جاوے اُسی دن سے آپ اُردو زبان میں رسالہ لکھنا شروع کیجیے اور بعد اختتام مجھے اطلاع دیجیے پھر میں جیسا لکھوں ویسا عمل میں لائیے۔ غالب اثنا عشری حیدری۔ (بنام قدر بلگرامی)

نمبر ۹۵

تئیں کا لفظ متروک اور مردود قبیح غیر فصیح۔ یہ پنجاب کی بولی ہے۔ مجھے یاد ہے کہ میرے لڑکپن میں ایک اصیل ہمارے ہاں نوکر رہی تھی وہ تئیں بولتی تھی تو بی بیاں اور لونڈیاں سب اُس پر ہنستی تھیں ؎

خروشش بہ عدغراں میشود پا در رکاب از بیم
عناں بر سینہ چوں پیچد پرگنگ رخ جولانش

یہ شعر ناطق کا ہے اور ناطق قوم کا بلوچ سندھ کا رہنے والا اُسکا منطق کیا اور اُسکی زبان کیا۔ پا در رکاب ہونا عبارت ہے سیر و سفر کے آمادہ و مستعد ہونے سے، خواہی منشار عزیمت خوف ہو خواہی کوئی اور سبب۔ عناں بر سینہ پیچیدن مہمل محض مہمل۔ نہ روزمرّہ نہ محاورہ نہ اصطلاح نہ مفید معنی درنگ نہ مفید معنی شتاب۔

طیار صیغہ مبالغہ کا ہے لغت عربی۔ املا اس کی طائے حطی سے طیر ثلاثی مجرد طائر فاعل طیور جمع۔ بازداروں میں اس لفظ نے جسم لیا حقیقت بدل گئی طوئے تے بن گئی یعنی جب کوئی شکاری جانور شکار کرنے لگا۔ بازداروں نے بادشاہ سے عرض کی کہ فلاں باز فلاں شکرہ طیار شدہ است وصید میگیرد۔ بہرحال اب تائے قرشت سے یہ لفظ نیا نکل آیا۔ اس لفظ کو مستحدث اور در اصل اردو اور بہ تائے قرشت اور بمعنی آمادہ۔ اشخاص و اشیار پر عام تصور کرنا چاہیئے اور عبارت فارسی میں اسکا

استعمال کبھی جائز نہ ہوگا۔

فقیر کے نزدیک نقاب اور قلم اور دہی ترجمہ جغرات یہ تینوں اسم مذکر ہیں۔ منکر سے مجھے بحث نہیں۔ مجیب کا یہ احسان مند نہیں لغت فارسی ہو اور روزمرہ فارسی ہو تو اہل زبان کے کلام سے استناد کریں۔ منطق فارسی میں تانیث و تذکیر کہاں پس اس امر کے مالک اور اہل زبان ہم ہیں اور یہ ہم صیغہ متکلم مع الغیر ہے۔ یعنی ہم اور تم اور مجموع شرفا اور شعرائے دہلی و لکھنؤ ایسے دس آدمی کا اتفاق سند ہے زیادہ جھگڑا بے فائدہ ہے

بنائیں قدر کی غزلیں جناب غالب نے — تمام جوہر تیغ زباں ابھر آئے

غزل کی زے یہاں ساکن ہے لیکن یہ سکون جائز ہے۔ قدم مفرد قدموں جمع ہے۔

کھو رہا ہوں متعدی ہے پوربیے اس کو لازمی جانتے ہیں۔ لازمی کھو گیا ہوں۔ ہم کہینگے جاگتے ہیں۔ اہل پورب کہیں گے جگتے ہیں جان و دل دل و جگر صحیح۔ جان و جگر ٹکسال باہر۔

فریاد مؤنث ہے فریاد کرنی چاہیے۔ فریاد کرنا انگریزی بولی ہے فکر مؤنث ہے معشوق کو ہمزاد بنانا ظرفا کو اپنے اوپر ہنسانا ہے۔

لراقمہ ہے

اندیشۂ بلند رو لامکاں نورد
چوں خواست بام جاہ ترا نردباں نہاد

دیدش ہماں بجا چو سپہر از فراز کوہ | بعد از ہزار پایہ کہ بر فرقداں نہاد[ل]

پہلے مصرع میں اندیشہ فاعل ہے خواست کا۔ جو مصرع ثانی میں نہاد بمعنے مصدری ہے دوسرے شعر میں دید کا اور نہاد کا فاعل وہی اندیشہ ہے۔ اب ایک بات سمجھو کہ جب پہاڑ کے پاس سے آسمان کو دیکھو گے تو یہ معلوم ہوگا کہ اگر ہم پہاڑ پر چڑھ جائیں تو آسمان کو چھو لیں مگر جب چوٹی پر پہونچوگے تو آسمان کو اتنا ہی دور پاؤ گے جتنا زمین سے نظر آتا تھا۔ فرقداں ایک صورت ہے یا ایک کوکب ہے آٹھویں آسماں پر۔ ہمارے قیاس میں آیا کہ فرقدان پر سے بام جاہ ممدوح نظر آویگا بہت قریب۔ ہم فرقدان پر گئے وہاں بھی قریب نہ پایا۔ فرقدان پر ہزار پائے رکھے اُس پر چڑھ کے دیکھا تو بام ممدوح میں اور اُس مقام میں اتنا ہی بعد ہے جتنا پہاڑ میں اور آسماں میں۔ یہ مبالغہ حد تبلیغ و غلو سے گزر گیا۔

لگا دیتے ہو اور اُٹھا دیتے ہو خطاب جمع حاضر ہے اور تعظیماً مفرد پر آتا ہے۔ یعنی تم۔ معشوق مجازی کو تم اور تو دونوں طرح یاد کرتے ہیں۔

[ل] یہ اشعار ایک منقبت کے قصیدے کے ہیں جسکی تشبیب کے چند شعر یہ ہیں ؎

دوشش آمد و بوسہ لبم بر دہاں نہاد | راز دہانِ خویش طلب درمیاں نہاد

وانگہ بمنع ریزش راز لب از زباں | مہرے ز بوسہ دگرم بر زباں نہاد

چوں لب ز بوسہ گنج گہرہائے راز شد | بر کنج لب ز تیزی دنداں نشاں نہاد

خدا کو یا تو کہتے ہیں یا صیغہ جمع غائب یعنی صیغہ جمع غائب کا نظر بہ قرینہ افادہ قضا و قدر کا رکھتا ہے۔ تمہاری غزل میں دو چار جگہ دیتے ہو اس طرح آیا ہے کہ محبوب مجازی اُس سے مراد کبھی نہیں ہو سکتا ؎

لا کے دنیا میں ہمیں زہر فنا دیتے ہو　　ملے اس بھول بھلیاں میں دغا دیتے ہو

کہو کس سے کہتے ہو سوائے قضا و قدر کے کوئی رنڈی کوئی لونڈا اس کا مخاطب نہیں ہو سکتا اور علےٰ ہذا القیاس دو ایک شعر اور بھی۔ ناچار صیغہ جمع رکھدیا تاکہ خوباں اور بتاں کیطرف ضمیر راجع ہو یا شخص واحد کیطرف اب کے لفظ کے ساتھ۔ یا قضا و قدر کیطرف۔ اب خطاب معشوقان مجازی اور قضا و قدر میں مشترک رہا

س۔ بود اور باشد کہ دونوں صیغے مضارع کے ہیں بمعنے ہست آتے ہیں یا نہیں۔

ج۔ البتہ آتے ہیں۔

س۔ نظم و نثر میں ماضی مطلق کا ماضی استمراری کے معنی پر لکھنا کیسا ہے؟

ج۔ بیجا ہے جب تک علامت استمرار نہو معنے استمراری کیونکر لیے جائیں۔

س۔ پارسی میں مصدر مقتضب اور غیر مقتضب کی کیسا

ملے افسوس کہ مرزا نے اب کا لفظ کہا کر جسطرح شعر کو درست کیا ہوگا وہ شعر نہیں لکھا ۱۲

شناخت ہے؟

ج - خود عربی میں مصدر کی صفت مقتضب نہیں آئی فارسی میں کہاں سے ہوگی۔ مقتضب صفت بحر کی ہے نہ صفت مصدر کی۔

س۔ کس قسم کے مصدر لازمی سے مصدر متعدی بنتا ہے اور کس طور کے مصدر سے نہیں بنتا ہے؟

ج - جب لازمی کو متعدی کرنا چاہیں تو مضارع میں سے مصدر بنائیں اور اُس میں فقط الف نون یا الف نون اور تحتانی بڑھائیں۔ مثلاً گشتن کو گشتاندن نہ کہیں گے گردد سے مصدر بنائینگے۔ گردیدن اور اُس کو گرداندن اور گردانیدن کہیں گے جس مصدر کے ساتھ مضارع نہو گا وہ متعدی نہ بنے گا جیسے برشتن اور خستن۔

س۔ پناہ کا ترجمہ لغت اردو میں کیا آتا ہے؟

ج ۔ اُردو مرکب ہے فارسی اور ہندی سے یعنے پناہ کا لفظ مشترک ہے اردو میں اور فارسی میں۔ پناہ کا ترجمہ اُردو میں پوچھنا نادانی ہے۔ ہاں پناہ کی ہندی آسرا ہے۔ برنہ آنا فصیح نہ برآنا ٹکسال باہر۔ قافیہ ہائے اصلی الفیہ سیکڑوں ہیں اُن کو چھوڑ کر نسخہ اور نامہ اور افسانہ ان الفاظ کو قافیہ کرنا تمہارے نزدیک

نامناسب نہیں ایسا قافیہ غزل بھر میں ایک جگہ لکھو ۱۲ غالب

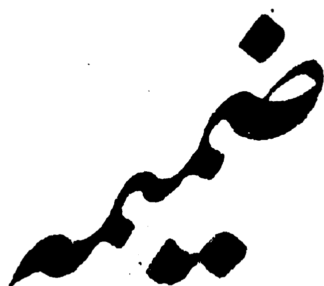
(بنام قدر بلگرامی)

نمبر ۹۶

حضرت فقیر نے شعر کہنے سے توبہ کی ہے اصلاح دینے سے توبہ کی ہے
شعر سُننا تو ممکن ہی نہیں بہرا ہوں شعر دیکھنے سے نفرت ہے پچھتر برس
کی عمر پندرہ برس کی عمر سے شعر کہتا ہوں ساٹھ برس بکا نہ مدح کا صلہ
ملا نہ غزل کی داد بقول انوری سے

اے دریغا نیست ممدوحے سزاوار مدیح
وے دریغا نیست معشوقے سزاوار غزل

سب شعرا سے اور احباب سے متوقع ہوں کہ مجھے زمرۂ شعرا میں شمار نہ کریں
اور اس فن میں مجھ سے کبھی پرسش نہ ہو۔ اسد اللہ خاں المتخلص بہ غالب
والمخاطب بہ نجم الدولہ خدا کیش بیامرزاد۔ (بنام قدر بلگرامی)


ضمیمه

مرزا غالب کے بعض مکتوب الیہم کے حالات جنکے نام خطوط عود ہندی اور اردوئے معلّے میں ہیں

ترتیب اسماء میں حروف تہجی کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

فہرست اسماء مکتوب الیہم

آرام منشی شیو نرائن

رائے بہادر منشی شیو نرائن آرام تخلص کرتے تھے۔ اور دار السلطنت اکبر آباد کے قدیم باشندے تھے۔ اور اسی شہر میں میونسپل کمیٹی کے سکریٹری تھے۔ ضرورت اور رسم زمانہ کی موافق فارسی اردو سے باخبر تھے اور انگریزی میں بھی کافی استعداد رکھتے تھے۔ ڈاکٹر فیلن صاحب کے شاگرد تھے۔ تمام عمر عہدہ ہائے جلیلہ پر ممتاز رہے اور نہایت عزت و وقار سے زندگی بسر کر کے چونسٹھ برس کی عمر پاکر ۱۸۹۸ء میں راہی عدم ہوئے۔

مرزا غالب کے خاندان اور منشی صاحب موصوف کے بزرگوں سے قدیمی اتحاد و مراسم تھے۔ چنانچہ مرزا صاحب خود ایک جگہ لکھتے ہیں " میں کیا جانتا تھا کہ تم کون ہو۔ جب یہ جانا کہ تم ناظر بنسی دھر کے پوتے ہو تو معلوم ہوا کہ میرے فرزند دلبند ہو۔ اب تم کو مشفق و مکرم لکھوں تو گنہگار۔ تم کو اپنے اور ہمارے خاندان کی آمیزش کا حال کیا معلوم ہے مجھ سے سنو! تمہارے دادا کے والد محمد نجف خاں ہمدانی ہیں میرے نانا صاحب مرحوم خواجہ غلام حسین خاں کے رفیق تھے۔ جب میرے نانا نے نوکری ترک کی۔ اور گھر بیٹھے تو تمہارے پردادا نے بھی کمر کھولی اور پھر کہیں نوکری نہ کی۔ یہ باتیں میرے ہوش سے پہلے کی ہیں۔ مگر جب میں جوان ہوا تو میں نے یہ دیکھا کہ منشی بنسی دھر

خاں صاحب کے ساتھ ہیں اور اُنھوں نے جو کیتم گانوں اپنی جاگیر کا سرکار میں دعویٰ کیا ہے تو بنسی دہر اس امر کے منصرم ہیں اور وکالت اور مختاری کرتے ہیں۔ میں اور وہ ہم عمر تھے۔ شاید منشی بنسی دہر مجھ سے ایک یا دو برس بڑے ہوں یا چھوٹے ہوں۔ انیس ۱۹ بیس ۲۰ برس کی میری عمر اور ایسی ہی اُن کی عمر۔ باہم شطرنج اور اختلاط اور محبت۔ آدھی آدھی رات گزر جاتی تھی۔"

اوّل اوّل میں مرزا انکو ہمیشہ ایک دوست سمجھتے رہے۔ مگر جب سے کہ یہ حال معلوم ہوا ہمیشہ برخوردار اور نورچشم کہکر خطاب کرتے تھے۔ اور نہایت عزیز رکھتے تھے۔ بزرگانہ مراسلت اور بے تکلفانہ فرمائشات کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ اور منشی صاحب بھی اسکو ایک سعادت عظمیٰ سمجھکر احکام کی بجا آوری میں کبھی تساہل نہ کرتے تھے۔

مرزا صاحب ہی کے توجہ دلانے سے منشی صاحب نے شعر و شاعری کیطرف توجہ کی اور آرام تخلص اختیار کیا۔ چونکہ طبیعت کا تصوف کے مضامین کیطرف میلان زیادہ تھا اسلئے عشقیہ مضامین کم کہتے تھے اور کہتے تھے تو اُن میں وہ شوخی اور چستی نہوتی تھی جو ایسے اشعار میں ہوتی ہے۔ البتہ وقار اور متانت کے لحاظ سے وہ اپنے معاصرین سے کم نہ تھے

منشی صاحب بھی مرزا کو اپنا ایک خیرخواہ بزرگ سمجھتے تھے اور برابر خوردانہ فرمائشات کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ ۱۸۵۵ء میں ایلن برون صاحب کی مدح میں مرزا صاحب سے قصیدہ کی فرمائش کی اور مرزا صاحب نے ۲۱ شعر کا ایک قصیدہ کہکر بھیجا جسکے بعض اشعار یہ ہیں ؎

ملاذ کشور و لشکر پناہ شہر و سپاہ | جناب عالی ایلن برون والا جاہ
بلند رتبہ وہ حاکم وہ سرفراز امیر | کہ باج تاج سے لیتا ہے جسکا طرف کلاہ
وہ محض رحمت و رافت کہ بہر اہل جہاں | نیابت دم عیسیٰ کرے ہے جسکی نگاہ
اُمیدوار عنایات شیونارائن | کہ آپکا ہے نمک خوار اور دولت خواہ
یہ چاہتا ہے کہ دنیا میں عز و جاہ کے ساتھ | تمہیں اور اسکو سلامت رکھے سدا اللہ

ایک مرتبہ منشی صاحب نے مرزا صاحب سے خواہش کی کہ اُردو کے رقعات جو اپنے دوستوں اور عزیزوں کے پاس بھیجے ہیں اونکو طبع کر دیا جائے۔ مگر مرزا صاحب نے اِسکو پسند نہ کیا اور اُس وقت اجازت نہ دی۔ جواباً لکھ بھیجا کہ "اردو کے خطوط جو آپ چھاپا چاہتے ہیں یہ بھی زاید بات ہے۔ کوئی رقعہ ایسا ہوگا کہ جو میں نے قلم سنبھال کر اور دل لگا کر لکھا ہوگا۔ ورنہ صرف تحریر سرسری ہے۔ اُسکی شہرت میری سخنوری کے شکوہ کے منافی ہے۔ اس سے قطع نظر کیا ضرور ہے کہ ہمارے آپس کے معاملات اور وں پر ظاہر ہوں۔ خلاصہ یہ کہ رقعات کا چھاپا میرے خلاف طبع ہے۔"

غرضکہ منشی صاحب موصوف مرزا غالب کے ہموطن اور محبوب ترین دوست اور عزیز شاگرد تھے۔ اور ہمیشہ مرزا صاحب کی مطاوعت اور نقیاد کو اپنا فخر سمجھتے تھے۔ ایک کتاب موسوم بہ "قاصدان شاہی" انھوں نے لکھی تھی اور اسکو صلاح کے لیے مرزا کی نظر سے گزرانا تھا۔ جس میں مرزا نے الفاظ متروک کو بدل دیا تھا اور صحت وغیرہ بھی کی تھی۔ نمونۂ کلام ؎

غضب ہے مدعی جو ہو وہی پھر مدعا ٹھہرے | جو اپنا دشمن دل ہو وہی دل کی دوا ٹھہرے

نہ ٹھہرے نا اُمیدی اوسکے دلمیں اور کیا ٹھہرے
کہ جسکا بعد مرنیکے حصول مدعا ٹھہرے

وہ چاہیں جسقدر جور و جفا ہمپر کریں لیکن
ہمیں تسلیم لازم ہو کہ پابند رضا ٹھہرے

یہ دنیا اک سرا ہے اسکو آخر چھوڑ جانا ہو
اگر دو چار دن اگر یہاں ٹھہرے تو کیا ٹھہرے

کٹے ہیں سر بہت تیغ جفا سے بیگناہونکے
عجب کیا ہی اگر قاتل کا کوچہ کربلا ٹھہرے

ادہر آینکو وہ ہیں اور اُدہر وقت سفر آیا
عجب مشکل نہ وہ آینہ دم بھر کو قضا ٹھہرے

اُسیکو زندگی کا لطف ہو اس دہر فانی میں
کہ جو نزدیک اچھوں کے بھلا اور باخدا ٹھہرے

قیام اپنا ہو اِس محنت سرائے دہر میں کیونکر
جہاں آفت ہی آفت ہو وہاں آرام کیا ٹھہرے

آشوب ۔ رائے بہادر منشی پیارے لال

منشی پیارے لال آشوب کا وطن قدیم دہلی تھا۔ آپکے خاندان کا سلسلہ شہنشاہ اکبر کے مشہور وزیر راجہ ٹوڈر مل سے ملتا ہے۔ آپکے جد مجد رائے بالمکند اور رائے سیتا رام ہمنوں کے عہد میں عہدہ ہائے جلیلہ پر ممتاز تھے۔ آپ لالہ سری رام دہلوی مصنف خمخانہ جاوید کے عم نامدار تھے ۱۸۳۶ء میں بمقام دہلی پیدا ہوئے پرانے دہلی کالج میں تعلیم پائی۔ انگریزی فارسی اردو میں نہایت اچھی قابلیت رکھتے تھے۔ دلّی کے مشہور و معروف اُستاد مولانا صہبائی آپ کو بہت عزیز رکھتے تھے۔

ضروری تعلیم سے فراغت کرنے کے بعد آپ گوڑگانوہ میں ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے اور یہیں مرزا غالب مرحوم کی خدمت میں نیاز حاصل ہوا۔ یہ اتفاقیہ ملاقات اس وجہ سے ہوئی کہ گوڑگانوے کے اسسٹنٹ کمشنر مسٹر کوان صاحب بہادر اس ضلع سے تبدیل ہو کر کسی دوسری جگہ تشریف لیجا رہے تھے۔ چونکہ وہ آشوب پر نہایت مہربان تھے اس واسطے یہ بھی اس وداعی جلسہ میں شریک تھے جو صاحب موصوف کی رخصت کے لیے کیا گیا تھا۔ اہل جلسہ میں یہ طے ہوا کہ چلتے وقت صاحب موصوف کو کوئی چیز بطریق یادگار نذر کرنی چاہیے۔ چنانچہ باتفاق آرا یہ طے ہوا کہ ایک چاندی کا قلمدان نذر کیا جائے اور اس قلمدان پر کوئی شعر بھی کندہ کرایا جائے۔ چنانچہ اسی ضرورت کیلیے مرزا صاحب کی خدمت میں حاضری کا اتفاق ہوا۔ مرزا صاحب نے فی البدیہہ یہ قطعہ موزوں کر دیا ؎

گوڑگانوے کی ہے جتنی رعیت وہ یکقلم
عاشق ہے اپنے حاکم عادل کے نام کی

سو یہ نظر فروز قلمدان نذر ہے
مسٹر کوان صاحب عالیمقام کی

یہیں سے خلوص و محبت کی بنا پڑی۔ اور رائے صاحب نے بھی مرزا کے زمانۂ حیات تک نہایت سعادت مندی اور عقیدت کے ساتھ اوس خلوص کی قدر کی۔ جب ۱۸۶۶ء میں میکلاوڈ صاحب لفٹنٹ گورنر پنجاب نے دہلی میں دربار کیا۔ اور حسب معمول مرزا صاحب بھی اُس دربار میں شریک ہوئے تو بوجہ ضعف پیری آپ بغیر کسی معین و مددگار کے چل نہ سکتے تھے۔ رائے صاحب بھی اس دربار میں شریک تھے اُٹھے اور

مرزا صاحب کو سہارا دیتے ہوئے مقام نشست تک لیگئے۔ میکلاوڈ صاحب نے یہ خلوص دیکھکر مرزا صاحب سے سوال کیا کہ کیا یہ تمہارا لڑکا ہو۔ مرزا صاحب نے کہا کہ لڑکا تو نہیں ہو مگر لڑکے سے زیادہ پیارا ہے۔

آشوب مرزا صاحب سے اسقدر محبت اور عقیدت رکھتے تھے کہ دلّی میں ہوتے تھے تو کوئی ہفتہ ملاقات سے خالی نہ جاتا تھا۔ اور اگر کبھی اتفاقیہ جانے میں دیر ہوتی تو مرزا صاحب خود شفقت بزرگانہ فرما کر اُن کو بلاتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ یہ شعر لکھ کر بلایا تھا ؎

آج یکشنبہ کا دن ہے آؤ گے یا فقط رستہ ہمیں دکھلاؤ گے

اسکے علاوہ اُن خطوط سے بھی مرزا صاحب کے دلی خلاص کا اندازہ ہوتا ہے جو ان کے نام سے مجموعہ رقعات میں موجود ہیں۔

آشوب تکمیل علم کے بعد ۱۸۶۵ء میں آگرہ کالج گئے اور اسکے بعد بریلی میں سرکاری ملازمت اختیار کرلی مگر ایک سال بعد واپس آئے اور گوڑگانوے اور دہلی میں ہیڈ ماسٹر رہے۔ دلّی سے تبدیلی کے وقت اہل شہر نے ایک سپاس نامہ آپ کو پیش کیا جس سے ان کی ہر دل عزیزی کا اندازہ ہوتا ہے۔ مرزا مرحوم نے بھی اس کاغذ پر یہ فقرہ اپنے دستخط خاص سے لکھا تھا۔

" بابو پیارے لال کی مفارقت کا جو رنج مجھے ہوا ہے وہ میرا ہی جی جانتا ہے۔ بس اب میں نے جانا کہ دہلی میں میرا کوئی نہ رہا۔"

اسکے بعد آشوب لاہور میں کیوریٹر کے عہدہ پر ۱۵۔۱۶ برس تک

فائز رہے۔ بعدہ انسپکٹری مدارس کے اعلیٰ عہدہ پر کام کرتے رہے۔ دہلی میں لٹریری سوسائٹی کی بنیاد ڈالی۔

میجر فلر صاحب جو عربی، فارسی، اُردو کے زبردست ماہر تھے۔ کلکتہ یونیورسٹی کے سررشتۂ تعلیم کے متعلق سالانہ سوالات جو آتے تھے اُسکا جواب خود لکھتے تھے۔ ایک مرتبہ کلکتہ یونیورسٹی سے یہ سوال آیا کہ مسجع اور مقفٰے عبارت میں کیا فرق ہے معہ مثال بیان کرو۔ میجر صاحب نے حسب معمول یہ سوال بھی رائے صاحب کے پاس بھیجا۔ رائے صاحب نے یہ سوال بجنسہ مرزا صاحب کے پاس بھیجدیا۔ اور اُنھوں نے اسکا جواب معہ امثال نظم میں لکھ کر دیا جسکا اخیر شعر یہ تھا ؎

تحریر ہی یہ غالب یزداں پرست کی ۔۔۔ تاریخ اِسکی آج نویں ہے اگست کی

مولانا آزاد اور مولانا حالی کو بھی آشوب کی وجہ سے لاہور میں اپنے جدید رنگ شاعری میں بڑی مدد ملی اور نیچرل شاعری کے شوق کی بنیاد یہیں سے پڑی۔

جناب آشوب نے مدتوں سرکاری ممتاز عہدوں پر کام کرنے کے بعد ۱۸۹۵ء میں پنشن لی اور بعد ازاں اپنے وطن مالوف میں بفراغت زندگی بسر کی۔

شعر و شاعری کا شوق ابتدائے عمر ہی سے تھا۔ ابتدا میں حضرت سوز خلف مولانا صہبائی سے صلاح لیتے تھے اسکے بعد مرزا غالب سے تلمذ اختیار کیا۔ مگر کثرت کار سرکاری کیوجہ سے کبھی کلام کی ترتیب و تدوین کی نوبت

نہیں آئی۔ دوران ملازمت میں چند کتابیں۔ رسُوم ہند کے پہلے تین باب۔ قصص ہند حصۂ اول ودوم۔ اُردو کی تیسری کتاب۔ ترجمۂ تاریخ انگلستان کلاں۔ اور متعدد مضامین لکھے۔ اور بعض مضامین پر گورنمنٹ سے اعزازی تمغے اور انعام بھی حاصل کئے اِسی شہرت اور نیک نامی کے صلہ میں ۱۸۹۲ء میں رائے بہادری کا خطاب پایا۔

نہایت خندہ پیشانی نیک دل خوش تقریر تھے۔ اور ہر شخص کی ہمدردی کو اپنا اخلاقی فرض سمجھتے تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے ؎

گر شیخ پاکدامن طالب نہو ریا کا | رندوں کی محفلوں میں اُسکا اُٹھے نہ خاکا
مجنوں کو ہم نے اپنی مانند خاک دیکھا | گویا کہ وہ ہماری تصویر کا ہے خاکا
پتھر پہ شکل شیریں فرہاد نے بنائی | اور ہم نے اپنے دل پر کھینچا ہے تیرا خاکا
اپنا تو سر جھکے ہے دونوں طرف اُسی کی | تصویر میکدے میں اور ہے حرم میں خاکا
آشوب خستہ جاں کو پھرا ہی ہوش وہیں کی | کل ہی تو اُڑ چکا ہی اُسکی گلی میں خاکا

زاہد چھوئے جو دامن رندان بادہ کش | تو چاہیے کرے سے اُسے شست و شوئے کریں

نواب امین الدین احمد خاں بہادر

نواب امین الدین احمد خاں، فخر الدولہ نواب احمد بخش خاں والی فیروز پور جھرکہ

دلوہارو کے بڑے بیٹے تھے۔ اصل میں فیروز پور جھرکہ کے تعلقدار تھے۔ اور پرگنہ لوہارو راجہ الور نے بطریق جاگیر مرحمت فرمایا تھا۔ جو نسلاً بعد نسل آپکے اخلاف کی ملکیت میں چلا آتا ہے۔ مگر فیروز پور جھرکہ کا علاقہ ضبط ہوگیا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ آپکے والد ماجد نواب احمد بخش خاں مرحوم نے اپنے حین حیات میں اپنے بڑے صاحبزادے شمس الدین احمد خاں کو اپنا جانشین اور والی ریاست مقرر کیا تھا اور پرگنہ لوہارو اپنے چھوٹے صاحبزادوں نواب ضیا الدین احمد خاں اور نواب امین الدین احمد خاں موصوف کے لیے بطور مدد معاش مقرر کیا تھا۔ چنانچہ نواب کی وفات کے بعد شمس الدین احمد خاں فیروز پور جھرکے کے رئیس مقرر ہوئے۔ مگر چونکہ شمس الدین احمد خاں کے مزاج میں کچھ ایسی وارفتگی اور لاابالی پن تھا جسکی وجہ سے اُن سے چند حرکات زبوں ظہور میں آئیں اسیوجہ سے فیروز پور جھرکہ کی ریاست ضبط ہوگئی مگر ریاست لوہارو علے حالہ باقی رہی۔ جو ابتک موجود ہے۔

مرزا صاحب کے تعلقات عرصہ سے اس خاندان سے وابستہ تھے یعنے نواب الٰہی بخش خاں معروف نواب احمد بخش خاں کے حقیقی چھوٹے بھائی کی لڑکی سے تیرہ سال کی عمر میں مرزا کی شادی ہوئی۔ اور اُسیوقت سے تعلقات عزیزانہ قائم ہوئے جیسا کہ خود ایک خط میں لکھتے ہیں۔

"بھائی صاحب ساٹھہ ساٹھہ برس سے ہمارے تمہارے بزرگوں میں قرابتیں بہم پہونچیں۔ بیچ کا میرا تمہارا معاملہ یہ ہے کہ پچاس برس سے میں تمکو چاہتا ہوں۔ بے اسکے کہ چاہت تمہاری طرف سے بھی ہو۔ چالیس

برس سے محبت کا ظہور طرفین سے ہوا۔ میں تمہیں چاہتا رہا تم مجھے چاہتے رہے وہ امر عام اور یہ امر خاص کیا مقتضی اسکا نہیں کہ مجھ میں تم میں حقیقی بھائیوں کا سا اخلاص پیدا ہو جائے وہ قرابت اور یہ مودت کیا پیوند خون سے کم ہے؟"

مرزا صاحب نے اسی طرح دوسرے خطوں میں محبت اور مودت کا اظہار کیا ہے۔ ہمیشہ بھائی اور برادر کہہ کر خطاب کرتے تھے۔ اُدھر سے بھی دلداری اور دلدہی میں کوئی فروگزاشت نہ ہوتی تھی۔ اور باوجود امارت نواب صاحب موصوف ہمیشہ آداب خوردانہ کے ساتھ پیش آتے تھے۔ اگرچہ ظاہراً کوئی تنخواہ وغیرہ مقرر نہ تھی مگر ہمیشہ نیازمندانہ اور مخلصانہ طریق پر مرزا صاحب کی مالی امداد کرتے رہتے تھے۔

نواب صاحب اگرچہ خود شاعر نہ تھے مگر شعر و شاعری کے دلدادہ تھے۔ جوہر قابل اور ذی استعداد تھے۔ ہمیشہ مرزا سے اُن کا کلام منگاتے سنتے اور پھر لطف اُٹھاتے۔ مرزا کی غزلیں ارباب نشاط کو یاد کرائی جاتیں اور محفل عیش و نشاط میں گائی جاتیں مرزا صاحب کے خلوص کا بھی یہ عالم تھا کہ باوجود پیرانہ سری اور مصائب کے ہمیشہ ان کی خاطر عزیز رکھتے اور برابر کلام بھیجتے رہتے تھے جا بجا خطوط میں اس مرسلت کلام کا ذکر موجود ہے ایک جگہ لکھتے ہیں۔

"عطوفت نامہ کی رو سے دو غزلوں کی رسید معلوم ہوئی۔ تیسری غزل گوہر نتواں گفت۔ اختر نتواں گفت۔ جو تمہارے حسب الطلب بھیجی گئی ہے کیا نہیں پہونچی بیشبہ پہونچی ہو گی تم بھول گئے ہو گے۔ وکیل حاضر باش دربار ایزد الٰہی یعنی علائی مولائی نے اپنے مؤکل کی خوشنودی کے واسطے

فقیر کی گردن پر سوار ہو کر ایک اردو کی غزل لکھوائی۔ پسند آئے تو مطرب کو سکھائی جائے۔ جھنجوٹی کے اونچے سُروں میں راہ رکھوائی جائے۔ اگر جیتا رہا تو جاڑوں میں آکر میں بھی سن لونگا!

غرضکہ نواب موصوف کے زمانۂ حیات تک یہی اتحاد و ارتباط دوستی و یگانگت کا برتاؤ رہا۔ اور باہمی سلسلہ مراسلت و مکاتبت جاری رہا۔ اور ان کے بعد نواب علاء الدین احمد خاں مسند نشین ہوئے۔

بیخبرؔ خاں بہادر ذوالقدر خواجہ غلام غوث

غلام غوث نام تھا۔ آخر عمر میں الہ آباد میں قیام اختیار کیا تھا اور وہاں کے معزز رؤسا میں تھے۔ نواب لفٹنٹ گورنر بہادر کے میر منشی تھے۔ کہتے ہیں کہ انکے مورث اعلیٰ سلطان زین العابدین شاہ کشمیر کے رہنے والے تھے اور سلاطین مغلیہ کے عہد حکومت میں انکے بزرگ عہدۂ قضا پر کشمیر میں ممتاز رہے۔ اور اکثر نازک اور اہم خدمات بھی ان کے خاندان کے ارکین کے سپرد رہیں۔ مگر مہاراجہ گلاب سنگھ کے عہد میں ان کے والد بزرگوار خواجہ حضور اللہ مع اپنے خسر یعنی بیخبرؔ کے نانا خواجہ فریدالدین کے وہاں کی سکونت ترک کر کے لاسہ (تبت) چلے گئے۔ اور وہاں بھی انکی کافی عزت و وقعت کیگئی اور مسلمانوں کے مقدمات ان کے سپرد ہوئے۔ عرصہ تک وہاں رہے مگر پھر آب و دانہ

ؔ ان کے حالات کے لیے دیکھو صفحہ

کی کشش سے اِن کے والد ماجد وارد نیپال ہوئے۔ اور وہیں مقیم ہو گئے۔
بیخبر نیپال ہی میں ۱۲۴۰ھ میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پانے لگے
مگر ۱۲۴۴ھ میں پھر ان کے والد کو ترک وطن پر مجبور ہونا پڑا۔ اور وہاں سے
سیدھے بنارس آئے اور وہیں اقامت اختیار کر لی۔ خواجہ صاحب
بھی ساتھ آئے اور یہیں پرورش پاتے رہے۔ ۱۸۴۰ء میں سلسلہ
ملازمت شروع ہوا۔ اتفاق سے خواجہ صاحب کو یہیں سے ایک منصب
جلیل پر کام کرنا پڑا۔ یعنی اپنے خالو خان بہادر مولوی سید محمد خاں میر منشی نواب لفٹنٹ
گورنر بہادر مغربی و شمالی کے نائب مقرر ہوئے۔ اسی زمانہ میں گوالیار پر چڑھائی ہوئی
اور لارڈ ڈالن برانے حملہ کیا تو گورنر جنرل کے منشی خانہ میں منسلک ہوئے اور
شریک مہم رہے جسکے جلدو میں بعد اختتام مہم خلعت سے سرفراز ہوئے۔ اور
بعد چند روز کے اپنے خالو کی جگہ پر منشی مقرر ہوئے اور حصول پنشن تک برابر
اسی عہدہ پر کام کرتے رہے غدر ۱۸۵۷ء میں آپنے نہایت وفاداری کیساتھ
انگریزوں کی خدمات کیں اور اس خیرخواہی کے صلہ میں خلعت ہفت پارچہ
جس میں رقم جواہر بھی شامل تھی آپ کو مرحمت کیا گیا۔ ۱۸۷۷ء میں
ملکہ معظمہ کے خطاب شہنشاہی اختیار کرنے کے موقعہ پر آپ کو تمغۂ قیصری ملا
اور ۴۵ سال ملازمت کرنیکے بعد ۱۸۸۵ء میں آپکو پنشن دی گئی اور ذوالقدر
خان بہادر کا خطاب بھی عطا ہوا اسی دوران میں نواب کلب علیخاں مرحوم
والی رام پور نے آپ کو عہدۂ مدار المہامی کے لیے تجویز کیا تھا مگر آپ کو منظور نہوا
اور اپنا وقت عبادت و ریاضت اور دوسرے علمی اشغال میں صرف

کرتے رہے۔

خواجہ صاحب مرحوم ایک نہایت ہی قابل اور ذی استعداد ظریف ظریف ہشاش بشاش آدمی تھے۔ انشاپردازی اور نثاری میں جواب نہ رکھتے تھے۔ شعروشاعری سے بھی ازلی مناسبت اور قدرتی لگاؤ تھا۔ اور زبردست سخن فہم اور سخن سنج تھے۔ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ اور فکر اسقدر صائب تھی کہ سُننے والے آفرین اور مرحبا کہتے تھے۔ اور بڑے بڑے نازک خیال کلام کو سنکر پھڑک جاتے تھے خونابہ جگر رقعات ونظم فارسی۔ فغان بیخبر (رقعات اردو) آپ کی تصنیف سے ہیں جو ۱۸۹۱ء میں چھپکر شائع ہو چکے ہیں۔

مرزا غالب سے نہایت بے تکلفانہ مراسم تھے اور ہمیشہ سلسلہ رسل و رسائل جاری رہتا تھا۔ اور بے تکلفی اس حد پر پہونچی ہوئی تھی کہ مرزا صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں کہ "قبلہ کبھی آپ کو یہ بھی خیال آتا ہے کہ ہمارا دوست جو غالب کہلاتا ہے۔ وہ کیا کھاتا پیتا ہے اور کیونکر جیتا ہے" ایک جگہ بے تکلفانہ لکھتے ہیں "جناب عالی آج دوشنبہ ۳ رجنوری ۱۸۵۹ء کی ہے۔ پہر دن چڑھا ہوگا کہ ابر گھر رہا ہے ترشح ہو رہا ہے۔ ہوا سرد چل رہی ہے پینے کو کچھ میسر نہیں۔ ناچار روٹی کھائی ہے ؎

افق ہاپُر از ابر بہمن مہی سفالینہ جام من از مے تہی

خواجہ صاحب کی ایک غزل دیکھکر لکھتے ہیں کہ "اودھ اخبار میں حضرت کی غزل نظر فروز ہوئی۔ کیا کہنا ہے ابداع اسکو کہتے ہیں جدت طرز اس کا

نام ہے۔ جو ڈھنگ تازہ نوایان ایران کے خیال میں گزرا تھا تم بروئے کار لائے۔ خدا تم کو سلامت رکھے اور میرا اور دکھنی مصنف برہان قاطع کے جھگڑے میں بخلاف فارسی دانوں کے توفیق انصاف عطا کرے۔"

جس زمانہ میں مرزا صاحب کی قاطع برہان کی شہرت ہوئی۔ اور اطراف و جوانب سے لوگوں نے اسکے جواب لکھے تو مرزا صاحب کو معلوم ہوا کہ خواجہ صاحب بھی اسکا جواب لکھ رہے ہیں سخت رنج ہوا۔ اور ایک شکایتی خط لکھا ادہر خواجہ صاحب ایک صاف دل نیک مزاج آدمی تھے ان جھگڑوں سے ہمیشہ علحدہ رہتے تھے انکو یہ خط پڑھکر بڑا رنج ہوا اور مرزا صاحب کو جواب میں اپنے دلی رنج کا حال لکھا۔ مرزا صاحب نے یہ فقرہ پہلے لکھا تھا "کہ خارج سے یہ مسموع ہوا کہ میں نے جو اغلاط برہان قاطع کے نکالکر ایک نسخہ موسوم بہ قاطع برہان لکھا ہے اور ایک مجلد اوسکا آپ کو بھی بھیجدیا ہے۔ آپ اوس کی تردید میں رسالہ لکھ رہے ہیں۔ اگرچہ باور نہیں آیا مگر عجب آیا" جب اس خط کا جواب ملال آمیز موصول ہوا تو مرزا نے یہ خط لکھا ؎

"میں سادہ دل آزردگی یار سے خوش ہوں یعنے سبق شوق مکرر نہوا تھا

پیر و مرشد خفا نہیں ہوا کرتے۔ یوں سُنا۔ مجھے باور نہ آیا یہانتک تو میں مورد عتاب ہو نہیں سکتا۔ جھگڑا استعجاب پر ہے۔ محل استعجاب وہ ہے کہ آپکا دوست کہتا ہے کہ میر منشی نواب لفٹننٹ گورنر بہادر میرے شاگرد ہیں اور وہ قاطع برہان کا جواب لکھ رہے ہیں۔ اولیا کا یہ حال ہے۔ ولے بر حال ہم اشقیا کے۔ یہ حکایت ہے شکایت نہیں دنیاداری کے لباس میں

فقیری کر رہا ہوں لیکن فقیر آزاد ہوں نہ شیاد کمیا دیش ستر برس کی عمر ہے
بے مبالغہ کہتا ہوں ستر ہزار آدمی نظر سے گزرے ہونگے زمرۂ خواص میں سے
عوام کا شمار نہیں۔ دو مخلص صادق الولا دیکھے ایک مولوی سراج الدین رحمۃ اللہ
علیہ دوسرا منشی غلام غوث بیخبر سلمہ اللہ تعالٰی" غرضکہ چند روز میں جانبین
میں صفائی ہوگئی اور پھر تادم آخر وہی خلوص و اتحاد جاری رہا۔

خواجہ صاحب سے اور والد مرحوم سے بہت ارتباط و اتحاد تھا۔ وہ
جب آلہ آباد جاتے تو خواجہ صاحب ہی کے دولت کدے پر ٹھیرتے میں
بھی اکثر ساتھ ہوتا تھا۔ سب سے پہلے [illegible]ء میں خود انہیں کے دولت خانے
پر خواجہ صاحب کی زیارت مجھ کو نصیب ہوئی۔ اُس زمانہ میں حضرت [illegible]
سبزی منڈی میں ایک وسیع مکان میں قیام فرماتے تھے باہر کے مکان
میں بعض اعزا بطور دوام کے اقامت گزیں تھے۔ گرمی کا موسم تھا۔
خواجہ صاحب سہ پہر کے وقت نماز عصر سے فراغت کرکے باہر تشریف
لاتے تھے۔ میں نے ایسی پابندی وقت اور پابندی وضع کسی دوسرے ہندوستانی
شخص میں نہیں دیکھی۔ صحن میں چھڑکاؤ ہوکر کرسیاں مونڈھے دو رویہ بچھا
دیے جاتے تھے۔ صدر میں ایک اونچی کرسی سامنے ایک چھوٹی سی میز
جس پر خاصدان وغیرہ رکھا جاتا تھا اِدھر اُدھر دو بڑے اگالدان۔ جناب مرحوم
پابندی وقت کے ساتھ ہاتھ میں تسبیح لیے محلسرا سے برآمد ہوتے اور
اُسی صدر کی کرسی پر متمکن ہوجاتے۔ دونوں طرف کرسیوں اور مونڈھوں
پر لوگ اپنے اپنے مرتبہ اور نیز باعتبار اس درجہ ارتباط اور دوستی کے جو خواجہ صاحب

کے ساتھ اُن کو حاصل ہوتا اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ جاتے تھے میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ کوئی شخص جو ایک مرتبہ کرسی پر بیٹھا ہو وہ دوسرے دن مونڈھے پر بیٹھے یا برعکس اسکے مونڈھے پر بیٹھنے والا کبھی کرسی نشینی کی جرأت کرے۔ خواجہ صاحب بہت کثیر الاحباب اور خلیق اور ملنسار تھے۔ لوگ دُور دُور تک سے اکہ اور گاڑی پر سوار ہو ہو کر روزانہ ملنے آتے اور اس کو اپنی وضعداری سمجھتے تھے۔ کبھی بڑے بڑے معزز اور با اثر حضرات جب الہ آباد میں وارد ہوتے تو خواجہ صاحب کی ملاقات اور زیارت کو اپنی سعادت سمجھکر اُنسے ملنے آتے۔ مگر دو باتوں پر میں نے غور کیا ایک یہ کہ خلاف وقت وہ کبھی کسی سے نہ ملتے تھے اور دوسرے یہ کہ بوقت ملاقات وہ اپنی کرسی کسی بڑے سے بڑے آدمی کیواسطے بھی نہیں چھوڑتے تھے اور لوگ اسکا بُرا بھی نہیں مانتے تھے۔ ایک مرتبہ میرے سامنے نواب محسن الملک تشریف لائے اور باوجود بزرگی سن اور بزرگی مرتبہ کے خواجہ صاحب سے نہایت خوددارانہ طریق پر بہت جھک کر بغلگیر ہوئے اور پاس بیٹھ گئے۔

مولوی ذکاء اللہ خاں مرحوم سُنا گیا ہے کہ اپنے قیام الہ آباد کے زمانہ میں روزانہ ملنے آتے تھے۔

خواجہ صاحب باوجود کبرسن کے توانا اور تندرست اور نہایت خوش خوراک خوش پوشاک اور خوش سلیقہ آدمی تھے۔ میں اُس زمانہ میں نوعمر تھا مگر خواجہ صاحب کے معاش اور معاد دونوں کی خوش انتظامی کو دیکھکر اور اُس سے متاثر ہوکر دل میں دعائیں مانگا کرتا تھا کہ یا اللہ بڑھاپے

میں میں بھی اسیطرح زندگی بسر کروں۔

خواجہ صاحب اُس زمانہ میں خضاب کے بہت پابند تھے تیسرے دن وقت مقررہ پر خاص خط تراش حاضر ہوتا اور صلاح و تخفیف کے نازک خدمات سے ایک عرصہ میں فارغ ہوتا تھا۔ میں نے اوس زمانہ میں جناب موصوف کی داڑھی حدود مقررہ سے متجاوز کبھی نہیں دیکھی اور نہ کبھی ایک بال سفید دیکھا۔ مگر بعد کو میرے خیال میں ۱۸۹۰ء کے بعد سے خضاب چھوڑ دیا اور داڑھی بھی بڑھا دی تھی۔

اتوار کے دن احباب کا مجمع آٹھ نو بجے صبح سے ہوتا تھا اور اُس دن سب لوگ خواجہ صاحب ہی کے ساتھ کھانا کھاتے تھے۔ بعد فراغ طعام شعر و سخن کی محفل گرم ہوتی اور لطائف و ظرائف اور خوش گپیوں میں وقت صرف ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ بلبل کوچک ایک ایرانی رند سائل اسی اتوار کے جلسہ میں حضرت کے یہاں پہونچا اور لوگوں کو اپنے الحان و انشاد سے بہت محظوظ کیا خواجہ صاحب کے پاس بیدل کا دیوان نہایت عمدہ قلمی تھا شاید مرزا بیدل کی رنگین شبیہ بھی اس میں شامل تھی چونکہ خواجہ صاحب کو بیدل کا کلام پسند تھا اور اکثر اُسکے اشعار خود پڑھتے یا سُنکے لطف اُٹھاتے۔ بلبل کوچک کو یہ معلوم تھا۔ نہایت اصرار اور منت سماجت سے دیوان مذکور اندر سے نکلوایا اور اُسکے اشعار اتنے زور سے چیخ چیخ کر گانے لگا اور بعض اشعار پر از خود رفتہ ہوکر لوٹنے لگا کہ لوگ ہنسنے لگے۔

خواجہ صاحب نہایت مہذب اور متین بزرگ تھے۔ اور عجب و مغرور ہرگز نہ تھے۔ بعض لوگ جو اُن کی اس خود داری اور سلف ریسپکٹ کو نہیں سمجھتے تھے وہ اُن پر عُجب و غرور کا الزام لگاتے تھے مگر حاشا کہ ایسا نہ تھا بلکہ وہ تو مجسم خلق و تواضع تھے۔ اور پاس دوستی اور حفظ مراتب کو اعلےٰ درجہ کی وضعداری سمجھتے تھے۔ خاکسار راقم پر شفقت بزرگانہ فرماتے اور عزیزانہ محبت سے پیش آتے تھے۔

خواجہ صاحب مرحوم نے پیرانہ سالی میں بھی زندہ دلی اور علمی اشغال کو جاری رکھا اور اسی عالم میں ۱۹۰۵ء میں بمقام الٰہ آباد وفات پائی۔ اگرچہ اُنھوں نے فارسی اور اردو میں بہت کچھ کہا مگر افسوس کہ نمونہ کلام کے لیے اس سے زیادہ شعر نہ مل سکے ؎

چشم کسے باز شد ز خواب فتنہ از و بجا رسواست / پردۂ رخ کہ برکشاد مہر ز شرم زرد رواست؟
رخت خود بہ آب رفت عارضِ شرمگیں کسے / غرقۂ آب حیرت است آئینہ با کہ روبرواست؟
جامہ کسے کرد زیب تن صبح دریدہ پیرہن / بند قبا کہ بستہ است نکہت گل بہ بند اوست؟
غازہ بہ رخ کہ برکشید رنگ بروے گل شکست / ابروے کیست و سمہ تاب گردن خلق تیغ جواست؟
دست کسے در حنا گرفت لالہ تر بخون نشست / چشم کسے سرمہ گشت ناطقہ سرمہ درگلواست؟
جام صبوحی کہ زد شیشہ بسجدہ میرود / مے زلب کہ کام یافت جوشش نشاط در سبواست؟
چہرہ کسے کہ برفروخت نشأۂ شوق شد بلند / زلف کسے بروے برفشاند موج نسیم مشکبواست؟
تیغ نگہ کہ آب داد گشتہ فگار سینہ ہا / نوک مژہ کہ تیز کرد دامن زخم بے رفواست؟
غنچہ زخندۂ لب بلب تنگ تبسم کہ دید / در گہر آبرو نماند لعل کہ گرم گفتگواست؟

طرف کلہ کہ بر شکست شیشۂ دل شکستہ شد — قامت خود کہ راست کرد نخل مراد در نمو است!
موئے کمر کہ تاب داد رشتۂ جاں زہم گسیخت — دامن ناز را کہ ہشت خاک زمیں بآبرو است!
بر سر زین کجا نشست رفتہ زکف عنان صبر — سوئے چمن کہ میرود باد صبا برفت و رو است!

بخت کجاست بخیر تا برکاب او دوم
بر سر رہ نشستہ ام نیم نگاہم آرزو است

تفتہ - منشی ہرگوپال

منشی ہرگوپال نام تھا تفتہ تخلص کرتے تھے۔ اور بسبب اتحاد و موانست غالب مرحوم نے مرزا کا خطاب دیا تھا۔ ۱۲۱۴ھ میں محلہ قانون گویاں قصبہ سکندر آباد ضلع بلند شہر میں پیدا ہوئے اور زیادہ حصہ عمر کا اسی مشہور و معروف قصبہ اور اسی محلہ میں گزارا۔ کچھ دن خود بھی عہدہ قانونگوئی کے فرائض انجام دیتے رہے مگر شعر و شاعری کا ذوق ایسا تھا کہ اُسنے کسی دوسری طرف توجہ نہ کرنے دی اور آخر کار ہر کام سے سبکدوش ہوگئے۔

مرزا غالب مرحوم سے انہیں اور غالب مرحوم کو ان سے دلی خلوص تھا۔ مرزا ایک مرتبہ ۱۸۶۶ء میں بیمار ہوئے خط و کتابت کے ذریعہ سے تفتہ کو یہ حال معلوم ہوا باوجود آشفتہ حالی فوراً سکندر آباد سے دلی گئے۔ اور جبتک اپنی آنکھوں سے اُستاد کی حالت نہ دیکھ لی چین نہ آیا۔ اسیطرح جب کوئی

ضرورت یا کوئی خاص بات ہوئی بلا تامل سکندر آباد سے ریل میں سوار ہو کر دلّی پہونچ جاتے اور مہینوں رہتے اپنے مخدوم کی خدمت کرتے اور ادبی فیض اٹھاتے تھے۔

یہی حال مرزا صاحب کا بھی تھا کہ سچے دل سے تفتہ پر مہربان اور ان کے قدرداں تھے کسی طرح ان کے دل پر ملال واندوہ کے روادار نہ ہوتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ کا ذکر ہے۔ کہیں کسی طرح تفتہ کو یہ معلوم ہوا کہ مرزا صاحب مجھ سے آزردہ ہیں۔ صاف دلی نے صاف گوئی پر مجبور کیا۔ فوراً خط لکھا۔ مرزا صاحب نے خط پڑھ کے جواب میں لکھا کہ "مرزا تفتہ جو کچھ تم نے لکھا بیدردی اور بدگمانی ہے۔ معاذ اللہ تم سے اور آزردگی۔ مجھ کو اس پر ناز ہے کہ میں ہندوستان میں ایک دوست صادق الولا رکھتا ہوں جس کا ہرگوپال نام اور تفتہ تخلص ہے"۔ اسی طرح دوسرے خطوط میں بھی محبت اور خلوص ہے کہ ٹپکا پڑتا ہے۔ انس و موانست ہے کہ سیکڑوں پردوں سے ظاہر ہوئی جاتی ہے۔ سو خط ہیں تو سو طرح سے تخاطب ہے۔ کہیں بھائی لکھتے ہیں کہیں دوست کہتے ہیں۔ کہیں مرزا تفتہ کہکر پکارتے ہیں۔ کہیں جوش محبت میں میری جان کہہ جاتے ہیں کسی جگہ پیار میں برخوردار قلم سے نکل جاتا ہے کہیں فرط محبت وخلوص میں بچھے جاتے ہیں۔ کہیں بزرگانہ قہرمانی سے چشم نمائی کرتے ہیں۔ کبھی ضرورت پڑتی ہے تو کہتے ہیں کہ روپیہ بھیجو کہیں تفتہ کی پریشاں حالی کا خیال آتا ہے تو لکھتے ہیں بیکار کیوں بیٹھے ہو بنک کا روپیہ سب کھا گئے اب کیا کروگے۔ کہیں صلاح دیتے ہیں تو غزل کی غزل

کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور کہیں داد دیتے ہیں تو لکھتے ہیں "میاں مرزا تفتہ ہزار آفریں کیا اچھا قصیدہ لکھا ہے۔ واہ واہ چشم بد دور" کہیں خوش ہوتے ہیں تو ظریفانہ چٹکیاں اور گدگدیاں ہیں۔ کہیں پہروں اپنی داستان رنج وملال کا رونا ہے غرضکہ تعلقات وارتباط کی زنجیریں ہیں جن کی ایک کڑی دوسری کڑی سے ایسی ملی ہوئی ہے کہ کوئی طاقت اُس کو جُدا کر ہی نہیں سکتی۔ اور کوئی سبب اوسکو آزار پہونچا ہی نہیں سکتا۔

تفتہ شعر وشاعری کے اوائل عمر ہی سے دلدادہ تھے۔ فارسی میں کئی دیوان کہے تھے جن میں سے دو تین چھپ بھی گئے ہیں۔ مگر مرزا کی اصلاح اور خداداد طبیعت نے وہ رنگ دکھایا ہے کہ بڑے بڑے استادوں سے کلام ٹکر کھاتا ہے۔ مرزا صاحب ان کو اصلاح سے مستغنی جانتے ہیں اور انکی قوت مشق کو درجۂ کمال پر مانتے ہیں۔ ایک خط میں لکھتے ہیں۔ "بھائی تمہاری مشق چشم بد دور صاف ہوگئی رطب ویابس تمہارے کلام میں نہیں رہا۔ اور اگر خواہی نخواہی تمہارا عقیدہ یہی ہے کہ اصلاح ضرور ہے تو میری جان میرے بعد کیا کروگے۔ میں تو چراغ دم صبح وآفتاب سرکوہ ہوں" ایک جگہ کہتے ہیں "مشق تمہاری پختہ ہوگئی۔ خاطر میری جمع ہے" ایک اور جگہ ظرافت کا رنگ دیکر فرماتے ہیں "تمہارا کلام پختگی کو پہونچ گیا ہے۔ اصلاح طلب نہیں رہا ہے۔ شیر اپنے بچہ کو ایک مدت تک آئین شکار سکھاتا ہے۔ جب وہ جوان ہوجاتا ہے تو خود بے اعانت شیر شکار کیا کرتا ہے"

تفتہ کے مزاج میں تصوف کا مذاق بہت زیادہ تھا۔ اسی کا جابجا

اون کے کلام میں پرتو ہے نہایت پاک مشرب نیکدل صوفی منش آدمی تھے ایک مرتبہ ترک لباس کا ارادہ کیا۔ مرزا کو خبر ہوئی کسی طرح کہہ سُنکر باز رکھا۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔ "کیوں ترک لباس کرتے ہو پہننے کو تمہارے پاس ہے کیا جس کو اُتار کر پھینکو گے۔ ترک لباس سے قیدِ ہستی مٹ نجاوے گی بغیر کھائے پیئے گزارہ نہو گا۔ سختی و سُستی رنج و آرام کو ہموار کرد و جس طرح سے ہو اسی صورت سے بہر صورت گزرنے دو سے

تاب لاتے ہی بنے گی غالب واقعہ سخت ہو اور جان عزیز"

مرزا تفتہ کا ایک بچہ آغاز شباب میں قضا کر گیا تھا جسکا نام تمبر تھا۔ اسکے مرنیسے ان کو سخت صدمہ پہونچا جسکا ایک نوحہ انکے کسی دیوان میں موجود ہے اوس وقت سے کچھ ایسے دل برداشتہ ہو گئے تھے کہ دنیا کے مشاغل میں جی نہ لگتا تھا۔ مگر مرزا اُنکو ہنسا ہنسا کر اور شیریں نصیحتیں کر کر کے شعروشاعری کیطرف راغب کرتے تھے۔

زمانہ کے رسم و رواج کی موافق مرزا تفتہ ہمیشہ فارسی ہی کہتے تھے۔ اُردو نہ اُسوقت تک اتنی زیادہ مقبول تھی اور نہ لوگ اُسکو معیار کمال سمجھتے تھے۔ مگر فارسی شاعری کیطرف وہ آخر عُمر تک متوجہ رہے اور ایک دراز عمر پاکر عالم ضعیفی میں مرزا غالب کی وفات کے دس برس بعد ۱۸۷۹ء میں عالم فانی سے رہگرائے ملک جاودانی ہوئے۔

اُن کے اُردو کلام میں مرزا غالب مرحوم کا قطعہ وفات دستیاب ہوتا ہے جو مومن خاں کی اُس تاریخ کے طرز پر کہا گیا ہے جو اُنھوں نے شاہ عبد العزیز

محدث دہلوی کے غم وفات میں لکھا ہے ؎

غالبؔ وہ شخص تھا ہمہ داں جسکے فیض سے | ہمسے ہزار ہیچداں نامور ہوئے
فیض و کمال و صدق و صفا و حسن عشق | چہ لفظ اُسکے مرتے ہی بے پا و سر ہوئے

ولہ

اے نالہ سوئے چرخ مرو گرم گرم | با پیر نزیبد سرآزار جواں را

ثاقبؔ نواب شہاب الدین احمد خان

نواب شہاب الدین احمد خاں ثاقبؔ نواب ضیاء الدین احمد خاں والی لوہارو کے بڑے بیٹے تھے۔ زیادہ تر دلّی میں رہتے تھے۔ مرزا صاحب کے سسرال کے رشتہ سے بھتیجے تھے۔ اور مرزا کو اِن کے ساتھ اتنی محبت تھی کہ اپنے بچوں سے زیادہ ان کو چاہتے تھے۔ بہروں اختلاط اور بزرگانہ محبت کی باتیں کرتے تھے اور انکی تعلیم و تربیت میں مصروف رہتے تھے۔

ثاقبؔ کی ذاتی قابلیت ایسی تھی کہ اچھے اچھے ذی استعداد ان کی برابری نہ کر سکتے تھے نہایت نیک نفس ملنسار اور حکام رس تھے۔ چنانچہ اسی وجہ سے دہلی میں آنریری مجسٹریٹ کے جلیل القدر عہدہ پر ممتاز ہو گئے تھے دہلی کے نہایت مشہور و معروف لوگوں میں تھے۔

شعر و شاعری کا ابتدائے عمر ہی سے ذوق و شوق تھا۔ مرزا

۱؎ مومن کا مادہ تاریخ یہ ہے ؎ دست بیداد اجل سے بے سر و پا ہو گئے * فقر و دین فضل و ہنر لطف و کرم علم و عمل

ہی سے صلاح لیتے تھے۔ اور حتی الوسع مرزا ہی کا اتباع کرتے تھے۔ درد
اثر۔ معانی آفرینی اور صفائی زبان نشست الفاظ اور چستی بندش کا ہمیشہ
خیال رکھتے تھے۔ اور ہمیشہ مشق سخن جاری رہتی تھی۔

مرزا ہمیشہ ان کے ساتھ اپنے بچوں کی طرح پیش آتے تھے
اور ان کے جی بہلانے کی طرح طرح کی تدبیریں کرتے تھے۔ کہیں اگر تنبیہ بھی
کرتے تو اسطرح کہ ناگوار نہو اور بجائے رنج کے اور ہنسی آتی تھی۔ ثاقب مرزا
کے کلام کی نقل کرلیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ مرزا نے وہ مجموعہ دیوان ان سے
مانگا انہوں نے حوالہ کیا۔ اتفاق سے اوس میں کچھ غلطیاں تھیں۔ اور
مزید براں یہ بات تھی کہ کسی کے شعر مرزا کے نام سے دیوان میں لکھدیئے گئے
تھے۔ مرزا نے وہ دیوان دیکھا۔ بڑا غصہ کیا۔ فوراً ایک رقعہ لکھا۔

"بھائی شہاب الدین خاں واسطے خدا کے یہ تم نے اور حکیم نجف خاں
نے میرے دیوان کا کیا حال کردیا ہے۔ یہ اشعار جو تم نے بھیجے ہیں۔ خدا جانے
کس ولد الزنا نے داخل کردیے ہیں۔ دیوان تو چھاپے کا ہے متن میں اگر یہ
شعر ہوں تو میرے ہیں اور اگر حاشیہ پر ہوں تو میرے نہیں۔ بالفرض اگر
یہ شعر متن میں پائے بھی جاویں تو یوں سمجھنا چاہیے کہ کسی ملعون نے جلب نے
اصل کلام کو چھیل کر یہ خرافات لکھدیئے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ جس مفد کے یہ شعر
ہیں اوسکے باپ پر اور دادا پر اور پردادا پر لعنت اوز ہفتاد پشت تک
ولد الحرام۔ اسکے سوا اور کیا لکھوں۔ ایک تو لڑکے میاں غلام نجف دوسرے
تم۔ میری کمبختی بڑھاپے میں آئی کہ میرا کلام تمہارے ہاتھ پڑا۔"

ایک مرتبہ ثاقب کو کوئی خط لکھا تھا اُن سے جواب میں دیر ہوئی۔ مرزا نے فوراً یہ رباعی لکھکر بھیجی ؎

رقعہ کا جواب کیوں نہ بھیجا تم نے | ثاقب حرکت یہ کی ہے بیجا تم نے
حاجی کلّو کو دیکے بیوجہ جواب | غالب کا پکا دیا کلیجا تم نے

ایک مرتبہ ثاقب سے رمضان کی کیفیت اس طرح پوچھتے ہیں ؎

اے روشنی دیدۂ شہاب الدین خاں | کٹتا ہے بتاؤ کس طرح سے رمضاں
ہوتی ہے تراویح سے فرصت کب تک | سُنتے ہو تراویح میں کتنا قرآں

افسوس کہ عین عالم شباب میں ۱۹ اپریل ۱۸۶۹ء مطابق ششم محرم ۱۲۸۶ھ یوم دوشنبہ کو بعارضۂ تپ اسہال ہنگام سحر دہلی میں انتقال کیا۔ مرتے وقت قدم شریف میں دفن ہونے کی وصیت کی تھی چنانچہ حسب وصیت اپنے چچا شمس الدین احمد خاں مرحوم کے پہلو میں قدم شریف کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ مرزا قربان علی بیگ سالک نے تاریخ کہی ؎

از صدمۂ مرگ ثاقب والا جاہ | ہر سو ست صدائے نالہ ہائے جانکاہ
تاریخ وفات او چنیں سالک گفت | روز ششم مہ محرم صد آہ ۱۲۸۶ھ

آپنے چار صاحبزادے اور ایک لڑکی یادگار چھوڑی۔ صاحبزادوں کو میراث پدری کے علاوہ شاعری بھی ارث میں ملی۔ چنانچہ آپ کے بڑے صاحبزادے نواب شجاع الدین احمد خاں تاباں مرحوم اور نواب سراج الدین احمد خاں صاحب سائل دہلی کے نہایت ممتاز اور مشہور و معروف شاعروں میں ہیں افسوس کہ تاباں مرحوم نے بھی اسی سال یعنی ۱۹۲۹ء میں انتقال کیا۔

نمونۂ کلام

کیوں وعدہ کرو بیخبر آجاؤ کسی وقت ہوں وصل کا خواہاں نہیں مشتاق خبر کا
اُس عصر میں کہتے تھے اسے پیارے طوفان کا بچپن کا ہی یہ نام مرے دیدۂ تر کا
ہر شخص کا دل شہر میں کھنچتا ہے اُدھر کو کیوں اور سے پوچھے کوئی رستہ ترے گھر کا

سمجھے ہوئے تھے قبر کو ہم کنج عافیت دیکھا تو یاں بھی امن و اماں کا مکاں نہ تھا
جو کام میں غیر کے ہوئیں صرف افسوس وہ دلربا ادائیں
نہیں عقل سے عشق خالی کہ اس میں بڑے تجربے ہمکو حاصل ہوئے ہیں

دلکا سودا ہی خفا ہونیکی کچھ بات نہیں گفتگو رہتی ہی بالچ کو خریدار کیساتھ
دانہ پانی کے خبر لینے کی توفیق نہیں کھیلنا جانتے ہیں مرغ گرفتار کیساتھ
بیٹھے ہیں ہمتو اب دل بے آرزو لیے وہ دن گئے کہ داغ تمنا اُٹھائیے

جنون خان دہبا قاضی عبد الجمیل بریلوی

اُن کا نام عبد الجمیل تھا جنون تخلص کرتے تھے۔ اُنکے اسلاف واجداد شاہان تیموریہ کے زمانۂ عروج سلطنت میں مصر سے دہلی آئے اور

فرمانروائے ہند نے اُن کی نہایت قدر و منزلت کی مختلف و متفرق عہدہ ہائے جلیلہ پر سرفراز کیا متعدد شہروں میں مناصب جلیلہ پر کام کرتے رہے۔ اور خصت کارپنشن بریلی میں بعہدہ قضا مامور ہوئے اور یہیں رہ پڑے۔ حاکم وقت کی نظروں میں آپ کے بزرگوں کا مقدر وقار اور اعتبار قائم ہو گیا تھا کہ شاہان دہلی اور شاہان اودھ دونوں عزت کرتے اور اونکی بات مانتے تھے۔ چنانچہ دونوں سلطنتوں کے مابین جو امور نزاعی ہوتے وہ اُن ہی کے ذریعہ سے طے ہوا کرتے تھے۔

قاضی صاحب موصوف ۱۲۴۱ھ میں بمقام بریلی پیدا ہوئے اور ۱۸ برس کی عمر میں تحصیل علوم سینہ عربی اور فارسی سے فراغت حاصل کی اسی زمانہ میں شعر و شاعری کا ذوق پیدا ہوا اور مشق کرنے لگے جب ذرا مشق پختہ ہو چلی تو مرزا صاحب کو اصلاح کلام کے لیے تجویز کر کے ۱۲۶۹ھ میں دو ایک غزلیں بھیجیں۔ مرزا کو ضعف پیری اور آلام نے گھیر رکھا تھا پریشان تھے دوسرے جب تک کسی کو اچھی طرح جانچ نہ لیتے تھے اوس سے بے تکلف نہوتے تھے۔ غرض انھیں وجوہ سے آئی ہوئی غزلیں یہ لکھ کر واپس کر دیں کہ میں نے نہ تو آپکی غزلوں میں کچھ عیب پایا کہ اوس پر اصلاح کرتا۔ اور نہ اس اصلاح سے کوئی فائدہ ہے جبتک کہ اُستاد کی صحبت میں نہ رہے اور مدتوں تک اوس کی روش کو پیش نظر نہ رکھے اُس وقت تک کام نہیں چل سکتا۔ مبدأ فیاض سے ہمت طلب کیجئے اور مشق کئے جائیے۔ آپ کی لیاقت اور قابلیت رہبری کرے گی اور

اصلاح کی ضرورت نہ رہے گی۔ مگر قاضی صاحب نے اس تحریر کو صرف
ایک دفع الوقتی خیال کیا اور متعدد خطوط بھیجے۔ مرزا بدخلق تو تھے نہیں
ٹالنا چاہتے تھے مجبوراً اصلاح دینا شروع کردی۔ اور رفتہ رفتہ بہت
زیادہ مہربان ہوگئے۔ مگر آلام جسمانی اور تکالیف روحانی اسقدر بڑھ گئی
تھیں کہ ہوش و حواس بجا نہ تھے چنانچہ ایک خط کے جواب میں لکھتے ہیں کہ
"۱۲۷۷ھ میں میرا نہ مرنا صرف میری تکذیب کے لیے تھا مگر اس تین برس
میں ہر روز مرگ نو کا مزا چکھتا رہا ہوں۔ حیران ہوں کہ کوئی صورت زیست
کی نہیں پھر میں کیوں جیتا ہوں۔ روح میری اب جسم میں اس طرح گھبراتی
ہے جس طرح طائر قفس میں۔ کوئی اختلاط کوئی جلسہ کوئی مجمع پسند نہیں۔
کتاب سے نفرت شعر سے نفرت۔ روح سے نفرت جسم سے نفرت۔ یہ
جو کچھ لکھا ہے بیان واقع اور بے مبالغہ ہے ؎

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بروم"

نسیان کا یہ عالم تھا کہ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ "خلیفہ حسین علی صاحب رام پور
میں مجھ سے ملے ہونگے مگر واللہ مجھکو یاد نہیں۔ نسیان کا مرض لاحق ہے
حافظہ گویا نہ رہا۔ شامہ ضعیف۔ سامعہ باطل۔ باصرہ میں نقصان نہیں
حدت البتہ کچھ کم ہوگئی ہے ؎ پیری و صد عیب چنیں گفتہ اند" ایک جگہ
لکھتے ہیں۔ "میں تندرست ہوں نہ رنجور ہوں زندہ بدستور ہوں۔ دیکھئے
کب بلاتے ہیں اور جب تک جیتا ہوں اور کیا دکھاتے ہیں"۔ ایک مرتبہ
قاضی صاحب کی خواجہ غلام غوث بیخبر سے ملاقات ہوئی۔ اثنائے ملاقات

میں مرزا صاحب کا ذکر آیا۔ قاضی صاحب نے مرزا کے آلام و اسقام کا ذکر اور بیماری اور پریشانی کے شدائد کا حال بیان کیا۔ خواجہ صاحب نے ہنسی ہنسی میں کہا کہ مرزا صاحب تو اب اچھے خاصے تندرست ہیں کچھ بسیار رو بیمار نہیں ہیں۔ قاضی صاحب نے اس ملاقات کا ذکر اور تندرستی معلوم ہونے کا حال مرزا صاحب کو لکھا۔ مرزا نے یہ جواب دیا " مولوی غلام غوث خانصاحب بہادر میر منشی کا قول سچ ہے۔ اب میں تندرست ہوں پھوڑا پھنسی کہیں نہیں۔ مگر ضعف کی وہ شدت ہے کہ خدا کی پناہ ضعف کیونکر نہو برسوں صاحب فراش رہا ہوں۔ ستّر برس کی عمر جتنا خون بدن میں تھا بے مبالغہ آدھا اُس میں سے پیپ ہو کر نکل گیا۔ سن کہاں جواب پھر تولید دم صالح ہو۔ بہر حال زندہ ہوں اور ناتوان پھر آپ کی پرسش ہائے دوستانہ کا ممنون احسان و السلام"۔

قاضی صاحب ہمیشہ تحفے تحائف مرزا کی خدمت میں ارسال کرتے رہتے تھے اور ادھر مرزا صاحب کا یہ عالم تھا کہ شفقت بے پایاں فرماتے اور قبول تحائف سے شرمندہ ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ قاضی صاحب نے کچھ آم بھیجے مرزا نے قبول کر لیے۔ اگلے سال آموں کی فصل میں قاضی صاحب نے پھر لکھا کہ آم بھیجتا ہوں۔ مرزا صاحب نے لکھا کہ " آموں کے باب میں جو کچھ لکھا یہ کیوں لکھا۔ اہدا کو دوام کیا ضرور ہے۔ خصوصاً جبکہ بذات خود حادث ہو۔ حضرت اب کی سال آم ہر جگہ کم ہے۔ اور جو کچھ ہے وہ خشک و بےمزہ ہے۔ آم کہاں سے ہو نہ پھاوٹ نہ برسات۔ دریا پایاب ہو گئے کنویں سوکھ گئے۔ اثمار میں طراوت کہاں سے ہو۔ جناب اسکا خیال نفرما دیں اپنے کشوف کو غلط کرونگا۔ بر گال

آیندہ تک جیونگا۔ آپ کے موسم میں آم کھاؤنگا" یہ کشف اسی تاریخ کیطرف اشارہ ہے جو مرزا نے اپنی زندگی میں اپنی وفات کے لیے کہہ رکھی تھی ؎

من کہ باشم کہ جاوداں باشم | چوں نظیری نماند طالب مرد
در بگویند در کدامی سال | مرد غالب بگو کہ غالب مرد

باوجود اس ارتباط و اختلاط کے قاضی صاحب کو مرزا صاحب کیخدمت میں حاضر ہونیکا کبھی موقع نہ ملا تھا۔ جب مرزا صاحب مسند نشینی نواب کلب علیخاں مرحوم والی رام پور کی تہنیت میں رام پور تشریف لے گئے تو قاضی صاحب نے توجہ دلائی کہ بریلی رام پور سے کچھ دور نہیں ہے۔ نمائش گاہ کا زمانہ ہے۔ تشریف لائیے اور مشتاق دید کو ممنون فرمائیے۔ مرزا صاحب نے جواب میں لکھا " ۱۲ اکتوبر کو یہاں پہونچا۔ بشرط حیات آخر دسمبر تک دہلی جاؤنگا۔ نمائش گاہ بریلی کی سیر کہاں اور میں کہاں۔ خود اس نمائش گاہ کی سیر میں جس کو دنیا کہتے ہیں دل بھر گیا۔ اب عالم بیرنگی کا مشتاق ہوں لا الٰہ الا اللہ، لاموجود الا اللہ، لامؤثر فی الوجود الا اللہ۔"

قاضی صاحب کی مشق شاعری خود مرزا صاحب ہی کے زمانہ میں اتنی بڑھ گئی تھی کہ مرزا صاحب بھی اسکی داد دیتے اور دل بڑھاتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک قصیدہ دیکھکر کہتے ہیں " اگر مجھے قوت ناطقہ پر کچھ تصرف ہوتا تو قصیدہ کی تعریف میں ایک قطعہ اور حضرت کی تعریف میں قصیدہ لکھتا۔" اوّل اوّل اگرچہ مرزا نے قاضی صاحب کے کلام پر اصلاح کو بہت تالا تھا آخرکار اختلاط و ارتباط اتنا بڑھا کہ رقعوں سے خلوص و محبت دلی کا

اظہار ہوتا ہے۔ کہیں اصلاحی غزلوں کے لکھنے کا طریقہ بتاتے ہیں۔ کہیں ہلکا ہلکا مذاق اور شستہ ظرافت کہیں اُن کی یادآوری کا شکریہ۔ کہیں ہدایا و تحائف کے وصول پر اظہار امتنان۔ یہی وضع آہستہ تک جاری رہی۔ قاضی صاحب نے اپنی زندگی ہی میں اپنا تمام کلام تلف کردیا اور اب چند یہ شعر یادگار ہیں ؎

جو حسیں ہم کو ملا کافر بے دیں ہی ملا
جس کو دیکھا اُسے غارتگر ایماں دیکھا

کہاں تاب کہ آنکھیں ملا سکوں تجھ سے
کہ اک نگہ میں دگرگوں ہے حال محفل کا

میں جو رخصت ہو کے اُس سے پھر گیا تو یہ کہا
کیوں گئے۔ کیوں آئے۔ کیا بھولے تھے۔ کیا یاد آ گیا

سامنے سے یوں نکل جاتے ہیں وہ
اُنسے گویا کچھ شناسائی نہیں

اُنھوں نے آئینہ دیکھا تو میں نے منہ اُنکا
حواس و ہوش بجا وہاں نہیں تو یہاں بھی نہیں

بیمار عشق کو نہ لگا ہاتھ اے طبیب
کچھ درد سر نہیں ہے کہ اچھا دوا سے ہو

نہ سہی لطف و عنایت ستم و جور سہی
غم تو یہ ہے کہ نہیں حال کا پرساں کوئی

گرم کیوں ہوتے ہو اغیار کے آگے مجھ پر
آگ میں ڈالیے پر یوں نہ جلایا کیجیے

تاب طاقت نے دیا فرقت جاناں میں جواب
بار غم ناز نہیں ہو کہ اُٹھایا کیجیے

گالیاں کھا کے رہوں چپ یہی بات اچھی ہے
کہ گر کہتا ہوں تو وہ اور بناتا ہے مجھے

آیا نہ اُن کو تفرقہ جان و دل پسند
دل لیکے تھے جان بھی اب آ کے لیجلے

جوہرؔ منشی جواہر سنگھ

جواہر سنگھ نام تھا۔ جوہر تخلص تھا۔ مرزا غالب کے دوست اور شاگرد تھے۔ فارسی کی استعداد اچھی تھی۔ مرزا نے اِن کے کلام پر توجہ کرکے اُسکو اس طرح اپنے رنگ میں رنگا ہے کہ سراپا تصرف معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ صابر نے اپنے تذکرے میں اُن کی نسبت یہ الفاظ لکھے ہیں "جوہر ایک شخص کا تخلص ہے شاگردانِ مرزا اسد اللہ خاں غالب سے۔ شعر فارسی کا فکر کرتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مرزائے موصوف کی توجہ سے راہ مستقیم پر آگیا ہے کہ اسلوب سخن فی الجملہ سلیقہ پر دلالت کرتا ہے" جوہر ۱۸۶۴ء میں تحصیل بلب گڑھ میں تحصیلدار تھے اور مرزا سے مراسلت تھی۔

نمونۂ کلام

تو نُر راہ کرم بر سرم گزار غلط ‏ ‏ من و بہ رہ نہ نشستن بہ انتظار غلط
بروبہ زہد بد آموزیم مکن زاہد ‏ ‏ من وز شاہدِ مے توبہ در بہار غلط
بعمد در خور پرسش نیم مگر وقتے ‏ ‏ شود بہ کلبۂ من راہ آں نگار غلط
برآں سرم کہ دگر باکسے نیا میزم ‏ ‏ اُمید لطف ز یارانِ روزگار غلط

حقیر منشی نبی بخش

منشی نبی بخش نام تھا۔ اکبر آباد کے رہنے والے تھے اور کول علیگڈھ میں بعہدۂ سررشتہ داری عدالت فوجداری ملازم تھے۔ خلیفہ گلزار علی خلف نظیر اکبر آبادی سے شعر و سخن میں مشورہ کرتے تھے۔ مرزا غالب کے دلی دوست اور ہموطن بھی تھے۔ فارسی میں نہایت اچھی استعداد رکھتے تھے۔ تفنن طبع کے طریق پر کبھی کبھی اُردو میں بھی کچھ کہہ لیا کرتے تھے۔

مرزا صاحب سے نہایت بے تکلفانہ اور دوستانہ و برادرانہ تعلقات تھے اور مرزا صاحب اُن کی لیاقت پر اعتماد رکھتے تھے۔ اسیوجہ سے اکثر تصنیفات کی تصحیح کا اہتمام انہیں کے ذمہ تھا۔ ایک جگہ مرزا صاحب لکھتے ہیں " اگر بھائی منشی نبی بخش صاحب بدل متوجہ ہوں تو اگر احیاناً اصل نسخہ میں سہو کاتب سے غلطی واقع ہوئی ہو تو اُس کو بھی صحیح کر دینگے"۔

ایک جگہ مرزا تفتہ کے خط میں دستنبو[1] کے لیے لکھتے ہیں کہ " بھائی

---

[1] کتاب دستنبو کے چھپوانے میں مرزا صاحب نے سعی بلیغ کی تھی۔ اور اوسکی صحت اور چھپائی اور تزئین وغیرہ کا اہتمام منشی نبی بخش حقیر۔ مرزا حاتم علی بیگ مہر۔ مرزا تفتہ اور منشی شیو نرائن اِن چار آدمیوں کے سپرد کیا تھا۔ مرزا صاحب نے ایک قصیدہ ساٹھ شعر کا کوئن وکٹوریہ ملکہ انگلستان کی مدح میں کہا تھا۔ اسکو بھی دستنبو کے اول میں شامل کرانا چاہتے ہیں اور لکھتے ہیں" کہ اگر

منشی نبی بخش صاحب سے نثر کے دو فقرے جس محل پر کہ اُن کو بتائے ہیں ضرور لکھوا دینا" ایک جگہ مرزا تفتہ کے خط میں حقیر کو اس طرح یاد کرتے ہیں" ایک جنم تھا کہ جس میں ہم تم باہم دوست تھے اور طرح طرح کے ہم میں تم میں معاملات مہر و محبت پیش آئے۔ شعر کہے دیوان جمع کئے۔ اُسی زمانے میں ایک اور بزرگ تھے کہ وہ ہمارے تمہارے دوست دلی تھے۔ منشی نبی بخش اون کا نام اور حقیر تخلص تھا۔ ناگاہ نہ وہ زمانہ رہا نہ وہ اشخاص نہ وہ معاملات نہ وہ اختلاط۔ نہ وہ انبساط"

ایک مرتبہ منشی نبی بخش کچھ بیمار ہو گئے۔ مرزا کو معلوم ہوا۔ تفتہ اُس زمانے میں آگرے میں مقیم تھے اُن کو خط لکھا اور جوش اتحاد میں ایک نسخہ بھی لکھ بھیجا۔ کہتے ہیں" ہمارے شفیق منشی نبی بخش صاحب کو کیا عارضہ ہے کہ جس کو تم لکھتے ہو مار الجبین سے بھی نہ گیا۔ ایک نسخہ طب محمد حسین خانی میں لکھا ہے اور وہ بہت بے ضرر اور سودمند ہے مگر اثر اوسکا دیر میں ظاہر ہوتا ہے وہ نسخہ یہ ہے الخ" اور صرف منشی نبی بخش صاحب ہی کی ذات تک یہ محبت اور مودت ختم نہ تھی بلکہ اُن کے بیٹے عبد اللطیف سے بھی وہی اخلاص برتتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ عبد اللطیف نے ایک مُہر کے کھدوانے کے لیے مرزا کو لکھا تو

آپ (نبی بخش حقیر) مرزا صاحب (حاتم علی مہر) مرزا تفتہ اور منشی شیو نرائن صاحب اگر خواہش کو منظور اور اس قاعدہ کو مقبول کرینگے اور جب یہ اتفاق تم چاروں صاحب پسند کروگے تو گویا یہ اجلاس کونسل اس قانون کا اجرا منظور ہو جائیگا اور اُمیدوار ہوں کہ اجرائے قانون سے پہلے مجھکو منظوری کی طلاع ہو جائے تاکہ مسودہ اس قصیدہ کا بھیج دوں"

اُسکے جواب میں لکھتے ہیں "تمہاری مُہر اسکا کچھ خیال نہ کرو وہ جس طرح تم نے لکھا ہے بن جائیگی۔ مگر بھائی ۱۸۵۸ء میں دن کے باقی رہے ہیں آج ۶ دسمبر ہے ۲۴۔۲۵ دن باقی ہیں ۱۸۵۹ء جنوری مہینہ میں خدا چاہے تو کھد جائیگی۔ تم میرے بجائے فرزند ہو میرے بھتیجے ہو۔ جو تمہارا کام ہو بے تکلف کہو شرم کیا۔ اور تکلف کیوں۔ یہ مُہر کا کھدنا کونسا کام ہے"

اسی طرح منشی نبی بخش صاحب اس خلوص کو نباہتے تھے اور ہمیشہ خردانہ اور نیازمندانہ پیش آتے تھے۔ یہ نہایت باوضع نیک طینت۔ قابل۔ منکسر المزاج۔ متورع نماز روزہ کے پابند تھے۔ آگرہ میں تاج گنج کے قریب رہتے تھے عمر بھر علمی اشغال سے شغف رہا۔ مگر امراض مزمن میں ایسے مبتلا ہوئے کہ آخر عمر تک پیچھا نہ چھوٹا اور ۱۲۷۰ھ میں بمقام تاج گنج آگرہ انتقال کیا۔

مرزا مرحوم نے لفظ رستخیز سے تاریخ نکالی اور یہ قطعہ نظم کیا۔

شیخ نبی بخش کہ باحسن خلق	داشت مذاق سخن و فہم تیز
مرگ ستم پیشہ امانش نداد	کیست کہ با مرگ سیہد ستیز
سال وفاتش زپے یادگار	بادل زار و مژہ دجلہ ریز
خواستم از غالب آشفتہ سر	گفت مدہ طول دبگو رستخیز

مرزا کو ان کے مرنیکا بہت سخت صدمہ ہوا۔ مرزا تفتہ نے تاریخ کے لیے اصرار کیا تو مرزا نے یہ تاریخ لکھی اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی لکھدیا کہ میں فن تاریخ گوئی کو دون مرتبہ شاعری جانتا ہوں اور تمہاری طرح سے یہ بھی میرا عقیدہ نہیں ہے کہ تاریخ وفات لکھنے سے ادائے حق محبت ہوتا ہے۔

جب یہ قطعہ آگرہ پہونچا تو منشی قمرالدین نے ناپسند کیا۔ اور کہا کہ رستخیز ایک لفظ ہے اس سے تاریخ نکالنا کچھ زیادہ مناسب نہیں ہے۔ مرزا کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو کہا "ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ کوئی لفظ جامع اعداد نکال لیا کرتے ہیں۔ بلکہ قید معنے دار کی بھی مرتفع ہے جیسا کہ یہ مصرع ع در سال غرس ہر آنکہ ماند بنید۔ انوری کے قصائد کو دیکھو۔ دو چار جگہ ایسے الفاظ قصیدہ کے آغاز میں لکھے ہیں جس میں اعداد سال مطلوب نکل آتے ہیں اور معنی کچھ نہیں ہوتے لفظ رستخیز کیا پاکیزہ معنی دار لفظ ہے اور پھر واقعہ کے مناسب۔ اگر تاریخ ولادت یا تاریخ شادی میں یہ لفظ لکھتا تو بے شبہہ نامستحسن[۱] تھا۔"

حقیر مرحوم نے آخر عمر میں مرزا صاحب سے بھی اصلاح لی جیسا کہ بعض خطوط سے معلوم ہوتا ہے آخر وقت تک مشق سخن جاری رہی۔ نمونہ کلام کے لیے یہ پانچ سات شعر سے ہیں۔ فصاحت کو بلاغت اور متانت کیساتھ جمع کرکے کہنا ان کے کلام کی بڑی صفت ہے۔

زخم کے منہ میں بھر آیا پانی جبکہ پیکاں کا مزہ یاد آیا

خط جو غیروں کو کیے اسنے رقم ہمکو قسمت کا لکھا یاد آیا

بسکہ مصنوع ہے صانع کی صفت بت کو دیکھا تو خدا یاد آیا

آج پھر اس بت کافر نے حقیر وہ ادا کی کہ خدا یاد آیا

کیا تنگ رو ہیں رہروان عدم کہ کسی کا نہ نقش پا دیکھا

وہ نگاہیں جنسے تھی مجھکو تسلی کی امید تشنۂ خوں آفت دل۔ دشمن جاں ہوگئیں

شانے نے بل نکال دیئے زلف یار کے سیدھا کیا ہے موذیوں کو مار مار کے

[۱] مرزا صاحب کا یہ خیال بالکل صحیح ہے۔ قدما کے یہاں اکثر ایسی تاریخیں ملیں گی جنمیں مادۂ تاریخ کے الفاظ کے کوئی معنی نہیں ہوتے مثلاً حجۃ الحق ابو علی سینا + در شجع آمد از عدم بوجود + در شصا کسب کرد جملہ علوم + در تکز کرد این جہاں بدرود + اس میں شجع، شصا، تکز کے کوئی معنی نہیں ہیں ۱۲۔

دیر میں ہے ذکر اپنا کعبہ میں بیاں اپنا — ایک ہم ہیں اور چرچا ہو کہاں کہاں اپنا
گر یہی چاک کی عادت ہے تو اے دستِ جنوں — پیرہن سارے گریباں ہی گریباں ہونگے
گر تو نہیں ہو عاشق پھر یہ حقیر ہر دم — کیوں نالۂ حزیں ہے کیوں آہ آتشیں ہے

ذکاؔ۔ منشی حبیب اللہ

افسوس ہو کہ تذکروں سے کچھ آپ کا پتہ نہیں چلتا اور نہ کوئی صحیح حال اور مفصل کیفیت معلوم ہوتی ہے مگر خود مرزا صاحب کے بیان کے موافق معلوم ہوتا ہے کہ منشی صاحب حیدر آباد کے رہنے والے اور وہیں عہدۂ میر منشی پر ممتاز تھے اردو اور فارسی میں نظم و نثر کے شائق اور دلدادہ تھے مگر مرکز زبان سے دور ہونے کی وجہ سے اُردو سے کچھ زیادہ واقف نہ تھے صرف اُس زمانے کے موافق حیدر آبادی اُردو جانتے تھے۔

مرزا صاحب سے اِن کو غائبانہ عقیدت تھی۔ نہ مرزا صاحب کو اُنھوں نے کبھی دیکھا تھا نہ مرزا صاحب نے ان کو۔ مگر پھر بھی خلوص اور اتحادِ دلی کا یہ عالم تھا کہ اکثر خطوں میں عقیدت و اشتیاق کے اتنے گراں پایہ جملے ہوتے تھے کہ مرزا صاحب کو بھی کسرِ نفسی پر مجبور ہو کر یہ لکھنا پڑا تھا کہ۔
"بھائی میں نہیں جانتا تم کو مجھ سے اتنی ارادت اور مجھکو تم سے اتنی محبت کیوں ہے۔ ظاہرا معاملہ عالم ارواح کا ہے اسبابِ ظاہری کو اسمیں دخل نہیں تمہارے

خط کا جواب معہ اوراق مسودہ روانہ ہو چکا ہے۔ وقت پر پہونچے گا۔ ستر بہتر ارادو میں ترجمہ پیر خرف ہے۔ میری تہتر برس کی عمر ہے میں اخرف ہوں"۔ یا "میرے شفیق میرے مشفق مجھ سے ہیچ د پوچ کے ماننے والے۔ مجھ سے بُرے کے اچھا جاننے والے۔

مراسلت کا سلسلہ برابر جاری تھا۔ غزلیں اور نثر کے مسودے برابر آتے تھے اور مرزا صاحب باوجود پیرانہ سالی اس زحمت کو خوشی سے برداشت کرتے تھے۔ پہلے پہلے جب ان کے خطوط آئے تو مرزا صاحب نے اپنا پورا خاندانی حال اور سوانح زندگی ان کو لکھ بھیجے اور اس کے بعد وہ بے تکلفی ہوئی کہ مرزا صاحب نے کہیں ان کو اپنا محبوب کر کے خطاب کیا کہیں مشفق۔ کبھی بندہ پرور کبھی مولانا کبھی جان غالب کبھی جاناں۔

ایک خاص معاملہ میں مرزا صاحب سے کچھ کبیدہ بھی ہو گئے تھے۔ واقعہ یہ ہوا کہ ایک مرتبہ مولوی غلام امام شہید کی غزل پر ذکا نے ایک غزل لکھی اور خط میں تحریر کیا کہ مولوی غلام امام شہید اکبر آبادی کی غزل پر غزل لکھکر بھیجتا ہوں۔ مرزا صاحب نے غزل پر اصلاح دی اور اسی خط میں یہ لکھا کہ مولانا شہید اکبر آباد کے نہیں ہیں لکھنؤ اور الہ آباد کے ہیں۔ یہ بات اُن کو کچھ ناگوار ہوئی۔ اسی پر کسی سے مرزا صاحب کی شکایت کی اور اپنی اہانت کا گلہ کیا۔ خواجہ غلام غوث بیخبر کو کسی طرح یہ بات معلوم ہوئی اُنھوں نے مرزا صاحب کو لکھا کہ مولوی صاحب اس بات کے شاکی ہیں۔ مرزا صاحب نے پورا قصہ انھیں لکھ بھیجا اور صاف صاف لکھا کہ "اس کلمہ سے زیادہ کوئی بات میں نے نہیں

لکھی۔ اِس میں سے توہین کے معنی مُستنبط ہوں تو میں اسکا مستحق سہی۔ اب میں نہیں جانتا کہ منشی صاحب نے مولوی صاحب سے کیا کہا اور مولوصاحب نے آپ کو کیا لکھا۔"

ذکا کا سال وفات معلوم نہیں خطوں سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہی کہ غالب مرحوم کے دورِ حیات تک یہ بھی زندہ تھے۔ کلام کا اب کہیں پتہ نہیں چلتا۔[1] مگر دیوان ان کے زمانہ حیات میں طبع ہوچکا تھا۔ جسپر مرزا صاحب نے ایک مختصر تقریظ بھی لکھی ہے اور ذکا کی تعریف کی ہے۔

رحیم۔ مرزا رحیم بیگ

مرزا رحیم بیگ کے والد کا نام پیر بیگ تھا۔ جو دلّی کے رہنے والے تھے۔ مگر ترک وطن کرکے سہرونہ ضلع میرٹھ میں آرہے تھے۔ مرزا رحیم بیگ یہیں پیدا ہوئے۔ سن شعور پر پہونچکر ۱۲۵۰ھ ہجری مطابق ۱۸۳۴ء میں سہرونہ سے میرٹھ آئے۔ اور حکیم بوعلیخاں سے تحصیل علوم ضروری کرنے لگے۔ حکیم صاحب موصوف نے اپنی فرزندی میں لیا اور نہایت شفقت فرماتے رہے۔ ۱۲۶۱ھ میں مولوی محمد بخش ناداں کے شعر و شاعری میں شاگرد ہوئے۔ اور انہیں سے علم عروض و قافیہ پڑھا۔ ابتدائے مشق میں شرر تخلص اختیار کیا تھا۔ مگر ناداں کے مشورے سے رحیم تخلص کرنے لگے۔ ۱۲۷۱ھ

[1] بعد کو معلوم ہوا کہ ان کا دیوان اردو و فارسی قلمی عمر یافعی صاحب کے کتبخانہ حیدرآباد دکن میں موجود ہے انہیں سے معلوم ہوا کہ ذکا ظرافت بھی کہتے تھے اور مبارک تخلص کرتے تھے ۱۲

میں حکیم احسن اللہ خاں کی فرمایش سے قصص الانبیا کو نظم کیا۔ چند سارے اُردو فارسی کے اور ایک تذکرہ مخزن الشعرا بھی لکھے جو بنظر اصلاح مولانا صہبائی کو دکھائے۔

عربی فارسی کی استعداد عالمانہ رکھتے تھے اور اُردو فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ مرنے سے دس بارہ برس پہلے نابینا ہو گئے تھے۔ اور میرٹھ میں معلمی کر کے بسر اوقات کرتے تھے۔

مرزا صاحب سے اِن کے کچھ اچھے تعلقات نہ تھے۔ بلکہ جب مرزا صاحب نے "برہان قاطع" کی غلطیاں "قاطع برہان" کے ذریعہ سے ظاہر کیں۔ تو مرزا رحیم بیگ نے بھی "قاطع برہان" کے جواب میں "ساطع برہان" لکھی جب وہ مرزا کی نظر سے گزری تو نامۂ غالب جو عود ہندی میں موجود ہے اُسکے جواب میں لکھا۔

مرزا غالبؔ ان کو ایک ملائے مکتبی سے زیادہ نہ جانتے تھے۔ چنانچہ ایک خط میں میاں داد خاں سیاح کو لکھتے ہیں " وہ جو ایک اور کتاب کا تمنے ذکر لکھا ہے۔ وہ ایک لڑکے پڑھانے والے ملائے مکتب کا خبط ہے۔ رحیم بیگ اُسکا نام میرٹھ کا رہنے والا کئی برس سے اندھا ہو گیا ہے باوجود نابینائی کے احمق بھی ہے۔ اوسکی تحریر میں نے دیکھی۔ تم کو بھی بھیجونگا۔ مگر ایک بڑے مزے کی بات ہے کہ اس میں بیشتر وہ باتیں ہیں جنکو لطائف غیبی میں رد کر چکے ہو۔ بہرحال اب اسکے جواب کی فکر نہ کرنا " ایک جگہ لکھتے ہیں کہ "معلمی اُسکا پیشہ ہے۔ اور آٹھ دس برس سے اندھا۔ نظم و نثر میں مولوی امام بخش صہبائی کا شاگرد اور فارسی شعر کہتا ہے"

مرزا صاحب نے ۔ جو مرزا رحیم بیگ کو خط لکھا ہے اس میں وہ چٹکیاں لی ہیں کہ اول سے آخر تک پورا خط خارزار معلوم ہوتا ہے! ور وہ وہ دلائل اور براہین پیش کئے ہیں کہ رحیم بیگ کی آنکھیں کھل گئی ہونگی چنانچہ خط کا القاب ہی اتنا شوخ ہے کہ مرزا رحیم بیگ کے دلپر آرے چلے ہونگے۔ لکھتے ہیں

" بخدمت مشفق مکرمی مرزا رحیم بیگ صاحب نور اللہ قلبہ بالاسرار و عینہ بالانوار" اسیطرح اس خط میں مرزا نے اپنے عقائد کا فرہنگ نویسوں کے بارہ میں ذکر کیا ہے۔ بہت سے الفاظ کے معانی بیان کئے ہیں۔ بہت سے دلائل کو رد کیا ہے۔ بعض جگہ منشی سعادت علی اور بعض امور میں مولانا صہبائی کے اقوال کو بھی غلط بتایا ہے۔ بہت سے لغات مختلف فیہ میں محاکمہ کیا ہے جنکا حال اسی کتاب میں ملیگا۔

غرض کہ مرزا رحیم بیگ سے مرزا غالب کے تعلقات حریفانہ تھے اور کسی طرح سے مرزا صاحب اُن کی باتوں کو ہذیان سے زیادہ نہ سمجھتے تھے

نمونہ کلام مرزا رحیم بیگ یہ ہے۔

جو لکھتا ہوں بیاں اپنے دل بیتاب و مضطر کا ۔۔۔ تڑپتا ہی برنگ نبضِ عاشق تار مسطر کا
پس مردن بھی ہم بار ندامت لیچلے سر پر ۔۔۔ کہ اڑکر خون کے چھینٹے پڑے دامان قاتل پر
طفیل لاغری میں رہ گیا ہوں کوے جاناں میں ۔۔۔ کسی کو نظر آتا نہیں اور ہوں گلستاں میں
ایک سینہ ہی روکے کس کس کو ۔۔۔ تیغ کو تیر کو کہ خنجر کو

ساقی بیا کہ گشتہ سر لالہ زار سبز ۔۔۔ ہر سبزہ و بحر سبز و لب جوئبار سبز

دیوار سبز صحن چمن سبز شیشہ سبز | مے سبز جام سبز ولباس نگار سبز
اغلب کہ از کمال نشاط گل بہار | مثل چمن زبرون بر آید نگار سبز
روئے بتاں زسبزہ بر آمد تمام سبز | وز عکس خط روئے بتان آبشار سبز

رخشاں و نیر نواب ضیاءالدین احمد خاں

ضیاءالدین احمد خاں نام تھا۔ فخر الدولہ نواب احمد بخش خاں والی ریاست فیروز پور جھرکہ وجاگیر دار لوہارو کے چھوٹے بیٹے تھے۔ نواب امین الدین خاں بہادر آپ کے بڑے بھائی ریاست لوہارو کے رئیس تھے اور آپ کے نام جاگیر تھی۔ اردو و فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے اور دونوں زبانوں پر کافی عبور رکھتے تھے۔

آپ دہلی کے نہایت معزز اور موقر رؤسا میں شمار کیے جاتے تھے۔ نہایت بارسوخ اور حکام رس تھے۔ اور حکام بھی آپ کے اعزاز خاندانی۔ آپ کی ذاتی وجاہت و قابلیت اور علم و فضل کی وجہ سے آپ کی قدر کرتے تھے۔ ہنگامۂ غدر کے بعد آپ کی ذات والاصفات دلی میں بہت ہی غنیمت سمجھی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ کوئی شخص کسی فن کا ماہر اگر باہر سے آتا تھا تو آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر ضرور استفادہ کرتا تھا۔ فن تاریخ میں نہایت زبردست مہارت رکھتے تھے۔ چنانچہ جس وقت الیٹ صاحب سکریٹری گورنمنٹ ہند نے اپنی

ضخیم تاریخ ہند مرتب کی تو نواب صاحب موصوف نے فراہمی حالات میں بہت کافی مدد دی جس کا انھوں نے دیباچہ کتاب میں اعتراف کیا ہے۔

اُردو فارسی دونوں زبانوں میں فکر سخن کرتے تھے۔ مگر بیشتر فارسی ہی کہتے تھے۔ اردو میں صرف بر بنائے تفنن طبع کچھ فرماتے تھے ورنہ درصل فارسی سے شغف تھا۔ فارسی میں نیر اور اُردو میں رخشاں تخلص کرتے تھے۔ مرزا غالب سے تلمذ تھا۔ اور اُن کے شاگرد رشید شمار ہوتے تھے۔

نواب موصوف کو مرزا کے ساتھ نہ صرف شاگردانہ تعلق تھا، بلکہ عزیزانہ اور برادرانہ تعلقات تھے۔ کیونکہ آپ کی حقیقی چچازاد بہن یعنی نواب الٰہی بخش خاں معروف کی صاحبزادی مرزا سے منسوب تھیں۔ اسکے علاوہ دوستانہ مراسلم اور تعلقات مرزا سے تھے جن کو فیما بین اسطرح نباہا جاتا تھا کہ اب اس زمانے میں اوس کی نظیر نہیں ملتی۔ مرزا ان کو بھائی کہکر خطاب کرتے تھے۔ اور اُنکی دوستی اور شاگردی پر فخر کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک قصیدہ محض انھیں کی مدح میں لکھا ہے۔ جسکے چند شعر نقل کئے جاتے ہیں اس سے اُس خلوص و اتحاد کا پتہ چلتا ہے جو مرزا کو ان کے ساتھ تھا ؎

صد آفتاب تو ان ساختن بہ بازیچہ — نہ ذرہ کہ بود در ضیائے نیر من
نہ این سپہر و نہ آن مہر عالمے دگر ست — من آسمانم و او مہر نور گستر من
من آن سپہر کہ دایم جہاں کہ مہر بماہ — بہ مہر نور دہد نیر منور من
من آن سپہر کہ ہر دم رسد عطیۂ فیض — بہ سعد اکبر گردوں ز سعد اصغر من
منم خزینۂ راز و درِ خزینۂ راز — ضیائے دین محمد کہیں برادر من

بدین دانش و دولت یگانۂ آفاق | بعمر کہتر و از روئے رتبہ مہتر من
بہ مہر دل بہ برادر و حشم یعقوبم | کہ پور خویش بود دلستان و دلبر من
اگرچہ اوست ارسطو و من فلاطونم | بود بہ پایہ ارسطوئے من سکندر من
زمیں کوے مرا آسماں کند ہر صبح | طلوع نیر رویش ز طرف منظر من

اسیطرح تمام قصیدہ مدحیہ اشعار سے پُر ہے اور لفظ لفظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرزا کو اِن کی ذات پر کتنا ناز ہے کیتنی محبت ہے ضیاء الدین خاں کیسے جوہر قابل اور مرزا کے کتنے بڑے قدر دان ہیں۔

مرزا کے استغنا اور لااُبالی پن نے اُن کا کلام کبھی اُن کے پاس جمع نہ ہونے دیا۔ بلکہ نیرؔ ہمیشہ ان کا کلام لے جاتے تھے اور جمع کرتے رہتے تھے۔ اور اسقدر حفاظت اور عزت سے رکھتے تھے کہ مرزا کو بھی اُس مجموعہ کی ہوا نہ دیتے تھے۔ اگرچہ مولانا حالی نے یادگار غالب میں لکھا ہے کہ نیرؔ کے نام کوئی خط اردو میں نہیں ہے مگر یہ مولانا مرحوم کا سہو ہے۔ اردوئے معلّیٰ کے ایک خط سے اس قصہ کا پتہ چلتا ہے جو لکھا جاتا ہے۔ مرزا کو اپنے کلام کے دیکھنے اور چھپوانے کی ضرورت ہوئی۔ نواب صاحب کو لکھا کہ ذرا وہ مجموعہ بھیجدو۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ کتاب کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔ مرزا نے پھر لکھا۔ پھر انکار ہوا۔ مرزا نے جھنجلا کر لکھا "جناب قبلہ و کعبہ آپ کو دیوان دینے میں تامل کیوں ہے۔ روز آپکے مطالعہ میں نہیں رہتا۔ بغیر اُسکے دیکھے آپ کو کھانا نہ ہضم ہوتا ہو یہ بھی نہیں پھر ایک جلد ہزار جلد بنجائے میرا کلام شہرت پائے۔ میرا دل خوش ہو۔ تمہاری تعریف کا قصیدہ اہل عالم دیکھیں۔ تمہارے بھائی

کی تعریف کی نثر سب کی نظر سے گزرے۔ اتنے فوائد کیا تھوڑے ہیں۔ رہا کتاب کے
تلف ہونے کا اندیشہ یہ خفقان ہے۔ کتاب کیوں تلف ہوگی۔ احیاناً اگر ایسا ہوا
اور دلی لکھنؤ کی عرض راہ میں ڈاک لٹ گئی تو میں فوراً بہ سبیل ڈاک رام پور جاؤنگا
اور نواب فخر الدین خاں مرحوم کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیوان تم کو لا دونگا۔ اگر یہ کہتے ہو
کہ اب وہاں سے لیکر بھیجو۔ وہ نہ کہینگے کہ وہیں سے کیوں نہیں بھیجتے۔ ہاں یہ لکھوں
کہ نواب ضیاء الدین خاں نہیں دیتے تو کیا وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ جب وہ تمہارے بھائی
اور تمہارے قریب ہو کر نہیں دیتے تو میں اتنی دور سے کیوں دوں۔ اگر تم یہ کہتے ہو
کہ تفضل سے لیکر بھیجدو۔ وہ اگر نہ دیں تو میں کیا کروں۔ اگر دیں تو میرے کس کام کا
پہلے تو ناتمام۔ پھر ناقص بعض بعض قصائد اُس میں سے اور کے نام کر دیے گئے
ہیں۔ اور اُس میں اُسی ممدوح سابق کے نام سے ہیں۔ شہاب الدین خاں کا دیوان
جو یوسف مرزا لے گیا ہے۔ اُس میں یہ دونوں قباحتیں موجود۔ تیسرے یہ کہ سر بسر
غلط۔ ہر شعر غلط ہر مصرعہ غلط۔ یہ کام تمہاری مدد کے بغیر انجام نہ پائیگا۔ اور
تمہارا کچھ نقصان نہیں۔ ہاں احتمال نقصان وہ بھی از روے وسوسہ و وہم۔ اس صورت
میں میں تلافی کا کفیل جیسا کہ اوپر لکھ آیا ہوں۔ بہر حال راضی ہو جاؤ۔ اور مجھ کو لکھو تو
میں طالب کو اطلاع دوں اور طلب اس کی جب دوبارہ ہو تو کتاب بھیجدوں"

نیر کی محبت اور وضعداری کا یہ حال تھا کہ روز صبح کو مرزا کے پاس سو کام
چھوڑ کر جاتے تھے جیسا کہ خود مرزا نے لکھا ہے

طلوع نیر رخشیں ز طرف منظر من ۔۔۔ زمین کوی مرا آسماں کند ہر صبح

اگر خط میں کبھی دیر ہوتی تو بار بار خط لکھتے۔ مرزا پیرانہ سری کا عذر کرتے مگر جب تک جواب لکھوا

نہ لیتے کسی طرح چین نہ آتا تھا۔ مرزا کے اتحاد و خلوص کی بھی کوئی انتہا نہ تھی۔ نیرّ اکبر آباد گئے تو اُنکو لکھا کہ "میرے شوقِ دور اندیش نے دیدۂ دل کو تمہارے ساتھ کر دیا ہے" یہ اتحاد تا مدت عمر قائم رہا۔ مرزا کے انتقال پر تجہیز و تکفین کا اہتمام بھی نواب ضیاءالدین احمد خاں ہی نے کیا۔ مولانا حالی لکھتے ہیں

"مرزا کے جنازے پر جبکہ دلّی دروازے کے باہر نماز پڑھی گئی۔ راقم بھی موجود تھا اور شہر کے اکثر عمائد اور ممتاز لوگ جیسے نواب ضیاءالدین احمد خاں۔ نواب مصطفٰے خاں حکیم احسن اللہ خاں وغیرہم اور بہت سے اہلسنت اور امامیہ دونوں فرقوں کے لوگ جنازہ کی مشایعت میں شریک تھے۔ سید صفدر سلطان نبیرۂ بخشی محمود خاں نے نواب ضیاءالدین احمد خاں مرحوم سے کہا کہ مرزا صاحب شیعہ تھے ہم کو اجازت ہو کہ اپنے طریقہ کی موافق اُن کی تجہیز و تکفین کریں مگر نواب صاحب نے نہیں مانا اور تمام مراسم اہلسنت کے موافق ادا کئے۔"

نیرّ نے سنہ ۱۳۰۲ھ ۱۳ ماہ رمضان المبارک میں بمقام دہلی انتقال کیا اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ واقع مہرولی میں مدفون ہوئے۔ مولوی رضی الدین خاں دہلوی نے جو سلسلہ حضرت امیر پنجہ کش میں ایک بے مثل خوشنویس تھے تاریخ وفات کہی۔

چوں ضیاءالدین احمد خاں کشید	رخت از دنیا سوئے دارالسلام
گفت ہاتف بارضی سال وفات	روز شنبہ سیزدہ شہر صیام

۱۳۰۲

آپکے دو صاحبزادے تھے نواب شہاب الدین احمد خاں ثاقب جو نواب صاحب کی عین حیات میں انتقال کر گئے۔ دوسرے نواب سعید الدین احمد خاں طالب جنکا

ابھی تھوڑا عرصہ ہوا انتقال ہوا۔

نیرؔ اگرچہ مرزا غالب کے شاگرد رشید تھے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اُن کا اُردو کلام اس پایہ کا نہیں ہے جیسا کہ مرزا کے دوسرے شاگردوں کا ہے۔ مگر فارسی میں وہ اپنے معاصرین سے کسی صورت سے کم نہ تھے۔ افسوس کہ اُنکا کلام اُردو فارسی چھپ نہ سکا۔ اور اب کوئی اُمید نہیں کہ طبع ہو سکے۔ نمونۂ انتخاب کلام اردو فارسی یہ ہے۔

جب اپنے شغل سے دل خونیں نہ باز آئے — پھر کیا گناہ دیدۂ خوننابہ بار کا
آنکھوں میں بوالہوس کی کھٹکتا ہوں مثل خار — احسان ہے یہ مجھپہ مرے جسم زار کا
ہے سربلندی شہیدِ وفا کی — کہ اس دریہ سر ہو جہاں نیکے قابل
جب آہو آؤ دلمیں کہ ہے آپکا مکاں — یاں خوف شحنۂ و خطرِ پاسباں نہیں

نکلے آنکھوں سے وہیں جذب سے دامن میں — بجز انکھوں کے کوئی گوہر نایاب نہیں
چھڑنے ہو نغمہ سرا تنے ہی خوں ریز بھی ہو — چھیڑ نشتر کی چلی جائے جو مضراب نہیں
بوالہوس اور بھی مرینگی کرینگے خواہش — لیکے گل قبر پہ زخشاں کی نہ آیا کیجئے
سینہ کا چاک کرنا سکھلایا — میرا رہبر مرا گریبان ہے

کلام فارسی

بس است شغل خدایا شبان تار مرا — بیاض صبح مدہ چشم انتظار مرا
فرشتہ خوش نبود عیب جوئے شرم آید — ز رسم راہ تو اے کاتب یسار مرا

اگر نیامدن دوست ماتمے دارد — سفید بہر چہ شد چشم انتظار مرا

وعدۂ روز بہ عیش شباں گاہ بغیر — آہ از تیرگیٔ نالۂ روزانۂ ما

پیمانہ در کفے و دلِ شاہ در کفے — بہر خدائے لغزش پائے ایاز چیست

رو خشم مکن ہرزہ چہ بندی پے قتلم — بر دیدہ وراں عرض کن آں کمر خود
چوں آمدہ ایم از عدم آساں بود اکنوں — پیمودن راہے کہ بود پے سپر خود

مگر بوئے گل امروز تیز دیدہ کسے — کہ بوئے خوں ز فغانِ ہزار می آید

بعد دعوای ورع بادۂ ناب آوردند — تا بکے قدر شدم رطل گرانم دادند

رعنا مردان علی خان

مردان علی خاں نام تھا۔ رعنا تخلص کرتے تھے۔ والی کپورتھلہ کے مقرب ملازمین میں تھے۔ مرزا صاحب نے ان کو دیکھا نہ تھا بلکہ غائبانہ ملاقات تھی۔ پہلے پہلے جب رعنا نے مرزا صاحب کو اپنی غزل اصلاح کے لیے بھیجی تو سہو سے اپنا پتہ نہ لکھا۔ مرزا صاحب نے غزل دیکھی لیکن چونکہ کوئی پتہ نہ تھا مجبوراً خاموش ہو رہے۔ اُنھوں نے پھر خط لکھا۔ مرزا صاحب نے دیکھا کہ اس مرتبہ پتہ لکھ دیا ہے تو یہ کہہ کر جواب دیا۔ "صاحب تم نے اب اپنے مسکن کا پتہ لکھا۔ میں نے دوسرے ہی دن جواب روانہ کیا۔" اسی خط میں لکھتے ہیں "منشی نولکشور صاحب یہاں آئے تھے مجھسے ملے بہت خوبصورت اور خوش سیرت سعادت مند اور معقول پسند آدمی ہیں۔ تمہارے وہ مدّاح اور میں اُن کا ثنا خواں۔" ظاہراً منشی صاحب سے رعنا مرحوم کے تعلقات اس بنا پر تھے کہ منشی صاحب کے پریس کا سلسلہ ایک وقت میں کپورتھلہ میں بھی تھا۔

ایک مرتبہ رعنا نے مرزا صاحب کو لکھا کہ جفا مذکر بھی مستعمل ہے مرزا نے لکھا "بھائی جفا کے مؤنث ہونے میں اہل لکھنؤ و دہلی کو باہم اتفاق ہے کبھی کوئی نہ کہیگا کہ جفا کیا۔ ہاں بنگالہ میں جہاں بولتے ہیں کہ ہتھنی آیلہ اگر جفا کو مذکر کہیں تو کہیں ورنہ ستم و ظلم مذکر بیداد اور جفا مؤنث ہی بلاشبہ۔"

نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ تذکرہ لکھ رہے تھے تو مرزا کو رعنا نے اپنی غزل فارسی بھیجی۔ مرزا نے لکھا کہ نواب صاحب اردو کا تذکرہ لکھ رہے ہیں فارسی غزل

تم نے بیکار بھیجی۔ اسکے بعد شاید کوئی غزل نہ آئی۔ کیونکہ تذکرہ مذکور میں ان کا نام کہیں نہیں ہے البتہ مولوی عبدالغفور نساخ ان سے ملے تھے۔ اور انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ "غنچہ راگ ان کا نظر سے گزرا"۔ ممکن ہے کہ انکی تصنیف ہو۔

نمونہ کلام میں صرف ایک شعر ملتا ہے۔

گزرا ہے مرا نالہ در چرخ کہن سے تھا روح کا ہمدم نہ پھرا جا کے وطن سے

مرزا صاحب نے در کی جگہ (نالۂ دل) بنا کر مصرع کو یوں بنا دیا "گزرا ہے مرا نالۂ دل چرخ کہن سے"۔

سالک ۔ مرزا قربان علی بیگ

مرزا قربان علی بیگ سالک نواب مرزا عالم بیگ خاں کے بیٹے تھے آپ حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ مگر بالاتفاق آپ کی شاعری کا مسقط الراس دلی ہے آپ کی زندگی کا بڑا حصہ یہیں صرف ہوا۔ شعر و شاعری کا ابتدائے عمر سے شوق تھا اور اس فن میں حکیم مومن خاں صاحب مومن دہلوی کے شاگرد تھے۔ اور قربان تخلص کرتے تھے۔ حکیم مومن خان کے بعد مرزا کو اپنا کلام دکھانا شروع کیا۔ مرزا صاحب نے حکم دیا کہ یہ تخلص بدل دو چنانچہ تخلص بدل کر سالک تخلص قرار دیا۔ ان کے بھائی مرزا شمشاد علی بیگ بھی شاعر تھے اور وہ بھی مرزا کے شاگرد تھے۔ رضوان تخلص تھا روزانہ مرزا صاحب کی خدمت میں حاضر

ہوا کرتے۔ اور استفادہ کرتے تھے۔

سالک کو مرزا صاحب کی شاگردی پر بڑا ناز تھا اور عمر بھر وہ اس بات پر افتخار کرتے رہے۔ مرزا بھی ان کے ساتھ عزیزانہ برتاؤ کرتے تھے اور بزرگانہ نصائح ظرافت کے انداز میں فرماتے رہتے تھے۔ چنانچہ جب سالک مرحوم کے چچا کا انتقال ہوا تو مرزا صاحب نے لکھا۔ "میری جان کن اوہام میں گرفتار ہے۔ جہاں باپ کو پیٹ چکا اب چچا کو بھی رو۔ تجھکو خدا زندہ رکھے۔ اور تیرے خیالات اور احتمالات کو صورت وقوعی دے۔" اسیطرح مرزا ہر رنج اور خوشی میں اُن کے شریک اور دکھ درد میں شامل رہتے تھے۔ چنانچہ مرزا کے مرنے پر جو مرثیہ سالک نے لکھا ہے اُس سے اُن تعلقات کا پتہ چلتا ہے جو مرزا کو اُن کے ساتھ اور اون کو مرزا کے ساتھ تھے۔

سالک مرحوم کی تعلیم چھہ برس کی عمر سے شروع ہوئی۔ اور دہلی ہی میں تعلیم پاتے رہے۔ غدر کے بعد مہاراجہ شیودھان سنگھ والیٔ الور کی ریاست میں ملازمت کرنے لگے۔ دکن میں ان کا قیام اگرچہ بہت زیادہ رہا۔ مگر بالطبع ہمیشہ دہلی کے شائق رہے۔ دکن کا قیام محض اون کے چچا بہادر خان کی وجہ سے تھا جو اپنے ذاتی اور خانگی جھگڑون کی وجہ سے دہلی کی سکونت ترک کرکے حیدرآباد جا رہے تھے حیدرآباد میں سالک کے چچا نے نواب تالاربن کی ملازمت کرلی تھی اور وہیں شادی کرکے اپنی سسرال میں رہتے تھے۔ ایسی وجہ سے آخر عمر تک سالک بھی اون کے ساتھ رہے اور حیدرآباد ہی میں ۱۸۷۹ء میں انتقال کیا اور قدر بلگرامی نے تاریخ وفات کہی۔ "نواب قربان علی سالک بصد افسوس مرد"
۱۲۹۶ھ

مرنیکے بعد اُن کے بڑے بیٹے عابد نے اُنکا دیوان موسوم بہ "میخانۂ سالک" ترتیب دیکر شائع کرایا۔ طاہر۔ انور۔ مجروح۔ ذکی آپ کے ہمشق اور ہم عمر شعرا میں سے تھے آپکے شاگردوں کی تعداد اگرچہ حیدرآباد ہی میں بہت زیادہ ہے مگر دہلی میں حکیم اسد علی خاں مضطر بہت خوش فکر اور کہنہ مشق مشہور ہیں جو مدتوں آپکے دامن تربیت سے وابستہ رہے اور اب بھی ہمیشہ آپ کو یاد کرتے رہتے ہیں۔

آپ کے کلام میں معانی آفرینی نازک خیالی۔ بندش کی چستی سوز و گداز سبھی کچھ موجود ہے۔ نمونۂ کلام یہ ہے۔ ؎

ذرا سی ہمت اے فریاد گیتی سوز لازم ہے
عدو قائل نہیں ہے دہر کی ناپائداری کا

ناچار ہوا وادیٔ محشر کو روانہ	جس فتنے نے پایا نہیں رستہ ترے گھر کا
واں دخل وہم کا نہ گزر ہے خیال کا	اچھی جگہ ہے دل کو بھروسہ وصال کا
جتنی کہ ماسوا کی نمائش نظر میں ہے	پتلا بنا ہوا ہے یہ وہم و خیال کا
وقفہ ہے ایک دم کا ولادت سے مرگ تک	گر سو برس بھی ہوں تو زمانہ ہے حال کا
ہمسایہ میں وہ آئے ہیں یا لگ رہی ہے آگ	کچھ روشنی سی ہے سر دیوار دیکھنا
قصۂ قیس ہے اک حرف فسانے کا مرے	میں یہ سمجھا تھا کہ وہ بھی کوئی دفتر ہوگا
ہجوم بلاہائے ہجراں نہ پوچھ	تجھے کیا جو کچھ ہو گیا ہو گیا
ہے خود شکست عہد سے نفرت انھیں مگر	دل توڑنا پسند ہے اُمیدوار کا
دوکان مے فروش پہ سالک پڑا رہا	اچھا گزر گیا رمضاں بادہ خوار کا
یہ اور کون تھا جو ترا خستہ جاں نہ تھا	اک نعش بے کفن تھی کوئی نوحہ خواں نہ تھا

تیرا چپ چپ یہ بیٹھنا سالک — اک طرح کا بیان ہے گویا

فرہاد مر کے عشق کو دھبہ لگا گیا — کچھ خودکشی طریقہ اہل وفا نہ تھا

مانا کہ لب پہ مہر خموشی ٹھہرائیں ہم — دیگا جواب کون ہمارے سوال کا

اب اجل کیونکر آئیگی دیکھوں — وہ عیادت کو آئے بیٹھے ہیں

قیمت دل چاہیے بوسے کئی — آ گئے جو آئے ترے ایمان میں

کیا کہوں حالت بیتابی امید جواب — کوئے جاناں میں چلا جاؤں یہ مقدور نہیں

پائے جاتے ہیں برے داغ جگر کے آثار — گرچہ اب تک تو یہ کہتے ہیں کہ ناسور نہیں

کٹ گئی عمر یوں ہی حضرت ناصح افسوس — ہم سنا کرتے ہیں اور آپ کہا کرتے ہیں

کچھ تغیر مرے احوال پریشاں میں نہیں — ایسے عالم میں ہوں جو عالم امکاں میں نہیں

اسکے کوچہ میں جو سالک نے کئے کچھ نالے — ہنسکے بولا کہ یہ میں ہوں فلک پیر نہیں

رگ رگ میں نیش عشق ہے اے چارہ گر مرے — یہ درد وہ نہیں کہ کہیں ہو کہیں نہ ہو

کہوں احوال یا دیکھوں کروں کیسا — قیامت سامنے ہے تم کہاں ہو

آجاؤ اب بھی لب پہ نہ آجائے اور کچھ — شکوے تمام گردش دوراں کے ہو چکے

یوں وفا کی کہ خود وہ بول اٹھے — کس ستمگر سے کی وفا تو نے

مرگ عاشق کی سنکے سب روداد — پوچھتے ہیں کہ کیا ہوا آ گئے

نہ پوچھو مجھسے نالے کو کہ کیا ہے — شکست شیشۂ دل کی صدا ہے

سرور۔ چودھری عبدالغفور

مارہرہ ضلع ایٹہ کے رئیس قوم کمبوہ سے تھے۔ اور قریب قریب شہاب الدین غوری کے عہد سے یہیں انکا خاندان قیام پذیر تھا۔ انھیں کے اسلاف نے بسلسلہ پیری مریدی حضرت صاحب عالم کے بزرگوں کو مارہرہ بلایا اور یہاں کی مستقل سکونت پر مجبور کیا۔ مرزا غالب کے نادیدہ مگر عزیز ترین شاگردوں میں تھے۔ قصیدہ رباعی غزل سب میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ فارسی کی اچھی خاصی لیاقت بہم پہونچائی تھی اور صرف فارسی ہی کے شاعر تھے۔ حضرت صاحب عالم جو مارہرہ کے سجادہ نشین تھے اُنسے خاص تعلقات تھے اور اکثر حاضر باش رہتے تھے۔ بلکہ انھیں کے سلسلہ سے مرزا سے ملاقات ہوئی۔ گو وہ پہلے سے شاعر تھے مگر مرزا کے ہاتھوں انکی شاعرانہ تعلیم پوری ہوئی اور مرزا نے ایسے سلیقہ سے رموز و اسرار شاعرانہ سے اِن کو آگاہ کیا کہ کامل بنا دیا اور برسوں کا سبق لحظوں اور ساعتوں میں پڑھا دیا۔ چنانچہ ایک مرتبہ صاحب عالم کو جو مارہرہ کے پیرزادے اور معزز رکن ہونیکے علاوہ مرزا کے معتقد اور سچے دوست تھے مرزا نے لکھا کہ اختر اور ممتاز یہ لوگ شاعر ضرور ہیں مگر بے اصولے ہیں کسی خاص روش کے پابند اور جادۂ مستقیم کے سالک اور رہ نورد نہیں ہیں۔ صاحب عالم ان لوگوں سے عقیدت رکھتے تھے اُن کو کچھ گراں گزرا۔ اسی دوران میں اتفاق سے عرصہ تک اُن کو خط لکھنے کی مہلت نہ ملی۔ مرزا جی میں کھٹکے کہ ہو نہ ہو یہ وہی اختر

و ممتاز والا معاملہ ہے۔ جب خط آئے ہوئے بہت دیر ہو گئی تو مرزا نے سرور کو خط لکھا جس میں فارسی زبان کی شاعری کی تدریجی ترقیوں کا حال ہے۔ لکھتے ہیں "حضرت صاحب عالم مجھسے آزردہ ہیں اور وجہ اُسکی یہ ہے کہ میں نے ممتاز و اختر کی شاعری کو ناقص کہا تھا۔ اس رقعہ میں ایک میزان عرض کرتا ہوں حضرت صاحب عالم ان صاحبوں کے کلام یعنی ہندیوں کے اشعار کو قتیل اور واقف سے لیکر بیدل اور ناصر علی تک اس میزان میں تولیں۔ رودکی و فردوسی سے لیکر خاقانی و سنائی و انوری وغیرہم تک ایک گروہ۔ ان حضرات کا کلام تھوڑی تھوڑی تفاوت سے ایک وضع پر ہے۔ پھر حضرت سعدی طرز خاص کے موجد ہوئے۔ فغانی اور ایک شیوہ خاص کا مبدع ہوا۔ خیالہائے نازک و معانیہائے بلند لایا۔ اس شیوہ کی تکمیل کی ظہوری و نظیری و عرفی و نوعی نے۔ سبحان اللہ قالب سخن میں جان پڑ گئی اس روش کے بعد صاحبان طبع نے سلاست کا چربا دیا۔ صائب و کلیم و سلیم و قدسی و حکیم شفائی اس زمرہ میں ہیں۔ رودکی و اسدی و فردوسی۔ یہ شیوہ سعدی کے وقت میں ترک ہوا۔ اور سعدی کی طرز نے بسبب سہل ممتنع ہونے کے رواج نہ پایا۔ فغانی کا رنگ پھیلا اور اس میں نئے نئے رنگ پیدا ہوتے گئے۔ تو اب طرزیں تین ٹھہریں۔ خاقانی اور اُسکے اقران۔ ظہوری اور اُسکے امثال۔ صائب اور اُسکے نظائر۔ خالصاً للہ ممتاز وغیرہم کا کلام ان تین طرزوں میں سے کس طرز پر ہے۔ بے شبہہ فرماؤ گے کہ یہ طرز اور ہی ہے۔ پس تو ہم نے جانا کہ انکی طرز چوتھی ہے۔ کیا کہنا ہے۔ خوب طرز ہے۔ اچھی طرز ہے۔ مگر فارسی نہیں ہے۔ ہندی ہے۔ دارالضرب کا سکہ شاہی نہیں ہے

ٹکسال باہر ہے۔ داد۔ داد انصاف۔ انصاف۔

اگرچہ شاعران نغز گفتار ‏ ‏ ز یک جام اند در بزم سخن مست

ولے با بادۂ بعضے حریفاں ‏ ‏ خمار چشم ساقی نیز پیوست

مشو منکر کہ در اشعار این قوم ‏ ‏ ورائے شاعری چیزے دگر ہست

"وہ چیز دگر" پارسیوں کے حصہ میں آئی ہے۔ ہاں اُردو زبان میں بعض اہل ہند نے وہ چیز پائی ہے ؎

بدنام ہوگے جانے بھی دو امتحان کو (میر) رکھیگا کون تم سے عزیز اپنی جان کو

دکھلائیے لیجا کے تجھے مصر کا بازار (سودا) خواہاں نہیں لیکن کوئی واں جنس گراں کا

قائم اور تجھ سے طلب بوسے کی کیونکر مانوں (قائم) ہے تو نادان مگر اتنا بھی بدآموز نہیں

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا (مومن) جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

ناسخ کے ہاں کمتر اور آتش کے ہاں بیشتر یہ تیز نشتر ہیں مگر مجھے کوئی شعر ان کا اسوقت یاد نہیں آیا" الغرض کہ مرزا نے ایک مفصل تاریخ ادوار شاعری کی انہیں لکھ دی جس پر یہ کاربند تھے۔ اسی رنگ میں شعر کہتے اور برابر مرزا صاحب کی خدمت میں بھیجتے رہتے تھے۔ مرزا کو بھی اُن کی خاطر اتنی عزیز تھی کہ صلاح میں ذرا دیر ہوتی تو عذر کرتے اور کسر نفسی کے طور پر شرمندگی کا اظہار کرتے۔

ایک مرتبہ ایام غدر کے اختتام پر چودھری صاحب نے مرزا صاحب سے ملنے کے لیے دہلی آنیکا ارادہ کیا۔ مگر گرمی کا موسم اور پُر آشوب زمانہ تھا اون کے چچا نے اس سفر کو کچھ مناسب نہ سمجھا۔ بعذر گرمی کا بہانہ کرکے روکدیا۔ انھوں نے یہ حال مرزا کو لکھا۔

مرزا کو جب یہ قصہ معلوم ہوا تو شہر کی تباہی اور دار و گیر پر نظر کر کے اس بات کو بہت ہی مغتنم سمجھا اور لکھا کہ "آپ کے چچا نے کرامت کی جو آپ کو منع کیا۔ ڈاک کی سواری پر اگر آپ اس شہر میں آجاتے تو ممکن تھا۔ مگر رہنا شہر میں بے حصول اجازت حاکم احتمال ضرر رکھتا ہے۔ اگر خبر نہ ہو تو نہ ہو اور اگر خبر ہو جائے تو البتہ قباحت ہے"۔ اس خط میں مرزا نے یہ بھی لکھا کہ دو تین مہینے بعد میں بھی مارہرہ آؤں گا۔ مگر پھر جانا نہ ہو سکا۔ مگر پھر بھی مرزا انکا پاس و لحاظ بہت رکھتے تھے۔ غدر کے بعد بادشاہ ابوظفر بہادر شاہ کی مصاحبت کے جرم میں مرزا بھی باغیوں میں شمار کیے گئے تھے! اور بتایا گیا تھا کہ سکۂ شاہی کی تاریخ تمہیں نے کہی تھی۔ یہ غریب حیران تھے کیونکہ ان کو یقین تھا کہ وہ تاریخ ذوق نے کہی تھی اور دہلی کے اردو اخبار میں مولوی محمد باقر یعنے مولانا آزاد کے والد نے طبع کی تھی۔ مرزا نے یہ سمجھ کر کہ شاید چودھری صاحب کے پاس فائل ہو تو وہ اصل اخبار ملجائے چودھری صاحب کو اس تاریخ کے لیے لکھا۔ اور سرنامہ پر یہ فقرے درج کیے "جناب چودھری صاحب آج کا خط میرا کاسۂ گدائی ہے یعنی تمسے کچھ مانگتا ہوں" علاوہ اسکے ان کی بات کا اتنا خیال رکھتے تھے کہ اگر وہ کسی کے لیے صلاح کی سفارش کرتے تو مرزا باوجود آلام پیرانہ سالی کے اس زحمت ناروا کو برداشت کرتے مگر ان کو ناراض نہ ہونے دیتے۔ جیسا کہ بعض خطوط سے ظاہر ہے۔ کبھی دیکھا نہ تھا اسلیے سرنامہ پر اکثر یہ شعر لکھتے تھے۔

شرط اسلام بود ورزش ایمان بہ غیب   اے تو غایب ز نظر مہر تو ایمان من است

جب سرور نے انشائے بہارستان سرور لکھی تو مرزا سے قطعہ تاریخ کی فرمائش

کی۔ مرزا نے لکھا کہ وعدہ اس لیے نہیں کرتا کہ بے وعدہ پہونچے گا تو اور زیادہ لطف آئیگا ؎

بے طلب دیں تو مزا اس میں سوا ملتا ہے　　وہ گدا جس کو نہ ہو خوے سوال اچھا ہے

اکثر صاحب عالم کی خیریت ان سے اور انکی خیریت صاحب عالم کے خطوط سے معلوم ہو جاتی تھی مگر صاحب عالم کے خطوط کچھ ایسے بُرے خط میں لکھے ہوتے تھے کہ چودھری صاحب کے پاس واپس کر دیے جاتے تھے اور جب وہ صاف لکھکر بھیجتے تو مرزا پڑھ سکتے تھے۔

سرور کے تعلقات مرزا سے نہایت قدیم اور بہت استوار تھے علاوہ مسائل نظم کے دوسرے علوم و مسائل مثل نجوم وغیرہ بھی مرزا سے پوچھتے رہتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ مرزا سے دریافت کیا کہ آفتاب برج حمل میں کب آتا ہے مرزا نے لکھا کہ "تحویل آفتاب بہ حمل کے باب میں موٹی بات یہ ہے کہ ۲۲ مارچ کو واقع ہوتی ہے۔ کبھی ۲۱۔ کبھی ۲۳ بھی آپڑتی ہے۔ اس سے تجاوز نہیں ہوتا طالع وقت تحویل درست کرنا بے فن کتب اور مبلغ علم ممکن نہیں میرے پاس یہ دونوں باتیں نہیں" اسی خط میں یہ بھی پوچھا تھا کہ کف الخضیب کیا چیز ہے۔ مرزا نے بتایا کہ "کف الخضیب صور جنوبی میں سے ایک صورت ہے۔ اوس کے طلوع کا حال کچھ مجکو معلوم نہیں اختر شناسان ہند کو اسکا حال کچھ معلوم نہیں اور اون کی زبان میں اسکا نام بھی یقین ہے کہ نہوگا۔ قبول دعا وقت طلوع منجملہ مضامین شعری ہے جیسے کتاں کا پرتوِ ماہ سے پھٹ جانا۔ اور زمرد سے افعی کا اندھا ہو جانا۔ آصف الدولہ نے افعی تلاش کر کے منگوایا۔ اور قطعات زمرد

اوسکے محاذی چشم رکھے کچھ اثر نہوا۔ ایران و روم و فرنگ سے انواع کپڑے منگوائے چاندنی میں پھیلائے سکا بھی نہیں"۔

مرزا کے آخر وقت تک ایسے ہی تعلقات رہے۔ اور وہ برابر سرور کے کلام پر اصلاح دیتے رہے۔ مگر افسوس ہے کہ اب سرور کا کلام نایاب ہے سرور کے انتقال کو اب تقریباً ۲۵ برس گزرے ہونگے

سیاح سیف الحق میاں داد خاں

نام میاں داد خاں اور سیف الحق لقب تھا جو مرزا غالب نے عطا فرمایا تھا۔ جیسا کہ مرزا خود اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں۔ " یہ جو میں نے سیف الحق خطاب دیا ہے۔ اپنی فوج کا سپہ سالار مقرر کیا ہے تم میرے ہاتھ ہو۔ تم میرے بازو ہو۔ میرے نطق کی تلوار تمہارے ہاتھ سے چلتی رہے گی"۔ اصل میں اورنگ آباد کے رہنے والے تھے۔ مگر سورت میں مقیم تھے۔ آپ کے والد ماجد منشی عبد اللہ خاں اورنگ آباد کے ذی مقدرت رئیس اور نہایت مشہور و معروف شخص تھے۔ جب سیاح پیدا ہوئے تو دولت و اقبال کی فراوانی تھی۔ عزت اور حشمت خاندانی کا ستارہ چمک رہا تھا۔ مگر افسوس کہ جب تک یہ سن شعور کو پہونچے گردش زمانہ نے وہ سب مٹا دیا۔ اور افلاس وادبار و نکبت نے گھر گھیر لیا۔ مجبوراً انھیں ترک وطن کرنا

پڑا۔ اور سورت چلے آئے اور نواب میر غلام بابا خاں رئیس اعظم سورت کے زمرۂ مصاحبین میں داخل ہوئے۔

سیاح خطاب مرزا غالب نے اس واسطے اون کو دیا تھا کہ وہ علاوہ مشہور مشہور ہندوستان کے شہروں کے دوسرے ممالک ایران و عرب مصر وغیرہ کی بھی سیر کر آئے تھے۔ چنانچہ ۱۸۶۴ء میں دلّی آکر مرزا سے ملاقات کی اور عرصہ تک مقیم رہے۔ اور اسیطرح کئی مرتبہ سورت سے دلی تک آئے۔ اس زمانہ میں نہ ریل تھی نہ سفر کی اسقدر آسانیاں تھیں مگر وہ برابر سفر کرتے رہتے تھے۔

شعر و شاعری کے نہایت دلدادہ تھے اور ابتدا میں عشاق تخلص کرتے تھے۔ مرزا صاحب نے اس تخلص کو بدل کر سیاح تخلص رکھا۔ سیاح کو فارسی میں درجۂ کمال حاصل تھا۔ اور نہایت بے تکلفی کیساتھ اس زبان میں گفتگو کرتے تھے۔ نہایت عقلمند اور حکام رس تھے۔ بعض لوگ ان کو سرکاری جاسوس سمجھا کرتے تھے جہاں کہیں جاتے اور کچھ دنوں وہاں قیام کرتے تو مصرع طرح خود دیتے اور وہاں مشاعروں کی بنیاد ڈالتے تھے اور داد سخن دیتے تھے۔ پڑھنے کا ایسا اچھا انداز تھا کہ سُننے والے محو ہو جاتے تھے۔ اور ہر مشاعرہ میں یہ اپنا رنگ جما لیتے تھے۔

افسوس ہے کہ ۱۸۶۸ء میں ان کے اوپر مقدمۂ قلب سازی قائم ہوا اور گرفتار ہو کر سزایاب ہو گئے مرزا سے ان کو اور انسے مرزا کو ایک خاص خلوص اور انس تھا۔ چنانچہ قاطع برہان کی تائید میں ایک رسالہ لطائف غیبی انھوں نے لکھا ہے جسکی مرزا نے خود تعریف کی ہے اور اُنھیں لکھا ہے کہ

"لطائف غیبی نے اعدا کی دھجیاں اُڑا دیں"۔ آزاد مرحوم کو یہ شبہہ ہے کہ یہ مرزا ہی کا لکھا ہوا ہے۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ مرزا جا بجا ان کی لیاقت کی تعریف کرتے ہیں۔ اور کہیں ان کو منع کرتے ہیں کہ اب اور کچھ ایسا نہ لکھنا۔ مرزا سے ان کے تعلقات اس درجہ تھے کہ خاص یگانگت اور دوستی میں بھی نہیں ہوتے۔

مرزا کی محبت کا یہ عالم تھا کہ ان کو نورِ چشم۔ برخوردار۔ بیٹا کر کے خطاب کرتے تھے اور سیّاح کا بھی یہ رنگ تھا کہ قلمی۔ مالی غرضکہ ہر قسم کی مرزا کی اعانت کرتے رہتے۔ کبھی روپیہ۔ کبھی ہنڈی کبھی کچھ کبھی کچھ برابر بھیجتے رہتے تھے مرزا کی ملاقات صوری چونکہ میشتر سیاح کو میسر نہ تھی اس لیے خواہش کی تھی کہ آپ اپنی تصویر بھیجدیجئے۔ مرزا نے جواب میں لکھا "صاحب کیوں اس بڑھاپے میں تصویر کے پردے میں کھنچا کھنچا پھروں۔ گوشہ نشین آدمی عکس کے تصویر اُتارنے والے کو کہاں ڈھونڈوں۔ دیکھو ایک جگہ میری تصویر بادشاہ کے دربار میں کھنچی ہوئی ہے اگر ہاتھ آجاوے گی تو وہ ورق بھیجدونگا۔"

سیّاح نہایت بلند پایہ اور پُرگو شاعر تھے۔ فارسی اور اُردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے اور آخر وقت تک مشق سخن جاری تھی مگر افسوس کہ جسقدر ان کی شہرت ہونا چاہئے تھی نہ ہوئی۔ آخر کار اسی گوشہ گمنامی میں ۷۰ برس کی طویل عمر پاکر بمبئی میں ۱۹۰۷ء میں انتقال کیا۔ "سیر سیّاح" ان کی ایک مشہور تصنیف ہے جس میں اپنی سیر و سیاحت کا حال درج کیا ہے نمونہ کلام یہ ہے ؎

کرتے ہیں وہ باتیں کہ مری جان پہ بنجائے | بگڑے ہوئے کچھ آئے ہیں بہکائے ہوئے ہیں

آئے ہیں عیادت کے لیے غیر کے ہمراہ
ساتھ اپنے مری موت کو بھی لائے ہوئے ہیں

غصہ میں ترے چہرۂ زیبا سے عیاں ہیں
وہ شعلے جو اغیار کے بھڑکائے ہوئے ہیں

کہدو سنبھل کے میکدہ میں آئے محتسب
ٹوٹینگے خم ضرور مگر اوسکے سر کیساتھ

ہوتے ضرور تیرے شاکر یہ کیا کہیں
قاتل دہان زخم کی گویا زباں نہ تھی

پھرا کرتا ہوں گرد اُسکے نہیں تاب ہم آغوشی
میں ہوں تصویر اور وہ شمع فانوس خیالی ہے

قفس میں سیر گلشن کی اگر مانگے دعا دل سے
صدائے خندۂ گل آئے فریادِ عنادل سے

شاکر مولوی عبدالرزاق

مولوی عبدالرزاق نام تھا شاکر تخلص کرتے تھے اور اپنے نام کیساتھ جعفری الحیدری لکھتے تھے۔ اپنے وقت کے مشہور و معروف وکیلوں میں تھے مرزا ان کو اشرف الوکلا کہتے تھے اور نہایت عزت کی نظر سے دیکھتے تھے علم و فضل میں کامل مانے جاتے تھے۔

مرزا سے شاکر کی ملاقات غائبانہ آخر عمر میں ہوئی جب مرزا اپنے آلام جسمانی میں گرفتار تھے۔ قوت حافظہ اور سامعہ نے جواب دیدیا تھا ایک پیکر بیجان تھے جو کسی طرف حرکت نہ کرسکتے تھے اسی عالم میں شاکر نے اصلاح کے لیے اپنا کلام بھیجا۔ مرزا نے خلقی انکسار کی وجہ سے پہلے

انکار کیا۔ مگر بعدہ لکھا "آپکا واسطے اصلاح کلام کے رجوع کرنا میری طرف موجب نازش کا ہے۔ میرا طریق اس فن خاص میں یہ ہے کہ جو شعر بے عیب ہوتا ہے اُسکو بدستور رہنے دیتا ہوں اور جہاں لفظ کے بدلے لفظ لکھتا ہوں اسکی وجہ خاطرنشان کر سکتا ہوں تاکہ آئندہ صاحب کلام اس قسم کے کلام میں خود اپنے کلام کا مصلح رہے۔" اس اطلاع کے بعد سلسلۂ اصلاح شروع ہوا اور متعدد غزلوں پر اصلاح دیگئی جسکا ذکر مختلف خطوط میں موجود ہے اکثر بے اختیارانہ داد دیتے تھے۔ چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں "مخمس بعد الاصلاح بھیجتا ہوں۔ حق تو یہ ہے کہ شعر آپ کہتے ہیں اور حظ میں اُٹھاتا ہوں حسن اتفاق سے اصلاح خمسہ کے وقت دوست غمگسار یار وفاشعار علامۂ روزگار ختم العلماء المتبحرین مولوی مفتی صدرالدین خاں صاحب بہادر صدر الصدور سابق دہلی المتخلص بہ آزردہ دام لقبارہ و زاد علاءہ کہ مجھسے ملنے کو غمخانہ پر تشریف لائے ہوئے موجود تھے۔ خمسہ کو دیکھکر پسند فرمایا حضور کی بلاغت کی تحسین کی۔ عربی مصرعوں کے میرے ساتھ شریک غالب ہوکر مزے لوٹے۔ اور آپ کی شیرینی گفتار کے وصف میں تادیر۔ عذب البیان اور رطب اللسان رہے اور مجھسے بقدر میری معلوم و بیان ۔ کے آپ کے صفات حمیدہ سے واقف و آگاہ ہوکر بہت شاد و خرسند ہوئے۔ مبارک ہو۔ نادیدہ اور غائبانہ یعنی محض مشتاقانہ بہ تمنائے ملاقات ۔ عجز و نیاز لکھنے کو ارشاد کر گئے ہیں لہذا میں لکھتا ہوں قبول فرمائیے گا۔"

شاکر گو کہ خود متبحر عالم تھے مگر مرزا کے اکثر اشعار کے معنے جو سمجھ میں نہ آتے تھے مرزا سے بتکلف پوچھتے تھے۔ چنانچہ ان اشعار کے معانی مرزا نے

انکو سمجھائے ہیں جو ادبی خطوط میں ملیں گے[1] ؎

ظلمت کدہ میں میرے شب غم کا جوش ہے
اک شمع ہے دلیل سحر سو خموش ہے

متقابل ہے مقابل میرا | رُک گیا دیکھ روانی میری
کارگاہ ہستی میں لالہ داغ ساماں ہے | برق خرمن راحت خون گرم دہقاں ہے
نقش فریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا | کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا
شوق ہر رنگ رقیب سر و ساماں نکلا | قیس تصویر کے پردے میں بھی عریاں نکلا
نہیں ذریعۂ راحت جراحت پیکاں | وہ زخم تیغ ہے جس کو کہ دلکشا کہیے

شاکر نے ایک مرتبہ مرزا سے خواہش کی تھی کہ مجھکو فارسی میں خط لکھا کیجیے۔ مرزا نے جواب میں لکھا "بندہ نواز فارسی میں خطوں کا لکھنا پہلے سے متروک ہے۔ پیرانہ سری و ضعف کے صدموں سے محنت پژوہی و جگرکاوی کی قوت مجھ میں نہیں رہی۔ حرارت غریزی کو زوال ہے اور یہ حال ہے ؎

مضمحل ہو گئے قویٰ غالب | وہ عناصر میں اعتدال کہاں

کچھ آپ ہی کی تخصیص نہیں سب دوستوں کو جنسے کتابت رہتی ہے اُردو ہی میں نیاز نامے لکھا کرتا ہوں جن جن صاحبوں کی خدمت میں آگے میں نے فارسی زبان میں خطوط و مکاتب لکھے اور بھیجے تھے اون میں جو صاحب الی الآن ذی حیات موجود ہیں اُنسے بھی عند الضرورت اسی زبان مروج میں مکاتبت و مراسلت کا اتفاق ہوتا ہے۔"

غرضکہ شاکر اُن بزرگوں اور اُن فاضلوں میں سے تھے جن کی قابلیت

[1] دیکھو صفحہ خط نمبر ۳ صفحہ ۸۲ و ۸۴ وغیرہ

پر اُستاد کو بھی ناز ہوتا ہے۔ نمونہ کلام ؎

ہیں اپنے گنہ مزیلِ اُمید — ایمان کہاں ہے ایک ڈر ہے[1]

کوئی آتا نہیں آگے ترے ہمتا ہو کر — آئینہ جب نظر آیا ہے تو اندھا ہو کر

مردمِ چشم سیہ جب نظر آتا ہے ترا — بیٹھ جاتا ہی مرے دل میں سویدا ہو کر

حرمتِ مے کیلیے پیرِ مغاں کا ہے یہ حکم — ریشِ قاضی کی رہے پنبۂ مینا ہو کر

ہے تمہارا آفتابہ آفتابِ آسماں — دیکھ لو اپنی چلمچی میں حبابِ آسماں

شفق انورالدولہ نواب سعدالدین خاں بہادر

انورالدولہ سعید الملک نواب سعدالدین خاں بہادر صولت جنگ فضل الدولہ نواب احمد بخش خاں بیتاب کے بیٹے اور ناصرالدولہ بہادر المتخلص بہ ناصر کے پوتے وزیرالممالک نواب عمادالملک غازی الدین خان متخلص بہ نظام کے پروتے تھے۔ کدورہ ضلع کالپی کے قدیم رئیس تھے۔ آفتاب الدولہ سید امجد علی قلق لکھنوی سے تلمذ رکھتے تھے۔ فارسی کے ذی استعداد اور نہایت مشاق استاد تھے۔ مرزا سے غائبانہ ملاقات اور اتحاد تھا۔ مگر کبھی ظاہری ملاقات کا موقع نہ ملا تھا۔ جانبین کو اشتیاق تھا مگر اتفاق نہیں ہوتا تھا کہ یہ دو بدر کمال ایک جگہ جمع ہو سکیں۔ مرزا کو ان کے ملنے کی اتنی تمنا تھی کہ دعائیں مانگتے اور کہتے کہ اے خدا جبتک صاحب عالم اور انورالدولہ سے نہ مل لوں میری

[1] ان اشعار کی اصلاح کے لیے دیکھو صفحات ۸۴ و ۸۵۔

روح قبض نہ کرنا۔ چنانچہ ایک مرتبہ بندیلکھنڈ کے سفر درازکی تکلیف محض انکے اشتیاق ملاقات میں اُٹھانی چاہی مگر اتفاق سے پہونچ نہ سکے۔ خود لکھتے ہیں" میرا دل جانتا ہے کہ آپ کے دیکھنے کا میں کسقدر آرزومند ہوں میرا ایک بھائی ماموں کا بیٹا کہ وہ نواب ذوالفقار بہادر کی حقیقی خالہ کا بیٹا ہوتا تھا۔ اور مسند نشین حال کا چچا تھا۔ اور وہ میرا ہم شیر بھی تھا یعنی میں نے اپنی ممانی اور اُسنے اپنی پھوپھی کا دودھ پیا تھا وہ باعث ہوا میرے باندا بوندیلکھنڈ آنے کا۔ میں نے سب سامان سفر کرلیا۔ ڈاک میں روپیہ ڈاک کا دیدیا قصد یہ تھا کہ فتح پور تک ڈاک میں جاؤں گا۔ وہاں سے نواب علی بہادر کے ہاں کی سواری میں باندے جاکر ہفتہ بھر رہ کر کالپی ہوتا ہوا آپ کے قدم دیکھتا ہوا سپیل ڈاک دلّی چلا آؤنگا۔ ناگاہ حضور والا بیمار ہو گئے اور مرض نے طول کھینچا۔ وہ ارادہ قوت سے فعل میں نہ آیا اور پھر مرزا از یک خاں میرا بھائی مرگیا ؎ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ واللہ وہ سفر اگرچہ بھائی کی استدعا سے تھا مگر میں نتیجہ اوس شکل کا آپ کا دیدار سمجھا ہوا تھا" ایک مرتبہ معلوم ہوا کہ انورالدولہ بیمار ہیں تو مرزا انکو لکھتے ہیں" مزاج کی ناسازی موجب تشویش و ملال ہوئی۔ اگرچہ حضرت کی تحریر سے معلوم ہوا کہ مرض باقی نہیں مگر ضعف باقی ہے لیکن تسکین خاطر منحصر اس میں ہے کہ آپ بعد اس تحریر کے ملاحظہ فرمانیکے اپنے مزاج کا حال پھر لکھیں"۔

مرزا نے اونکو ایک مرتبہ اپنا ایک قصیدہ بھیجا۔ اتفاق سے جواب ملنا دیر ہوئی۔ مرزا سے نرہا گیا۔ ایک خط لکھا اور اوس میں شوخی کی کہ انورالدولہ

بھی بھڑک اُٹھے۔ اُمید گاہ کی بجائے کاف فارسی کا ایک مرکز اڑا کر کاف تازی بنایا اور اُمیدکاہ لکھا۔ انورالدولہ اس رمز کو سمجھ گئے۔ جواب میں اس کا ذکر کیا۔ مرزا نے لکھا کہ" امیدکاہ بکاف عربی ازراہ شکوہ لکھا۔ تو کیا گناہ۔ نہ خط کا جواب نہ قصیدہ کی رسید ؎

خستگی پرسش از من بجوئے بود بندہ خستہ گستاخ گوئے

اور یہ جو آپ لکھتے ہیں کہ ان موانع کی وجہ سے میں قصیدہ کی تحسین نہ لکھ سکا بندہ بے ادب نہیں تحسین طلب نہیں۔ یا ایسے جمع میں محشور ہوں کہ سوائے احترام الدولہ کے کوئی سخنداں نہیں۔ یہ جو اپنا کلام آپ کے پاس بھیجتا ہوں گویا آپ اپنے پر احسان کرتا ہوں ؎

واے بر جان سخن گر بہ سخنداں نرسد"

ایک مرتبہ عجیب لطیفہ ہوا۔ انورالدولہ بہادر نے اپنے خط کے سرنامہ پر مخدوم نیاز کیشاں لکھا تھا چٹھی رساں نے کیشاں کو کپتان پڑھا۔ مرزا کے داروغہ کو خط دیکر کہا کہ ڈاک کا ہرکارہ بندگی عرض کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مبارک ہو آپ کو جیسا کہ دلی کے بادشاہ نے نوابی کا خطاب دیا تھا اب کالپی سے خطاب کپتانی کا ملا۔ مرزا حیران ہوئے۔ یا اللہ یہ کیا معاملہ ہے۔ کجا کپتانی کجا غالب۔ آخر راز کھلا تو ازراہ بے تکلفی یہ لطیفہ نواب صاحب کو لکھ بھیجا۔ باآنکہ ملاقات غائبانہ تھی۔ مگر نہایت بے تکلفانہ تھی۔ خطوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دو ہم سن ہم نوالہ ہم پیالہ دوست باہم مذاق میں مصروف ہیں جیسا کہ اس خط کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے "پیرومرشد ۱۲ بجے تھے میں

ننگا اپنے پلنگ پر لیٹا ہوا حقہ پی رہا تھا کہ آدمی نے آکر خط دیا میں نے کھولا پڑھا۔ بھلے کو انگرکھا یا کرتہ گلے میں نہ تھا۔ اگر ہوتا تو میں گریبان پھاڑ ڈالتا حضرت کا کیا جاتا میرا نقصان ہوتا" کہیں لکھتے ہیں کہ میر امجد علی سے میری خطا معاف کرائیے۔ میں اس میں رشوت دینے کو بھی تیار ہوں۔ کہیں لکھتے ہیں کہ حضرت بہت دنوں سے امجد علی صاحب کا کچھ حال معلوم نہیں۔ ان کے تخلص نے مجھکو حیران کر رکھا ہے یعنی قلق میں مبتلا ہوں۔ غرض اسی قبیل سے بہت سے فقرے مذاقیہ اور بہت سے جملے مزاحیہ لکھ جاتے۔ مگر کیا مجال کہ کہیں مرتبہ سے کم کوئی بات ان پر آئے یا متانت کے خلاف کوئی جملہ نکلے۔

اگرچہ خطوں سے بھی معلوم ہوتا ہے اور تذکرے بھی اس بات پر متفق ہیں کہ نواب صاحب قتیل سے اصلاح لیتے تھے مگر مرزا کے خطوط سے پتہ چلتا ہے کہ مرزا کی ملاقات کے بعد یہ اپنا کلام بغرض اصلاح مرزا کے پاس بھیجتے تھے اور مرزا انکسار کی راہ سے عذر کرتے تھے مگر ایک آدھ جگہ اصلاح بھی دیدیتے تھے۔ چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں" قصیدہ کو بار ہا پڑھا اور غور کی جس طور پر ہے اس میں گنجائش اصلاح کی نہ پائی یعنی لفظ کی جگہ لفظ بالمرادف لانا صرف اپنی دستگاہ کا اظہار ہے ورنہ کوئی لفظ بے محل اور بے موقع نہیں۔ کوئی ترکیب فارسی ٹکسال باہر نہیں۔ مگر اس طرز گفتار کا بدلنا۔ اسکے واسطے چاہئے دوسرا قصیدہ اس زمین میں ایک اور کہنا اور وہ تکلف بارد ہے بلکہ شاید حضرت کو یہ منظور بھی نہو پس شرم کمخدمتی سے لرزش اور فرط خجلت سے سر درپیش ہو کر قصیدہ کو اس لفافہ میں بھیجتا ہوں خدا کرے مورد عتاب نہوں"۔ ایک جگہ تہذیب کیساتھ اصلاح بھی دیتے ہیں۔

"کیا میں سخن ناشناس اور نا انصاف ہوں کہ ایسے کلام کے حک و اصلاح پر جراءت کروں۔ چہ حاجت مشاطہ روئے زیبا را۔ ہاں ایک جگہ آپ تحریر میں سہو کر گئے ہیں ؎ اے مطرب جادوفن باز مرہ ہوش زن۔ دو میم آپڑے ہیں ایک میم محض بیکار ہے۔ دیگر ایک جگہ آپ باز م لکھ گئے ہیں ؎

اے مطرب جادوفن دیگر رہ ہوش زن

مگر باوجود اس کے بھی مرزا انکا پایہ سخن گوئی و سخن فہمی نہایت عالی جانتے ہیں۔ اور انکو شعر گوئی کی ترغیب دیتے ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں "کہ ہائے کیا غزل لکھی ہے قبلہ آپ فارسی کیوں نہیں کہا کرتے کیا پاکیزہ زبان ہے اور کیا طرز بیان ہے" یا " میں جو اپنا کلام آپکے پاس بھیجتا ہوں گویا آپ اپنے پر احسان کرتا ہوں" نواب صاحب کے اعتقاد کا بھی یہ عالم ہے کہ روزانہ مسائل علمی پوچھتے رہتے ہیں کبھی کوئی علمی بات کبھی ادبی کبھی نجوم کبھی لغت اور مرزا بے تکلفانہ بتاتے ہیں۔ نواب صاحب مالی امداد بھی کرتے ہیں مرزا اُسکو خوشی سے قبول کر لیتے ہیں۔ یہی بے تکلفانہ اور دوستانہ مراسم عمر بھر جاری رہے۔ نمونۂ کلام ؎

پرکالہ ایک میرے دل پا بستہ ساز کا | سرمایۂ دکاں ہے ہر آئینہ ساز کا

ٹھوکریں کھاتا ہے میرا کاسۂ سر خاک میں | بعد سر گننے کے بھی اک دردِ سر پیدا ہوا

بعد مردن بھی نہ دیکھا اوج میری خاک نے | ربط ہوتے ہی ہوا سے ابتر پیدا ہوا

کریں اُمید وفا خاک اہل محفل سے | صراحی مے کی جو رونے لگی ایاغ ہنسا

آرزو دل کی نہ لے شوق شہادت نکلی | سخت جانی سے مری خنجر قاتل ٹوٹا

کیوں فریب زندگی میں کھاکے آفت میں پھنسا | مجکو آنا تھا سمجھ کر عالم اسباب میں

گور لیتے ہیں تعلیم مجھ سے ہر ذرہ گرد ہی میں
کہ آندھی میں ہوں پائے جنوں کی خاک اُڑاتے میں

یاد ہے چشمۂ خنجر کی روانی مجھ کو
کردیا نزع میں کس لطف سے پانی مجھکو

ہم ساتھ روح چلے جانب گلزار عدم
سیر ہستی کی مبارک ہو گرانجانوں کو

شیفتہ۔ نواب مصطفیٰ خاں رئیس جہانگیر آباد

محمد مصطفیٰ خاں نام تھا عظیم الدولہ سرفراز الملک نواب مرتضیٰ خاں بہادر مظفر جنگ کے بڑے صاحبزادے تھے۔ آپ کے والد ماجد نے لارڈ لیک کے ساتھ رہ کر بڑے بڑے کام انجام دیئے جسکے صلے میں ہوڈل پلول کا علاقہ جاگیر میں ملا۔ جہانگیر آباد کا علاقہ خود انھیں کا خرید کردہ تھا جو اب تک ان کے اخلاف کے قبضہ میں چلا آتا ہے۔ نواب مصطفیٰ خاں ۱۲۲۱ھ مطابق ۱۸۰۶ء کو بمقام دہلی پیدا ہوئے۔ سن شعور کو پہونچکر تعلیم و تربیت کیطرف توجہ کی۔ آپ کی تعلیم کے لیے رسم زمانہ کے موافق وہ بہتر سے بہتر سامان فراہم کیے گئے جو ایک مقتدر رئیس کے لیے کیے جا سکتے ہیں۔ چنانچہ مولوی محمد نور اور مولوی کرم اللہ مرحوم سے جو نہایت مشہور محدث تھے۔ آپ نے عربی تعلیم پائی۔ اور فقہ حدیث منطق و دیگر کتب درسیہ سے فراغت حاصل کی جب حج کو تشریف لے گئے شیخ محمد عابد سندھی مشہور محدث سے حدیث کی سند حاصل کی۔ آپ کا قیام زیادہ تر اپنے علاقہ جہانگیر آباد میں رہتا تھا۔

مگر دہلی میں بھی برابر تشریف لاتے۔ اور یہاں کے باکمالوں کے مجمع میں شریک ہوتے رہتے تھے۔ اور بسبب علم وفضل کے اپنے امثال واقران میں نہایت ممتاز شمار کئے جاتے تھے۔ ہنگامۂ غدر کے بعد آپ پر بھی بغاوت کے الزامات قائم ہوئے اور سات برس کی سزا کا حکم ہوا۔ مگر آخر بے قصور ثابت ہوئے اور بالکل بری کر دیے گئے۔ پھر آخر عمر تک نہایت زاہدانہ زندگی بسر کر کے ۱۲۸۶ھ میں انتقال کیا۔

شعر وشاعری کا ابتدائے عمر ہی سے ذوق تھا جیسا کہ خود اپنے تذکرہ گلشن بیخار میں لکھتے ہیں۔ "فقیر از آوان صبا بایں شغل منوط بودہ واکثرے عمر گرامی از دست داد" فارسی و اُردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے اور فارسی میں حسرتی۔ اردو میں شیفتہ تخلص کرتے تھے۔ اردو کلام پر حکیم مومن خان سے اور فارسی میں مرزا غالب سے اصلاح لیتے تھے۔ جوانی تک یہ شغلہ نہایت زوروں پر تھا۔ اور برابر دلی کے باکمالوں کے مجمع میں شریک ہوتے غزل سرائی کرتے اور داد سخن دیتے تھے۔ خود بھی مجلس مشاعرہ کا انعقاد کرتے تھے مگر جب سے حج کیا۔ اور شاہ محمد اسحاق صاحب سے بیعت کی اُسوقت سے یہ شغل بہت کم ہوگیا تھا۔ مذہبیات کیطرف زیادہ توجہ تھی۔ مگر پھر بھی تفنن طبع یا احباب کے اصرار سے کچھ نہ کچھ فرماتے رہتے تھے البتہ جب حضرت شاہ عبدالغنی صاحب محدث دہلوی سے تجدید بیعت کی اور حلقۂ مشائخ میں داخل ہوئے تو اُسوقت ذوق شاعری رہنے کی برابر رہ گیا تھا۔ اور تصوف اور مذہبیت کی طرف پوری توجہ تھی۔

مرزا غالب سے آپ کے تعلقات اوّل اوّل صرف بحیثیت دوست کے تھے۔ مگر آخر

میں جب آپ حکیم مومن خاں کے بعد اردو فارسی کلام میں مرزا سے مشورت کرنے لگے تو ارتباط و خلوص اور بھی بڑھ گیا تھا مرزا کی نظم و نثر کے ایک زبردست قدرداں تھے۔ چنانچہ مرزا کا ایک خط پہونچا تو اُسکے جواب میں لکھتے ہیں" ؎

اے از نفس خامہ مشکین رقم تو نسرین کدہ در جیب و بغل باد صبا را

بورود والانامۂ والا آمود با نثر نشرہ نثار و اشعار شعری شعار اندازہ اعتبار خویش برگرفتم و صد مرتبہ نظم و نثر دانستم۔ آں سینہ را بیک آئین نورانباشت وایں دل را بیک سحر فروغ شیدا آگین ساخت آں بیخود شوق نمود وایں ہستی دانش افزود۔ برآں سرم کہ پارہ از وصف ہمایوں نظم و خجستہ نثر رقم کنم۔ کہ عرصہ سخن فراخ۔ و طبع من چالاک۔ ولے ترسم کہ کیش اغراق گوید۔ و دیگر کیش غلو خوانند اگر مہر را مہر و ماہ را ماہ گفتہ شود چہ غلو و کدام اغراق تواند بود۔ گل را نگینی و بوئے ہست و دل را نشے و ذوقے اگرآنچہ دراں است بر لب آید چرا شگفت نماید بالجملہ از طرز شاعرانہ میگذرم کہ چنین نیرنگی احتمال ہا باوست۔ سخن سادہ و بیرنگ میگذارم۔"

اسی رقعہ میں آگے چلکر مرزا کا عرفی اور طالب سے مقابلہ کرتے ہیں اور عرفی کی غزل پر کوئی غزل یا قصیدہ پر قصیدہ دیکھکر فرماتے ہیں۔

" طرفہ اوج دجاہے در بارگاہ مبدأ فیاض نصیب بخت بلند حضرت است کہ نہ ہمیں یکرہ کہ صد رہ دیدہ ام۔ تشریف تان دیگر و تشریف دیگران دیگر۔ عرفی و طالب را دریں زمین نظمے است و ہم شمارا نظمے ایں دیگر است و

آں دیگر۔ سیرابی معنی در سخن عرفی مسلم است ولے لفظ شگفتہ کو۔ شادابی الفاظ در گفتار طالب بجا است اما معانی تازہ کجا۔ ہمانا چنیں نغز گوئی و نادرہ سنجی و بدبخش صاحب افتادہ است و بس خوش گفتہ است ؎

کم افتد چنیں نکتہ پرداز کم کہ ناگہ زند لفظ و معنے بہم"

ایک جگہ مرزا صاحب کے دیکھنے کے آرزومند ہیں اور طلب جواب کے لیے یہ فقرے لکھتے ہیں "طبع حریص است کہ تختے گلہ از درد دوری سر دہد و دلے خالی کند۔ اما بسے بے نسبت است۔ چہ آنجا کہ عجز در رقم سنجی در بیم و امید دارد ایں مایۂ جرأت را نیر واز کجا خیزد ؎

حسرتی تو نامہ آرائی دمن پاسخ طلب زود بر بال کبوتر بند مکتوب مرا"

مرزا صاحب کو بھی شیفتہ کی قابلیت کا اعتراف ہے اور ان کو دل سے عزیز رکھتے ہیں۔ کہتے ہیں ؎

غالب ز حسرتی چہ سرائیم کہ در غزل چوں او تلاش معنی و مضموں نکردہ کس

آں ہمائے تیز پروازم کہ بال در ہوائے مصطفیٰ خاں میزنم

غالبؔ بفن گفتگو ناز د بدیں ارزش کہ او
ننوشت در دیواں غزل تا مصطفیٰ خاں خوش نکرد

اسی طرح اور بھی مختلف مقامات پر اس قسم کے شعر پائے جاتے ہیں۔ مرزا کی محبت کا یہ عالم ہے کہ جب یہ سنتے ہیں کہ نواب مصطفیٰ خاں ماخوذ ہو گئے۔ حسرت کرتے ہیں افسوس کھاتے اور کہتے ہیں کہ ہائے وہ ناز پروردہ یہ قید سخت کیونکر برداشت کریگا۔ جب رہائی کی خبر سنتے اور معلوم کرتے ہیں کہ میرٹھ میں آ گئے ہیں اور دیں

ایک مکان لیکر مقیم ہیں تو فوراً ڈاک میں سوار ہوکر میرٹھ بعجلت جاتے ہیں اور جب تک اپنی آنکھوں سے شیفتہ کو دیکھ نہیں لیتے صبر نہیں آتا دوستوں سے بار بار انکا ذکر کرتے ہیں چنانچہ اُردوئے معلےٰ کے بہت سے رقعوں سے اسکا پتہ چلتا ہے شیفتہ کی تعریف کی داد یوں دیتے ہیں کہ برابر اپنی غزلیں انکو بھیجتے رہتے ہیں۔ نواب صاحب تذکرہ گلشن بیخار کی تقریظ کے لیے لکھتے ہیں تو مرزا صاحب کہتے ہیں" کہ ابھی فرصت نہیں لیکن لکھونگا اور جلد لکھونگا" پھر کہتے ہیں" کہ تذکرہ کے اجزا واپس کرتا ہوں اور ڈرتے ڈرتے ایک بات کہتا ہوں اپنے گزرے ہوئے دوست کا حق دوستی ادا کرتا ہوں۔ مرزا احمد بیگ خاں ابن ہادی بیگ خاں برادر نواب احمد بخش خاں کا حال رہگیا اُنکا تپاں تخلص تھا کلکتہ کے رہنے والے تھے۔ چار برس ہوئے کہ انتقال کر گئے اُنھوں نے آپکے تذکرے کے لیے کلام بھی دیا تھا۔ مگر نواب میر محمد خاں سرور کی غفلت سے کلام ضائع ہو گیا۔ اب اگر کچھ ملسکے تو اُن کے لڑکے احمد خاں سے منگا لیجیے۔ انھیں ضرور درج کر دیجئے مجھپر احسان ہو گا"۔ ایک جگہ نواب کے بھیجے ہوئے آموں کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ کہیں اون کے دوسرے عطیوں پر مدحت سرا ہوتے ہیں کہیں غزلیں منگاتے ہیں کبھی خود جہانگیر آباد ملنے جاتے ہیں غرضکہ ہر طرح سے دوستی اور اتحاد کے ادائے حقوق میں مصروف رہتے اور آخر عمر تک اس وضع کو نباہتے ہیں۔

شیفتہ نہایت متشرع پابند صوم وصلوٰۃ صالح بزرگ تھے تصانیف اور علمی اشغال میں اپنا وقت صرف کرتے رہتے تھے ایک دیوان اُردو۔ ایک

دیوان فارسی۔ ایک تذکرہ موسوم بہ گلشن بیخار ایک سفرنامہ حج جسکا عربی نام "ترغیب السالک الی احسن المسالک" اور فارسی نام رہ آورد ہے۔ آپ سے یادگار ہیں

اُردو و فارسی دونوں زبانوں کی شاعری میں آپ کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ فارسی کی نسبت مولانا حالی کی رائے ہے کہ مرزا کے بعد اُن کے معاصرین میں سے کسی کی غزل اُنسے لگا نہیں کھاتی تنقید میں انکا وہ درجہ ہے کہ اُن کے داد نہ دینے سے شاعر کی نظر میں خود اپنا شعر بے وقعت ہو جاتا تھا دونوں زبانوں کا نمونہ کلام یہ ہے ؎ کلام اُردو

مشکل مانند پری اور یہ افسون وفا | آدمی کا نہیں مقدور رجھانا دل کا
شیفتہ ضبط کرو ایسی بھی کیا بیتابی | جو کوئی ہو تمہیں احوال سنانا دل کا

شیشۂ اُمید شکوہ کو بالائے طاق رکھ | کیا اعتبار زندگی مستعار کا
اے مرگ آ کہ میری بھی رہجائے آبرو | رکھا ہے اُسنے سوگ عدو کی وفات کا

کون کہتا ہے کہ ظلمت میں کم آتا ہے نظر | جو نہ دیکھا تھا سو ہم نے شب ہجراں دیکھا
یار کو محروم تماشا کیا | مر گئے ہم جانے یہ کیا کیا

سب باتیں انھیں کی ہیں یہ سچ بولیو قاصد | کچھ اپنی طرف سے تو تصرف نہیں کرتا
مجھے عاشق جو دیکھا پیر کنعاں نے جوانی میں | کہا کچھ تو بسر کی ہوتی تم نے شادمانی میں

شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ | اک آگ سی ہے سینہ کے اندر لگی ہوئی
شیفتہ وہ کہ جسنے ساری عمر (ق) | دینداری و پارسائی کی
اب وہ یوں بت پرست ہو جائے | شان ہے تیری کبریائی کی
خجل ہوں آپ میں بے وقت اپنے آنے سے | تم اور کرتے ہو ہنس ہنس کے شرمسار مجھے

وہ شیفتہ کہ دھوم تھی حضرت کے زہد کی
میں کیا بتاؤں رات مجھے کس کے گھر ملے

پڑے صبر آرام کی جاں پر
مری جان بے صبر بیتاب کا

کلام فارسی

درعشق و نوجوانی ادوین و دل گزشتیم
از ما سلام گوئید پیرانِ پارسا را

خندہ چہ خوش شیوہ ایست از پس قہر و عتاب
لذت دیگر بود زخم نمک سود را

ایں لالہ کہ رُست از گلِ ما
داغے است کہ بود بر دلِ ما

کار ہمت نہ باندازۂ طاقت باشد
مرغ بسمل شدہ ام سر پرواز ہے ہست

زشور حشر دراں انجمن سخن میرفت
بہ عشوہ گفت کہ یک فتنہ از خرام من است

جانم بلب رسید و چشمم براہ تست
دارم زعمر رفتہ اُمید وفا ہنوز

یا فلک آدم نداند غیر را
یا حدیث مردم آزاری غلط

گر بلبلے نازنیں تو رنجد میا میا
از دور بر جنازۂ مومن نماز کن

خوش آمدم کز ہجوم شکوہ تلخے زیر لب گویاں
تو برخیزی زناز و حسرتی در دامن آویز

اینہا کہ می کنی تو بمن من کنم بہ او
گردانے کہ با تو مرا آشنا کرد

با سادگان خویش و فامی تواں نمود
دل بر اُمید وعدۂ فردا نہادہ اند

بیاد طاعتِ مقبول رابعہ نیمابر
خلل بہ کار دعا ہائے مستجاب انداز

صاحب عالم مارہروی

حضرت سید صاحب عالم قصبہ مارہرہ ضلع ایٹہ کے ایک نہایت فاضل متبحر اور کامل درویش تھے آپ کے جد امجد حضرت شاہ برکت اللہ المتوفی سنہ ۱۱۴۲ھ ایک نہایت زبردست صوفی صافی اور مرتاض تھے۔ اُن کے انتقال کے بعد اُمرائے وقت نے اُن کے مزار پر ایک گنبد نما تعمیر بنوائی جو اسوقت تک درگاہ برکاتیہ کے نام سے موسوم ہے۔ شاہ صاحب موصوف کے دو صاحبزادے تھے جنھوں نے اُن کے انتقال کے بعد جُدا جُدا دو سجادے قائم کیے اور اُسی وقت سے دو خانقاہیں قائم ہوئیں۔ اور جسقدر جائدادیں شاہان وقت سے ملی تھیں وہ اِن دونوں خاندانوں پر تقسیم ہوگئیں اور آدھی آدھی ہر ایک کے حصہ میں آئیں۔ ان خانقاہوں میں ایک کا نام سرکار کلاں اور دوسری کا نام سرکار خورد تھا۔ حضرت صاحب عالم سرکار خورد کے سجادہ نشین تھے۔ آپ کا سنہ ولادت سنہ ۱۲۱۱ھ ہے۔ ایکمرتبہ مرزا غالب نے سنہ ولادت دریافت کیا تو آپنے جواب دیا کہ میرا سنہ ولادت تاریخ کے لفظ سے نکلتا ہے مرزا کے پاس جب یہ خط پہونچا تو انھوں نے اپنی خداداد ظرافت کی بموجب یہ شعر لکھ کر بھیجا ؎

ہاتف غیب نے کہدوں جینا ۔۔۔ اونکی تاریخ میرا تاریخنا

اس لفظ تاریخنا سے مرزا کا سال ولادت سنہ ۱۲۱۲ھ نکلتا ہے۔

صاحب عالم ایک نہایت زبردست فاضل اور متبحر عالم تھے عربی و فارسی کے بے مثل جاننے والے۔ اور علاوہ علوم تصوف و اشغال درویشی کے شعر و شاعری کے بھی دلدادہ تھے۔ چار دیوان شاعری عاشقانہ اور ایک دیوان نعتیہ۔ مختلف مثنویاں اور نظمیں ان سے یادگار ہیں جو ہنوز طبع نہیں ہوئیں اسپر بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کا پورا کلام محفوظ نہیں ہے ممکن ہے کہ اور کچھ ہو جو دستبرد زمانہ سے غارت اور برباد ہو چکا ہو۔

آپ کی ابتدائی تعلیم فرخ آباد میں ہوئی اسکے بعد مدت العمر مارہرہ میں قیام رہا مرزا غالب آپ سے سن میں ایک برس چھوٹے تھے مگر تعلقات برادرانہ اور دوستانہ تھے۔ آپ کا بھی یہ عالم تھا کہ مرزا سے ملاقات کے متمنی رہتے تھے۔ اور ہمیشہ چشم براہ تشریف آوری تھے۔ اور مرزا کا بھی یہ رنگ تھا کہ ایک ایک لفظ سے عقیدت اور خلوص محبت کا اظہار ہوتا رہا ہے ہمسنی کا تقاضہ ہے کہ ادب کے ساتھ ظرافت کو بھی نظر انداز نہیں کرتے اور اپنی ستم ظریفی کے زور میں فقرے پر فقرے ظرافت کے لکھتے چلے جاتے ہیں۔ چودھری عبدالغفور سرور کو خط لکھنے بیٹھتے ہیں تو صاحب عالم کا دھیان لگا ہے پورے پورے خطوں میں روئے سخن صاحب عالم کیطرف ہے۔ اگر کچھ دنوں مراسلت میں دیر ہوتی ہے تو بے چین ہو جاتے ہیں۔ اونکو لکھتے ہیں چودھری عبدالغفور سرور کو لکھتے ہیں اور جواب منگا کر مطمئن ہوتے ہیں

صاحب عالم کا خط گھسیٹ اور کسیقدر بدخط تھا اور کہیں آداب کو بھی نظر انداز فرما دیتے تھے کبھی قلم پر قط نہیں۔ کبھی دوات خراب کبھی سیاہی پھیکی کاغذ ایسا

کہ حرف لکھا اور ادھر سے اُدھر پھوٹ نکلا۔ مرزا ایک تو خوش خط۔ دوسرے
نازک مزاج ان بھلا یہ تاب کہاں کہ گھنٹوں بیٹھ کر پڑھیں غور کریں
حرف نکالیں۔ دبی زبان سے صاحب عالم سے اقرار
کرالیا کہ خط کا مضمون بتائیں تو وہ مگر لکھیں چودھری صاحب۔ کچھ دن کے
بعد شاید یہ دستور العمل موقوف ہو گیا صاحب عالم نے پھر اپنے ہاتھ سے خط لکھ کر
بھیجا۔ مرزا جز بز ہوئے آخر چودھری صاحب کو یہ لکھا کہ "آگے حضرت
صاحب کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ جو کچھ لکھیں وہ بقلم چودھری صاحب
لکھا جاوے حضرت نے نہ مانا اور پھر عبارت بدستخط خاص لکھی۔ واللہ باللہ
نہ مجھ سے اور نہ کسی سے پڑھی گئی۔ ناچار آپ کا خط پھر آپ کو بھیجتا ہوں حضرت
سے کچھ نہ فرمائیے گا۔ مگر اس عبارت کو اپنے ہاتھ سے نقل کر کے بھجوائیے گا ضرور
اور جلد" ایک اور جگہ لکھتے ہیں۔ "یہ خط ناچار از روے اضطرار واپس بھیجتا ہوں واسطے
خدا کے میرے پیر و مرشد کے ارشادات کو ایک اور کاغذ پر اپنے ہاتھ سے نقل
کر کے بھیجد تجئے۔ تاکہ مجھ بدنصیب کو معلوم ہو کہ حضرت نے کیا لکھا ہے" مگر
باوجود اسکے آداب و پاس دوستی و بزرگی اسقدر ملحوظ ہے کہ ہمیشہ تاکید رہتی ہے
کہ کہیں صاحب عالم کو خبر نہو جائے عقیدت کا یہ عالم کہ عالم تصور میں تحریر کو
تقریر بنا کر چودھری عبد الغفور سے کہہ رہے ہیں "جناب چودھری صاحب آؤ
ہم تم حضرت صاحب عالم کے پاس چلیں اور رکھیں اون کے کف پائے مبارک سے
ملیں ہیں سلام کروں گا تم معرف ہونا کہ غالب ہی ہے۔ اہل دہلی میں آپکی
دید کا طالب یہی ہے۔ میں نے عزم قدمبوسی کیا حضرت نے مجھے گلے لگایا۔"

چونکہ فیما بین ملاقات صوری نہوئی تھی۔ لہذا ایک خط میں شاہ عالم (خلف جناب صاحب عالم) کو لکھتے ہیں۔ "یارب جبتک صاحب عالم کو مارہرہ میں اور انورالدولہ کو کالپی میں نہ دیکھ لوں میری روح کو قبض کا حکم نہو"۔ ایک مرتبہ صاحب عالم کو مرزا کے مارہرے آنے کے ارادے کی اطلاع ملی بے چین ہو گئے اور لکھا کہ روز روانگی سے مطلع فرمائیے۔ مرزا نے جواب میں لکھ بھیجا۔ "حضرت کو کس راہ سے میرے آنے کا انتظار ہے۔ میں نے مرشد زادے کے خط میں کب اپنا عزم لکھا۔ یا کس نے آپ سے میری زبانی کہا کہ آپ روز روانگی کے تقرر سے اطلاع چاہتے ہیں۔ ہاں آپ کی قدم بوسی کی تمنا اور انورالدولہ کے دیدار کی آرزو حد سے زیادہ ہے اور ایسا جانتا ہوں کہ یہ آرزو گور میں لیجاؤنگا۔" اور اتفاق سے یہی ہوا۔ آخر تک ملاقات ظاہری نہو سکی دونوں جانب سے اشتیاق رہ گیا۔

صاحب عالم نے ۱۲۸۸ھ میں بمقام مارہرہ ۲ ماہ محرم الحرام انتقال کیا اور گنبد درگاہ میں حضرت شاہ برکت اللہ کے پہلو کے چپ میں مدفون ہوئے۔ آپکے اخلاف میں جناب احسن مارہروی ہیں جو ایک مشہور شاعر و ادیب ہیں اور انھیں سے اکثر یہ حالات معلوم ہوئے

عزیز۔ مرزا یوسف علیخاں

یوسف علی خاں عزیز بنارس کے رہنے والے تھے مگر بسلسلہ ملازمت

دہلی میں قیام تھا اور اسکول میں پڑھاتے تھے۔ مرزا کے شاگردوں اور عقیدتمندوں میں تھے۔ خود نقاد کامل تھے چنانچہ انیس و دبیر کے مرثیوں میں بہت سی غلطیاں انھوں نے نکالی ہیں۔ ان کے نام کا ایک خط پایا جاتا ہے جس میں اُنھوں نے مرزا سے اون کا کلام مانگا ہے اور مرزا نے جواب میں لکھ دیا ہے کہ میرا کلام میرے پاس نہیں ہے تلف ہو گیا۔ اگر میرے کلام کا اشتیاق ہے تو مطبع مفید خلائق سے دستنبو منگا کر دیکھ لو۔ اگرچہ عزیز کا کلام زیادہ دستیاب نہیں ہو سکا۔ مگر انھیں دو تین شعروں سے جو مل سکے اُنکی جودت طبع کا پتہ چلتا ہے۔

بدطالعی سے نیک نہو گا مآل کار ۔۔۔ بگڑی میں کوئی کام بنایا نجائے گا

ناصح کی ناتوانی میں ہم سنکے کیا کریں ۔۔۔ سر اُن کے آستاں سے اٹھایا نجائیگا

ہم یہ کہ اپنی موت کو تم بن طلب کریں ۔۔۔ تم وہ کہ ہم کو تم سے بلایا نہ جائے گا

علائی۔ نواب علاء الدین احمد خان جاگیردار لوہارو

نواب علاء الدین احمد خاں نواب امین الدین احمد خاں کے صاحبزادے تھے جو اپنے والد بزرگوار کی وفات کے بعد ریاست لوہارو کے مسند نشین ہوئے۔ عربی فارسی کے ماہر اور شعر و شاعری کے دلدادہ تھے اونکو ۱۸۶۱ء میں جب شعر و شاعری کا ذوق دامنگیر ہوا تو مرزا نے نسیمی تخلص تجویز

کیا۔ انھوں نے اول اول تو کچھ نہ کہا مگر پھر مرزا کو لکھ بھیجا کہ نسیمی کی تصحیف شیشی
سے ہو سکتی ہے لہٰذا اسے بدلیے۔ مرزا نے لکھا کہ تمہارا تخلص تو بہت اچھا ہے۔ شیشی کو
بے تکلف اوس کا مصحف کیوں ٹھیراؤ۔ یہ میدان تو بہت فراخ ہے۔ خدا کی خے کو
جیم فارسی سے بدلو۔ نبی کو بتقدیم موحدہ علی النون لکھو۔ یہ وسواس دل سے دور
کرو۔ رہرو ایک اچھا تخلص ہے رہزن اسکی تجنیس موجود ہے۔ شیون ایک اچھا تخلص
ہے۔ ستون اسکی تصحیف ہے۔ تمہارے واسطے بمناسبت اسم عالی تخلص خوب تھا
مگر اس تخلص کا ایک شاعر بہت بڑا نامی گزر چکا ہے۔ ہاں نامی۔ سامی یہ دو تخلص
بھی اچھے ہیں۔ مولانا فائق کی پیروی کرو مولانا لائق کہلاؤ۔ اگر کہو کہ اس ترکیب سے
لفظ نالائق پیدا ہوتا ہے۔ مولانا شائق بنجاؤ۔ ہنسی کی باتیں ہوچکیں۔ اب حقیقت واجبی
سنو۔ نسیمی تخلص خماسی بروزن ظہوری و نظیری اچھا ہے اگر بدلنا ہی منظور ہے
تو نامی۔ سامی۔ رہرو۔ شیون یہ چار تخلص رباعی بروزن عرفی و غالب اچھے ہیں
ان میں سے ایک تخلص قرار میرے نزدیک سب سے بہتر۔ تمہارے واسطے خاص
فخری تخلص بہتر ہے۔ کہو گے کہ آزاد پور کے باغ میں ایک درخت فخری ہے۔
حاصل کلام دو دن کی فکر میں جو تخلص میرے خیال میں آئے وہ آج لکھ بھیجتا ہوں
بھائی مو بد تخلص نیا ہے اگر یہ پسند آئے تو یہ رکھو۔" مگر مرزا کے کہنے سننے سے اب نسیمی تخلص
مان گئے۔ چنانچہ مرزا نے اکثر خطوط میں نسیمی ہی تخلص سے القاب میں خطاب
کیا ہے۔ پھر ایک قطعہ تاریخ میں جو خود مرزا نے اُن کے نام سے اُن کے بچے کے
مرنے کے غم میں لکھا ہے نسیمی تخلص کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔" میاں اسکو سب جانتے
ہیں کہ میں مادۂ تاریخ نکالنے میں عاجز ہوں لوگوں کے مادے دیے ہوئے نظم کر دیتا

ہوں۔ اور جو مادہ اپنی طبیعت سے پیدا کرتا ہوں وہ بیشتر لچر ہوتا ہے۔ چنانچہ اپنے بھائی کی تاریخ کا مادہ "دریغ دیوانہ نکالا"۔ پھر اس میں آ ہے گے عدد و گھٹائے تمام دوپہر اسی میں رہا۔ یہ نہ سمجھنا کہ مادہ ڈھونڈھا۔ تمہارے نکالے ہوئے دو لفظوں کو تاکا کیا کہ کسی طرح سات اسپر بڑھا دوں۔ بارے ایک قطعہ درست ہوا۔ مگر تمہاری زبان سے یعنے گویا تم نے کہا ہے۔ پانچ شعر میں تین شعر زائد دو موضع مدعا۔ لیکن میں نہیں جانتا کہ تعمیہ اچھا ہے یا بُرا ہے ہاں اغلاق تو البتہ ہے تامل سے سمجھ میں آتا ہے اور شاید لوح مزار پر کھدوانے کے قابل نہو۔ قطعہ

در گریہ اگر دعوی ہمچشمی ما کرد — بینی کہ شود ابر بہاری خجل از ما
ناچار بگرییم شب و روز کہ ایں سیل — باشد کہ برد کالبد از آب و گل از ما
گفتی کہ نگہدار دل از کشمکش غم — خود گرد بر آورد غم جان گسل از ما
یحییٰ شد واز شعلہ سوز غم ہجرش — چوں شمع دود دود و بستر متصل از ما
غم دیدہ نسیمی پے تاریخ وفاتش — بنوشت کہ در داغ پسر رفت دل از ما

ما کے عدد اکتالیس دل کے عدد چونتیس ما میں سے دل گیا گویا اکتالیس میں سے چونتیس گئے باقی رہے سات وہ داغ پسر پر بڑھائے ۱۲۷۴ ہاتھ آئے" مگر یہ تخلص نسیمی اُسی زمانہ میں علائی کیا تھا بدل دیا گیا تھا چنانچہ ۱۲۸۲ھ مطابق ۱۸۶۵ء یعنی ۸ برس بعد کی ایک غزل میں جو مرزا نے علائی کی فرمائش سے لکھی ہے یہ مقطع لکھا ہے ؎

مجھسے غالب یہ علائی نے غزل لکھوائی — ایک بیداد گر رنج فزا اور سہی

علائی اگرچہ رشتہ کے بھتیجے اور مرزا سے چھوٹے تھے مگر مرزا نے اُس

خردی کے مراتب میں ان کے ساتھ دوستانہ و بے تکلفانہ روش کی اس طرح آمیزش کردی تھی کہ خطوں کے دیکھنے والے کو بمشکل یہ تمیز ہوتی ہے کہ کاتب مکتوب الیہ کا دوست ہے یا کوئی بزرگ ہے استاد ہے یا کوئی عزیز۔ مرزا کو غالباً اس خاندان میں سب سے زیادہ علائی کے ساتھ تعلق تھا وہ اُن سے اتنے بے تکلف تھے کہ اس خاندان کے دوسرے لوگوں کیساتھ وہ عالم نہیں ہے۔ کہیں انکو بلند اقبال لکھتے ہیں کہیں میری جان۔ کہیں مولانا علائی۔ کہیں مرزا نسیمی۔ کہیں یا نہ بھتیجے۔ کہیں صرف میاں۔ کہیں صرف صاحب۔ جب کوئی تنبیہ منظور ہوتی ہے تو بے تکلف مگر اس طرح کہ اُن کے مراتب ملحوظ رہیں۔ ڈانٹ دیتے ہیں جب داد دیتے ہیں تو اس طرح کہ اپنی بزرگی کا بھی لحاظ رہے ایک جگہ ادنسے کہتے ہیں "خفقان اور مراق اگرچہ تمہارا خانہ زاد موروثی ہے۔ لیکن آجتک تمہاری خدمت میں حاضر نہوا تھا۔ اب کیوں آیا۔ اگر آیا تو ہرگز اسکو ٹھہرنے نہ دو۔ ہانک دو خبردار اسکو اپنے پاس رہنے نہ دینا۔ علاء الدین خاں کی اپنے والد نواب امین الدین احمد خاں سے کچھ صفائی نہ تھی مگر ۱۸۶۰ء میں قلوب میں کچھ صفائی پیدا ہوئی۔ اور محبت و ارتباط قائم ہوا۔ مرزا کو خبر ہوئی تو انھوں نے شوخی سے حافظ کے مصرعوں پر ایک ایک مصرع لگا کر علائی کو بھیجا ؎

شکر ایزد کہ ترا با پدرت صلح فتاد	حوریاں رقص کناں ساغر شکرانہ زدند
قدسیاں بہر دعائے تو و والا پدرت	قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

لڑکے کے پیدا ہونے کی مبارکبادیوں دیتے ہیں کہ "خدا اس نئے مہمان کا قدم مبارک کرے" ایک جگہ فرماتے ہیں "مولانا نسیمی کیوں خفا ہوتے ہو یہ ہے

اسلاف و اخلاف ہوتے چلے آئے ہیں اگر نیر خلیفہ اوّل ہے۔ تم خلیفہ ثانی ہو۔
اوس کو عمر میں تم پر تقدم زمانی ہے۔ جانشین دونوں ہو مگر ایک اوّل ایک ثانی ہے۔
اسی طرح جا بجا وہ وہ لطیفے وہ وہ گلفشانیاں ہیں کہ کاغذ باغ و بہار نظر آتا ہے اور پڑھنے
والے کا دل پھول کی طرح کھلا جاتا ہے۔

علائی نظم و نثر دونوں میں مرزا سے صلاح لیتے تھے اور مرزا برابر خوشی
کیساتھ اس محنت شاقہ کو برداشت کرتے تھے آخر عمر یعنی مرنے سے کچھ دن پہلے
ایک سند لکھ کر علائی کو دی تھی اوس میں لکھتے ہیں "میں نے دبستان فارسی
کا تم کو جانشین قرار دے کر ایک سجل لکھدیا ہے۔ اب جو چار کم اسّی برس کی عمر
ہوئی اور جانا کہ میری زندگی برسوں کیا مہینوں کی نرہی شاید بارہ مہینے جسکو ایک
برس کہتے ہیں اور جیوں ورنہ دو چار مہینے۔ پانچ سات ہفتے۔ دس بیس دن کی
بات رہ گئی ہے۔ اپنے ثبات حواس میں اپنے دستخط سے یہ توقیع تم کو لکھے دیتا ہوں
کہ فن اردو میں نظماً و نثراً تم میرے جانشین ہو۔ چاہیے کہ میرے جاننے والے جیسا
مجھکو جانتے تھے ویسا تم کو جانیں اور جیسا مجھ کو مانتے تھے تم کو مانیں۔ کل شئی ہالک
و یبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام۔ یکشنبہ سلخ صفر ۱۲۸۵ہجری ۲۱ جون ۱۸۶۸ء
منمقام دہلی۔"

علائی مرزا کی شاعری کے ایسے دلدادہ تھے کہ تقریباً ہر خط میں غزل منگاتے
تھے۔ مرزا کا آخری وقت تھا ضعف بڑھا ہوا۔ جگر کاوی کی طاقت نہیں
پھر بھی کبھی کبھی غزلیں بھیجتے رہتے تھے اور جب اعجاب آتے تو خفا ہوتے۔ ایک دفعہ یوں
لکھا "تمہارا باپ بدگمان ہے یعنے مجھ کو زندہ سمجھتا ہے۔ میرا سلام کہو اور

یہ شعر میرا پڑھ کر سناؤ ؎

گمان زیست بود بر منت ز بیدردی — بدست مرگ دلے بدتر از گمان تو نیست

مجھے کافور و کفن کی فکر پڑی ہے۔ وہ ستمگر شعر و سخن کا طالب ہے زندہ ہوتا تو وہیں کیوں نہ چلا آتا۔ مجھ پر سے یہ تکلیف اُٹھوا لو اور تم اس زمین میں چند شعر لکھکر بھیجدو میں صلاح دے کر بھیجونگا عصائے پیر بجائے پیر" کہیں لکھتے ہیں" اشعار تازہ مانگتے ہو کہاں سے لاؤں عاشقانہ اشعار سے مجھکو وہ بُعد ہو جو ایمان سے کفر کو"۔ ایک جگہ لکھتے ہیں" تم نے اشعار جدید مانگے خاطر تمہاری عزیز۔ ایک مطلع اور صرف دو مصرع آگے کے کہے ہوئے یاد آگئے کہ وہ داخل دیوان بھی نہیں او نپر فکر کر کے ایک مطلع اور پانچ شعر سات بیت کی ایک غزل تمکو بھیجتا ہوں۔ بھائی کیا کہوں کہ کس مصیبت سے یہ چھہ بیتیں ہاتھ آئی ہیں اور وہ بھی بلند مرتبہ نہیں" چونکہ مرزا کی تحریر کے موافق بجز ایک مطلع ایک شعر اور ایک مقطع کے دیوان میں بقیہ شعر نہیں ہیں لہذا وہ سب یہاں لکھے جاتے ہیں

بہت سہی غم گیتی شراب کم کیا ہے — غلام ساقی کوثر ہوں مجھکو غم کیا ہے

رقیب پر ہے اگر لطف تو ستم کیا ہے — تمہاری طرز و روش جانتے ہیں ہم کیا ہے

کٹے تو شب کہیں کاٹے تو سانپ کہلاوے — کوئی بتاؤ کہ وہ زلف خم بخم کیا ہے

لکھا کرے کوئی احکام طالع مسعود — کسے خبر ہے کہ واں جنبش قلم کیا ہے

نہ حشر و نشر کا قائل نہ کیش و ملت کا — خدا کے واسطے ایسے کی پھر قسم کیا ہے

وہ داد و دید گرانمایہ شرط ہے ہمدم — وگرنہ مہر سلیمان و جام جم کیا ہے

سخن میں خامۂ غالب کی آتش افشانی — یقیں ہے ہمکو بھی لیکن اب اُسمیں دم کیا ہے

افسوس کہ علائی مرحوم کا کلام نہیں ملسکا کہ بطریق نمونہ درج کیا جاتا

نواب میر غلام باباخاں ۷

نواب میر غلام باباخاں عرف چھوٹے صاحب سورت کے رئیس تھے اور گورنمنٹ کیجانب سے خطاب یافتہ تھے نہایت ہی اخلاق مند بذلہ سنج اور سخن فہم بھی تھے۔ خود شاعر نہ تھے مگر شاعروں کے بڑے قدرداں تھے۔ پہلے مرزا سے صرف براے نام آشنا تھے مگر جب میاں داد خاں سیاح اپنے وطن سے آئے اور نواب صاحب کے زمرۂ مصاحبین میں داخل ہوے تو اُن سے مرزا کے اوصاف حمیدہ سُنے اور غالباً اُنکے حسن کلام کے دلدادہ ہوگئے آخر اگست یا اوایل ستمبر ۱۸۶۳ء مطابق ۱۲ ربیع الاول ۱۲۸۰ھ میں پہلا خط مرزا صاحب کو لکھا۔ اُسی خط میں نواب میر جعفر علی خاں کے مرگ بے ہنگام کی خبر لکھی گئی تھی، نواب میر جعفر علیخاں میر غلام باباخاں کے عزیز تھے اور سورت کے اعیان اور نامور رؤسا میں اونکا شمار تھا جو ۱۲۸۰ھ میں بعمر ۶۴ سال نوت ہوگئے تھے۔ مرزا نے یہ خط دیکھا اور جواب میں لکھا کہ افسوس ہے آپ کو پہلا ہی خط تعزیت نامہ کے طرز پر لکھنا پڑا۔ اسی خط میں اون کی تاریخ وفات لکھ کر بھیجی جو درج ذیل ہے

گردید نہاں مہر جہانتاب دریغ — شد تیرہ جہاں بہ چشم احباب دریغ

ایں واقعہ از روے زاری غالب — تاریخ رقم کرد کہ نواب دریغ

روے زاری زاے ہوز کے اعداد بڑھائے جائیں تو ۱۲۸۰ نکلتے ہیں۔

اسکے بعد سلسلہ مراسلت جاری رہا اور نواب صاحب کا حسن اعتقاد مرزا کیساتھ برابر

ترقی کرتا رہا۔ ہمیشہ مالی امداد مرزا کو پہونچاتے ۔ اور طرح طرح سے اعانتیں کرتے رہے مرزا کی ملاقات کے اتنے متمنی تھے کہ بار بار خطوط میں مرزا کو سورت بلاتے تھے مگر وہ اپنی مجبوریوں کی وجہ سے عذر کرتے اور نہ پہونچ سکتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ جب اسی طرح کا خط آیا تو مرزا نے جواب میں لکھا " اگر بوڑھا اور اپاہج نہ ہوتا تو ریل کی سواری میں مقرر آپ تک پہنچتا ! ور آپ کے دیدار سے مسرت اندوز ہوتا ۔" ایسے ہی ایک مرتبہ ماہ رجب المرجب ۱۲۸۳ھ میں نواب صاحب کے لڑکوں یا اور کسی عزیز کی شادی تھی ۔ اس میں مرزا کو بھی سورت بلایا گیا ۔ مگر اُنھوں نے وہی عذر کر دیا اور لکھا " بہ سواری ریل روانہ ہونے کی لہر دل میں آئی ۔ پاؤں سے اپاہج ۔ کانوں سے بہرا ۔ ضعف بصارت ضعف دماغ ضعف دل ضعف معدہ اِن سب ضعفوں پر ضعف طالع ۔ کیونکر قصد سفر کروں ۔ تین چار شبانہ روز کس طرح قفس میں بسر کردں ایک گھنٹہ میں دو بار پیشاب کی حاجت ہوتی ہے ۔" اسی طرح سے بار بار عذر کر دیتے ۔ مگر برابر نواب صاحب کے مداح اور ثنا گر رہتے تھے ! ور اُنکو اپنا محسن جانتے تھے ہر جشن ۔ ہر تقریب شادی غمی کی تاریخیں لکھکر بھیجتے اور نواب بھی عقیدت کے جوش میں برابر اونکی خدمت کرتے رہتے تھے ایک مرتبہ نواب صاحب کے یہاں صاحبزادہ پیدا ہوا مرزا نے تاریخی نام سید ہاشم علیخاں تجویز کر کے لکھا ۔ جس سے ۱۲۸۳ ہجری نکلتے ہیں ۔ فرماتے ہیں کہ " کیوں حضرت صاحبزادے کا اسم تاریخی پسند آگیا یا نہیں ۔ نام تاریخی اور پھر سید بھی اور خاں بھی عجب ہے اگر پسند نہ آئے " ۱۲۸۶ھ میں نواب صاحب کی صاحبزادی کی بسم اللہ کی تقریب

میں یہ تاریخ لکھ کر بھیجی۔

خجستہ جشن دبستاں نشینی بیگم ❊ بہ فیضِ ہمت نواب و یُمن اقبالش

چو از پے ادب آموزی است خوش باشد ❊ اگر خجستہ بہار ادب بود سالش

اِسی سال نواب صاحب کسی بڑے مقدمے میں عدالت عالیہ سے کامیاب ہوئے مرزا کو خبر ہوئی تو فوراً یہ قطعہ تہنیت روانہ کیا ؎

فتح سیّد غلام بابا خاں ❊ خود نشان دوام اقبال است

ہم ازیں رو بود کہ غالبؔ گفت ❊ کہ ظفر نامۂ ابد سال است

۱۲۸۳

نواب صاحب نے اپنا فوٹو مرزا کو بھیجا تو مرزا نے سیّاح کے توسط سے جواباً یہ لکھا کہ "حال تصویر کا یہ کہ میں نے اُسے سر پر رکھا آنکھوں سے لگایا۔ گویا چھوٹے صاحب کو دیکھا لیکن اسکا سبب نہ معلوم ہوا کہ نواب صاحب نے ہم سے بات نہ کی۔ خیر دیدار تو میسر ہوا گفتار بھی اگر خدا چاہیگا تو سن لینگے۔"

ایک مرتبہ نواب صاحب نے ایک گھڑی تحفۃً مرزا کی خدمت میں بھیجی۔ مرزا نے سیف الحق سیّاح کو لکھا "حضرت نے ایک گھڑی عنایت فرمائی بھلا یہ میرے کس کام کی۔ چار دن سونچا کیا کہ پھیر دوں پھر سونچا کہ برا مانیں گے آخر کو گھڑی رکھ لی۔" ۱۲۸۲ھ میں نواب صاحب کے یہاں ایک فرزند تولد ہوا تو مرزا نے تاریخ لکھ کر بھیجی ؎

میر بابا یافت فرزندے کہ ماہِ چاردہ ❊ بر فراز لوح گردوں گردۂ تمثال اوست

فرخی بینی و یابی بہرہ از ناز و طرب ❊ از سر ناز و طرب فرزند ہو فرخ فال و ست

ایک مرتبہ نواب صاحب نے سو روپیہ بھیجے تو مرزا نے سیّاح کو لکھا "چھوٹے صاحب

نے بڑی جوانمردی اور ہمت کی اِس صرف میں میرا کام ہوا اونکا نام ہوا۔ اللہ اللہ اب بھی ہندوستان میں ایسے لوگ ہیں کہ نہ میں نے اون کو دیکھا اور نہ اُنھوں نے مجھے دیکھا۔ نہ میرا کوئی حق اُنپر ثابت۔ نہ اون کو کوئی خدمت مجھسے لینی منظور۔ خیر فقیر ہوں جبتک جیوں گا دعا دونگا۔"

مرزا کے خطوط نواب صاحب کے نام ۱۸۶۸ء تک کے ملتے ہیں اور ۱۵ ر فروری ۱۸۶۹ء کو مرزا کا انتقال ہوا اس سے قیاس ہوسکتا ہے کہ جو مراسم پہلے دن سے شروع ہوئے وہ آخر وقت تک اُسی طرح قائم رہے

غلام نجف خاں (حکیم)

عضد الدولہ حکیم غلام نجف خاں حافظ محمد مسیح الدین خاں کے بیٹے شیخوپور کے رہنے والے تھے شیخو پور مضافات بدایاں میں ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ حکیم صاحب موصوف اصل میں شیخ فاروقی ہیں۔ مگر دربار شاھی سے خانی کے خطاب سے سرفراز ہوئے اسیوجہ سے نام کے ساتھ یہ خطاب بھی شامل ہوگیا۔

اِن کے جد ششم شیخ فرید المخاطب بہ محتشم خاں عہد جہانگیری و شاہجہانی میں عہدہ ہائے جلیلہ پر ممتاز اور منصب پنجہزاری ذات اور پانچ ہزار سوار سے سرفراز تھے۔ چنانچہ جہانگیر نے اِن کی استدعا پر انھیں چار ہزار بیگہ آراضی

موضع مولیا بیں سے آبادی وسکونت کے واسطے دی تھی جس میں انھوں نے ایک قلعہ کی نیاد ڈالی تھی اور اُسکا نام جہان گیر کے نام پر شیخو پور رکھا تھا کیونکہ جہانگیر کا نام زمانۂ شاہزادگی میں شیخو بابا تھا اور اکبر ہمیشہ جہانگیر کو اسی نام سے پکارا کرتا تھا۔ اسی طرح شیخ فرید کے والد نواب قطب الدین خاں جو حضرت سلیم چشتی فتحپوری کے عزیزوں میں تھے۔ عہد اکبری میں صوبہ داری صوبہ بہار اور جہانگیر کے عہد میں منصب پنجہزاری ذات وسوار و خلعت خاصہ و شمشیر و اسپ خاصہ بازین مرصع اور عنایات شاہانہ سے سرفراز ہو کر دارالملک بنگالہ اور اڈیسہ کی صوبہ داری پر جو پچاس ہزار سوار کی جگہ تھی مامور ہوئے

حکیم غلام نجف خاں اپنے خالو میر سید علی صاحب کے ساتھ جو کمپنی کیطرف سے تحصیلدار تھے اور پھر نواب گورنر جنرل بہادر کے میر منشی ہوئے پانچ برس کی عمر میں دلّی میں وارد ہوئے اور جب سن تمیز کو پہونچے تو یہیں کی سکونت اختیار کی۔ ابتدائے عمر سے علم طب کیطرف طبیعت کو لگاؤ تھا اسلیے بعد تحصیل علوم درسی و ضروری طب کیطرف مائل ہوئے اور حکیم صادق علیخاں ابن حکیم شریف خاں سے کتب درسیہ طب کی تکمیل کی۔ اور حکیم احسن اللہ خاں بہادر کے مطب میں نسخہ نویسی کی مشق بہم پہونچائی۔ چونکہ حکیم احسن اللہ خان سے قرابت تھی لہذا اونھوں نے بھی زیادہ توجہ کی جس کی وجہ سے چند ہی روز میں کامل اور شہر کے مشہور اطبا میں شمار ہونے لگے اور یہانتک اس فن میں نامور ہوئے کہ ظل اللہ سراج الدین بہادر شاہ ظفر کے دربار سے عضد الدولہ اور خاں بہادری کا خطاب پایا۔ بعد

انتزاع سلطنت سرکار کمپنی بہادر کیطرف سے شہر کے مریضوں کے علاج کیواسطے مامور اور متعین ہوئے نہایت ذہین۔ ذکی اور حاذق اطبا میں سے تھے۔

حکیم صاحب مرزا کو اپنا بزرگ مانتے اور باپ کے برابر جانتے تھے اور فن شعر میں اونھیں سے مشورت کرتے تھے۔ چنانچہ اِن تعلقات کا مرزا اپنے ایک خط میں ذکر کرتے ہیں " حکیم غلام نجف خاں سنو اگر تم نے مجھے بنایا ہے یعنی اُستاد اور باپ کہتے ہو یہ امر از روئے تمسخر ہے تو خیر اور اگر از روئے اعتقاد ہے تو میری عرض مانو اور ہیرا سنگھ کی تقصیر معاف کرو۔ بھائی انصاف کرو اُسنے اگر حکیم احسن اللہ خاں سے رجوع کی وہ بھی تمہارے بھائی ہیں اور تم کو اُن سے استفادہ بھی ہو اگر وہ گھبرا کر حکیم محمود خاں کے پاس گیا تو اُن کے باپ سے تم کو نسبت تلمذ کی ہے ابتدا میں اُن سے پڑھے ہو پس یہ غریب تمہارے سوائے اگر گیا تو بھی تمہارے ہی علاقے میں گیا وہ بھی گھبرا کر اور خفقان سے تنگ آکر اب جو حاضر ہوتا ہے تو اُسپر بہ نسبت سابق کے توجہ زیادہ فرماؤ اور بدل اوسکا معالجہ کرو "

مرزا کو ان سے اتنی محبت تھی کہ جا بجا ان کی جدائی کے شاق ہونیکا ذکر کرتے ہیں اور ہمیشہ ان سے ملنے کے دل سے متمنی رہتے ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں " اگر مل بیٹھنا قسمت میں ہے تو دیکھ لینگے ورنہ انا للہ وانا الیہ راجعون " ایک جگہ کہتے ہیں کہ " تمہارے یہاں نہونے سے جی گھبراتا ہے کبھی کبھی ناگاہ ظہیر الدین کا آنا یاد آتا ہے۔ کہو اب خیر سے کب آؤ گے۔ کے برس کے مہینے کے دن راہ دکھاؤ گے " اس محبت کا یہاں تک اثر تھا کہ مرزا صاحب کی بیوی اُنسے

پردہ نہیں کرتی تھیں اور اپنے بچوں کی طرح ان سے پیش آتی تھیں۔ مرزا باہر سے خط لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جاؤ گھر میں اپنی اُستانی کو یہ خط سنا دو۔ روزانہ فرمائشیں کرتے ہیں کہیں کہتے ہیں کہ چاول عمدہ خرید کر بھیجدو۔ کہیں کہتے ہیں کہ مار اللحم کھنچوا دو۔ چونکہ یہ غدر کے زمانہ میں شیخوپور چلے گئے تھے اسواسطے مرزا سے برابر دلی کا حال پوچھتے رہتے ہیں اور مرزا یہاں کی تباہیوں کا تذکرہ اس دردناک طریقہ سے کرتے ہیں کہ جی بھر آتا ہے۔

حکیم صاحب کے بیٹے ظہیر الدین کو مرزا ایسا چاہتے تھے کہ کہیں اُسکو اپنا پیارا پوتا لکھتے ہیں۔ کہیں خط میں اوسکا سلام نہ پہونچنے پر خفا ہوتے ہیں۔ کہیں اُسکا اپنے گھر آنا یاد کرتے ہیں۔ غرض کہ وہ محکم اور استوار تعلقات ہیں جو عزیز دلی اور رشتہ داروں میں بھی نہیں ہوتے ایک ایک لفظ سے محبت اور تعلق کی ایک داستان پیش نظر ہو جاتی ہے۔ مرزا تنبیہ کی طور پر چشم نمائی بھی کرتے ہیں اور کہیں اون کی ذہانت کی داد بھی دیتے ہیں اور حکیم صاحب اُن کو اپنا بزرگ سمجھکر آداب ملحوظ رکھتے اور اُن کے خطوط کے مشتاق رہتے ہیں

قدرؔ میر غلام حسنین بلگرامی

میر غلام حسنین آپکا اور میر خلف علی آپکے والد ماجد کا نام تھا۔ حُسینی سید۔ قصبہ بلگرام محلہ سلہرہ کے معزز لوگوں میں تھے۔ ۱۲۴۹ھ میں

بمقام قصبہ مذکور پیدا ہوئے اور ایک مشہور بزرگ سید سلطان علی نے آپ کا نام تاریخی غلام حسنین رکھا جس کی طرف خود قدر نے اپنی ایک رباعی میں اشارہ کیا ہے ؎

سو جان سے ہوں فدا نام حسنین ہو چشم و دل و جگر مقام حسنین
ہم روز ولادت سے ہوئے نام آور تاریخی نام ہے غلام حسنین

آپ شیعہ مذہب رکھتے تھے اور سلسلۂ نسب حضرت زید شہید سے ملتا ہے سن شعور پر پہونچنے کے بعد آپ کی تعلیم شروع ہوئی اور ابتدائی کتب پڑھنے کے بعد آپ نے بلگرام ہی میں فارسی شروع کی اور اوس سے فراغت کرکے عہد واجد علیشاہ میں لکھنؤ آئے۔ شعر و شاعری کا شوق پہلے ہی سے تھا۔ یہاں امان علی سحر سے اصلاح لینا شروع کی اور انھیں کے حلقۂ تلامذہ میں شریک ہو گئے۔ اُسی زمانہ میں مرزا محمد رضا برق سے عروض و قافیہ پڑھا۔ اِس کے بعد غازی الدین حیدر کی بیگم مخاطب بہ سرفراز محل کی سرکار میں منشی ہوئے اور اِسی زمانہ میں برق کو بھی کلام دکھانا شروع کیا۔ ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۸۵۶ء میں لکھنؤ سے بلگرام چلے آئے۔

۱۸۵۷ء میں غدر کا ہنگامہ ہوا۔ دلی پر تباہی آئی اسی زمانہ میں بہت سے لوگ اپنے گھر بار چھوڑ کر جان بچانے کے لیے اطراف و جوانب میں نکل گئے۔ چنانچہ مرزا غالب کے بھانجے مرزا عباس بیگ اور مرزا قادر بخش صابر۔ اور نواب غلام حسین شاہجہانپوری المتخلص بہ حسین بھی آوارہ وطن ہوئے اور بلگرام مین وارد ہوئے۔ یہاں ان کی نہایت خاطر تواضع کی گئی اور ان آوارہ وطن

اور پریشاں حال مسافروں کو حتی الوسع آرام پہونچایا گیا۔ قدر کی اسی زمانہ میں ان سے ملاقات ہوئی اور مرزا غالب کے اوصاف حمیدہ او نہیں لوگوں سے سُنے۔

غدر کا ہنگامہ فرو ہونے کے بعد آپ پنجاب چلے گئے! اور فوج میں میر منشی ہو گئے۔ مگر کچھ جی نہ لگنے اور کچھ آب و ہوا کی ناموافقت کیوجہ سے دلی چلے آئے اور مرزا کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے مسودات اور کلام کو صلاح کے لیے پیش کیا اور کچھ دن وہاں رہ کر لکھنؤ آئے یہاں شیخ امداد علی بحر سے نظم پر صلاح لینا شروع کی۔ مگر اسی دوران میں مرزا سے بھی برابر استفادہ کرتے رہے۔ چنانچہ خود کہتے ہیں ؎

سیکھے سحر و برق سے بندش کے بند پھر غالب بحر نے بتائے پیوند
مجھسا بھی زمانے میں نہ ہوگا ای قدر بدنام کنندۂ نکو نامے چند

غدر کے بعد ہی صوبہ اودھ کی ضلع بندی ہوئی اور بلگرام ضلع ہردوئی میں شمار کیا گیا۔ یہی زمانہ جا بجا اسکول و مدارس قائم ہونیکا تھا۔ اتفاق سے مرزا عباس بیگ جو مرزا صاحب کے بھانجے تھے اُس زمانے میں ضلع ہردوئی میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر مقرر ہوئے اونھیں کی تحریک سے قدر فارسی پڑھانے کے لیے اسکول میں مقرر ہوئے مگر چونکہ شاعری کا شوق زور و نپر تھا اور اس زمانے میں بھی وہی اشغال جاری تھے اسواسطے اکثر طلبار کو شاعری کا شوق پیدا ہوا اور تعلیم میں ہرج واقع ہوا۔ اسیوجہ سے افسر بالانے رپورٹ کردی اور آپ ریاضی سیکھنے کیلیے لکھنؤ بھیجدیے گئے۔

علم ریاضی کی تحصیل کے بعد رفیق الدولہ دبیر الانشا منشی محمد ظہیر الدین خاں بہادر ظہیر کی جگہ کیننگ کالج لکھنؤ میں اورنٹیل ڈپارٹمنٹ میں مدرس فارسی مقرر ہوئے اور ۱۸۸۳ء تک یہاں رہے۔ یہیں پنڈت جٹا شنکر پانڈے سے عروض ہندی یعنی پنگل بھی پڑھا۔

۱۸۸۴ء میں نواب آغا مرزا بیگ نبیرۂ غالب مرحوم کی تحریک پر بنارس گئے۔ حضور نظام سابق یہاں تشریف فرما تھے اور مسند نشینی کا زمانہ قریب تھا۔ چنانچہ قدر نے بھی ایک قصیدہ تہنیت کہا جس کے صلہ میں چار سو روپیہ ماہوار مقرر ہوا اور آپ کو حیدرآباد میں رہنے کا حکم ہوا۔

قدر مرحوم اکثر بیمار رہتے تھے اور قدیم سے نحیف الجثہ واقع ہوئے تھے[۱]۔ آخر حیدرآباد سے بلگرام چلے آئے اور یہاں ۱۳۰۱ھ مطابق ۲۴ ستمبر ۱۸۸۴ء روز یکشنبہ انتقال کیا اور میر خدابخش کی کربلا میں دفن ہوئے۔ جناب حمد لکھنوی نے تاریخ وفات کہی ع۔ در ہزار و سہ صد و یک قدر از دنیا بشد۔ نیز قدر کے اس مصرع سے بھی بعض لوگوں نے تاریخ نکالی

---

[۱] وضع قطع یہ تھی کہ دُبلے پتلے پستہ قد آدمی تھے۔ سر پر پٹے رکھتے تھے جو گردن کے پاس سے گھومے ہوئے تھے اور جن کو کبھی کبھی ہاتھ سے عادتاً بل دیتے رہتے تھے لباس میں وضعداری کا شوق تھا۔ کپڑے نہایت صاف اور نفیس پہنتے تھے اور صفائی کا بہت خیال رکھتے تھے

راقم الحروف جب ۱۸۸۱ء میں کیننگ کالج میں پڑھنے کے لیے داخل ہوا تو میرے محترم بزرگ مرزا خداداد بیگ برادر زادۂ ڈپٹی عباس بیگ مذکور مجھکو اپنے ساتھ لیگئے تھے ان سے اور قدر مرحوم سے تعلقات قدیمانہ تھے۔ انہیں دو آدمیوں کی وساطت سے میرا نام کالج میں لکھا گیا تھا

ع یہاں بیڑی بڑھانے کو ہر اک دیوانہ آتا ہے۔

مرزا ان پر بہت مہربان تھے تحریر کے ذریعہ سے ہمیشہ رموز و اسرار نظم و نثر سے آگاہ کرتے رہتے تھے اور نہایت مہر و محبت کا برتاؤ کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ان کی بیکاری کے زمانے میں منشی نول کشور صاحب کے مطبع میں انکو رکھا دیا۔ اور قدر مرحوم نے کچھ روز وہاں مصحح کی خدمات بھی انجام دیں۔

مرزا کو اگر کوئی بات بتانی ہوتی تو نہایت مہذب اور متین طریقے سے ان کو آگاہ کر دیتے تھے اور یہ بھی سعادت سمجھ کر اوس کو بسر و چشم قبول کر لیتے ایک مرتبہ مرزا عباس بیگ کے لڑکوں کا ذکر خط میں آیا قدر نے دانستہ یا سہواً اُنہیں مرزا کا نواسہ لکھدیا جب یہ خط مرزا کو ملا تو جواباً لکھا "صاحب تم سے پہلے یہ پوچھا جاتا ہے کہ جب تم جانتے ہو کہ مرزا عباس میری حقیقی بہن کا بیٹا ہے تو پھر میں مرزا کی اولاد کا نانا کیونکر بنا۔ مرزا کی بی بی میری بہو ہے بیٹی نہیں ہے۔ تم نے جو لکھا ہے کہ میرے نواسے کی شادی ہے کیا سمجھ کر لکھا۔ میں مرزا کی اولاد کا نانا کیونکر بنا بھانجے کی اولاد پوتا پوتی ہے نہ نواسا نواسی" مگر باایںہمہ مرزا ان کو اپنا معین اور قوت بازو جانتے تھے چنانچہ قاطع برہان کے جواب میں جب محرق قاطع لکھی گئی تو مرزا نے قدر سے جواب کی خواہش کی۔ لکھتے ہیں "تم میرے یار ہو اور میری خدمتگزاری کے حقوق ہیں تم پر۔ مجھ کو مدد دو اور اپنی قوت علمی صرف کرو محرق قاطع برہان میرے پاس موجود ہے مجھسے منگوا دیں میں ہر موقع پر خطا اور زلت مولف کا

اشارہ کرونگا۔ تم ہر فقرے کو بغور دیکھو اور بیربطیٔ الفاظ اور لغویت معانی کو
میزانِ نظر میں تو لو۔ عامی نہیں ہو عالم ہو۔ آخر مولوی نجف علی صاحب نے
بھی تو اپنی قوت عاقلہ سے اعانت غیر محرق کے جامع کی دھجیاں اڑائی ہیں
تمہارے پاس دو نسخے ایک دافع ہذیان۔ ایک سوالات عبد الکریم معہ
استفتار و افتار دستخطی علما سے دہلی موجود ہیں اور اب اس کتاب کے ساتھ
میرے اشارات سودمند پہونچینگے۔ تم کو معارضہ بہت آسان ہوگا مدعی
کا کلام در اصل لغو۔ پھر تمہارے پاس سرمایہ علمی موجود۔ اور یہ تین نسخے معقول۔
اسپر مزید علیہ اُسپر محرق اور صاحب محرق کا خاکہ اُڑ جائیگا۔ میرے
اس خط کے پہونچتے ہی جواب لکھیئے اور اجازت بھیجیے کہ میں نسخہ نامطبوعہ
محرق بسبیل ڈاک بھیجدوں مگر جسدن سے کہ کتاب پہونچ جائے آپ اوسی
دن سے اردو زبان میں رسالہ لکھنا شروع کیجیے اور بعد اختتام مجھے اطلاع
دیجیے پھر میں جیسا لکھوں ویسا عمل میں لائیے۔"

اسیطرح بہت سے نکات علمی میں باہم مراسلت رہی اور یہ سلسلہ مرزا
کے آخر عمر تک قائم رہا۔

قدر کی تصانیف میں ذیل کی کتابیں مشہور ہیں۔ مثنوی قضا و قدر
و اسوخت۔ عطر مجموعہ۔ رسم عرفی فی قصائد عرفی۔ نظم الارکان فی تقطیع ابیات
گلستان۔ قواعد العروض معہ ننگل مصطلحات اردو نا تمام کلیلہ دمنہ نظم۔
دیوان غزلیات و قصائد۔

چند شعر نموتناً درج کیے جاتے ہیں جن سے ان کی افتاد طبیعت

کا اندازہ ہوتا ہے ؎

عید کو میخانہ میں ہم رند پہونچے لیے سطح
جسطرح پرہیز ٹوٹے مردم بیمار کا

کہانتک کہوں ہیو وفا یاد رکھنا
سبق ہو گیا روز کا یاد رکھنا

نہ آگے بڑہینگے قدم تیرے قاصد
یہی ہے وہاں کا پتا یاد رکھنا

کہا یاد رکھنا تو بولے بگڑ کر
چلو جاؤ آے بڑا یاد رکھنا

اچھا ہوا اور آئینہ دیکھ
لے گھر ہیں ترا جواب نکلا

ہی سلامت جو نگ در انکا
سیکڑوں مجھسے دردسر والے

پیچلی دل نگاہ دزدیدہ
دوڑائے قدر دیکھتا کیا ہی

اون کا پورا کلام دیکھنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ کلام میں لکھنو کا رنگ زیادہ اور دہلی کا رنگ کم ہے۔ تصنع۔ آورد تشبیہات کے دلدادہ ہیں جذبات کم ہیں۔

کامل ۔ مرزا باقر علی خاں

مرزا باقر علی خاں مرزا زین العابدین خاں عارف کے بیٹے تھے جنھیں عارف کی جوانا مرگی کے بعد مرزا ہی نے پرورش کیا۔ اور مرزا ہی کے دامن تربیت میں اُنھوں نے پرورش پائی۔

مرزا زین العابدین خاں عارف نواب غلام حسین خاں متخلص بہ مسرور

کے فرزند رشید نواب شرف الدولہ فیض اللہ بیگ خاں بہادر سہراب جنگ کے پوتے اور مرزا صاحب کی بیوی کے بھانجے یعنی نواب الٰہی بخش خاں معروف کے حقیقی نواسے تھے۔ مرزا صاحب کے زیر تعلیم اور انھیں کے دامن تربیت سے وابستہ تھے۔ اوائل جوانی سے شعر گوئی کیطرف میلان تھا اور اپنے نانا کے تخلص معروف کی رعایت سے عارف تخلص اختیار کیا تھا۔ مرزا صاحب سے علاوہ تعلقات قریبی کے صلاح بھی لیتے تھے۔ نہایت خوش گو۔ خوش فکر۔ نیک مزاج۔ جوان صالح تھے۔ نمونۂ کلام کے طور پر چند اشعار ذیل میں درج کئے جاتے ہیں ؎

سخت شرمائے ہیں اتنا نہ سمجھتا تھا انہیں چھیڑنا تھا تو کوئی شکوۂ بیجا کرتا

نہ آئے سامنے میرے اگر نہیں آتا مجھے تو اُسکے سوا کچھ نظر نہیں آتا

لکھیں وہ ہمیں نامہ سمجھ میں نہیں آتا کیا اور ہمارا کوئی ہمنام نہوگا

گر ازل میں مجھکو دیتے مانگنے کا اختیار خضر کی عمر اور میخانہ کی خدمت مانگتا

دیوانگی میں غیر کو دو دن خاک گالیاں اب مانتا ہے کون بُرا میری بات کا

افسوس کہ عارف نے عین عالم شباب میں ۱۸۵۲ء میں مرزا کے عین حیات ہی میں انتقال کیا۔ مرزا کو ان کے مرنے سے وہ ناقابل برداشت صدمہ ہوا کہ اپنے بہت سے بچوں کے مرنے کا نہوا تھا چنانچہ انھیں کے غم میں ایک غزل میں چند اشعار بطریق مرثیہ لکھے ہیں جو ان کے دیوان میں موجود ہیں ؎

ہاں اے فلک پیر جوان تھا ابھی عارف کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور

عارف نے دو لڑکے چھوڑے ایک حسین علی خاں دوسرے باقر علیخاں
مرزا کی بیوی نے ان دونوں بچوں کو اپنے بچوں کی طرح پالا اور مرزا نے بھی ہمیشہ انکو
اپنا فرزند حقیقی جانا۔ جیتے جی اونکی ناز برداریاں کرتے رہے اور کبھی یہ
نہ معلوم ہونے دیا کہ باپ مرگیا ہے۔ جہاں جاتے پالکی میں اپنے ساتھ لیجاتے
کبھی انگلی پکڑ کر ادھر ساتھ ساتھ لیے پھرتے دونوں کی تعلیم و تربیت مرزا ہی نے کی۔
اور انھیں سے شعر و شاعری کے رموز سیکھے۔ جوان ہونے پر الور میں ملازم
ہوگئے تھے۔ مگر افسوس کہ مرزا کے انتقال کے بعد دونوں جوان مرگئے۔ نمونہ

کلام مرزا باقر علیخاں کامل سے

اٹھا اے پردہ بیگانگی ساقی کہ مینا ابر	کہ پیمانہ آشنا ہو گیا
یاد آنا کسی کے کاکل کا	تیرہ سازِ شبِ جدائی ہو

میر مہدی مجروح

مرزا کے عزیز ترین شاگرد میر مہدی مجروح میر حسین فگار کے بیٹے
اور دلی کے قدیم باشندوں میں سے تھے ہنگامہ غدر میں دلی کو چھوڑ کر پانی پت
چلے گئے تھے مگر وہ شورش اور ہنگامہ فرو ہوتے ہی پھر دلی آ گئے۔
کچھ دنوں تک مہاراجہ الور کے وظیفہ خوار رہے مگر وہاں سے بسبب بعض
وجوہات کے چلے آئے اور آخر عمر میں نواب رامپور کی قدر دانی سے

رام پور آئے۔ اور زمرۂ مصاحبین میں داخل ہوئے۔

سنہ ۱۳۱۶ھ میں اپنا دیوان مظہر معانی ترتیب دیا۔ سنہ ۱۹۰۲ء مطابق سنہ ۱۳۲۱ھ میں انتقال کیا۔ میر مہدی مجروح مرزا غالب کے اُن عزیز شاگردوں میں تھے جنپر مرزا کو ہمیشہ ناز رہا جنکو اونھوں نے اِن الفاظ کے ساتھ زبانکا سارٹیفکٹ دیا تھا "دلّی کے تمام احاطہ کی لوٹ پنجاب احاطہ میں گئی۔ یہ طرز عبارت خاص میری دولت ہے سو ایک ظالم پانی پت انصاریوں کے محلہ کا رہنے والا لوٹ لے گیا مگر میں نے اوسکو بحل کیا۔ اللہ برکت دے"۔

مجروح کو اوائل عمر ہی سے شعر و شاعری کا ذوق تھا اور اول ہی سے اونھوں نے اپنا کلام مرزا کو دکھایا۔ مرزا کو بھی اِن کے ساتھ وہ تعلق خاطر تھا کہ چند ہی روز میں اپنی نگاہ توجہ سے کامل بلکہ اکمل نبا دیا۔ اس میں شک نہیں کہ مرزا کا رنگ مجروح کے کلام میں کم ہے۔ مگر زبان کی سلاست اور عذوبت سادگی اور روانی اس درجہ پر ہے کہ بڑے بڑے اُستادوں کے یہاں نہیں پائی جاتی۔

مرزا صاحب اِن پر اپنے فرزندوں کی طرح عنایت کرتے تھے چنانچہ اکثر خطوط میں نورچشم اور برخوردار لکھتے ہیں اور ہمیشہ وہ رعایات ملحوظ رکھتے ہیں جو ایک بزرگ کو خرد کے ساتھ ہونا چاہیے اسی کے ساتھ ساتھ لطیفے اور چٹکلے بھی ہوتے جاتے ہیں۔ دلّی کی تباہی کے حالات قلمبند کرتے جاتے ہیں۔ میرن صاحب مجتہد العصر (میر سرفراز حسین) اور میر نصیر الدین پر پھبتے کستے جاتے ہیں۔ ضرورت ہوتی ہے تو کہیں چشم نمائی بھی کرتے ہیں مگر وہ بھی

اُسی انداز خاص سے کہ زہر بھی شکر ہو جائے۔ چنانچہ ایک خط میں مجروح نے کچھ تعلی اور شیخت کی لی تھی۔ لکھنؤ کی زبان کو دلّی سے گھٹایا تھا۔ دلّی کو مرکز زبان بتایا تھا۔ مرزا ان سب باتوں کو لغو اور مہمل سمجھتے تھے۔ اُسکے جواب میں لکھتے ہیں "آؤ میاں سید زادے آزادے۔ دلّی کے عاشق دلدادے۔ ڈھئے ہوئے اُردو بازار کے رہنے والے حسد سے لکھنؤ کو بُرا کہنے والے۔ نہ دل میں مہر و آزرم۔ نہ آنکھ میں حیا و شرم۔ نظام الدین ممنوں کہاں، ذوق کہاں، مومن خاں کہاں، ایک آزردہ سو خاموش دوسرا غالبؔ وہ بیخود و مدہوش۔ نہ سخنوری رہی نہ سخندانی کس برتے پر تتا پانی۔ہائے دلّی والے دلی بھاڑ میں جائے دلّی" کہیں ان کی روش پر ان کو داد دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میر مہدی جیتے رہو۔ آفریں صد ہزار آفریں اردو عبارت لکھنے کا اچھا ڈھنگ پیدا کیا ہے کہ مجھ کو رشک آنے لگا۔

جب کہیں مذاق کرتے ہیں تو اس طرح جیسے منہ سے پھول جھڑتے ہیں۔ مذاق بھی ہوتا جاتا ہے۔ کیرکٹر بھی ظاہر کرتے چلے جاتے ہیں۔ خود بھی ہنستے ہیں دوسروں کو بھی ہنساتے ہیں۔ "میر مہدی تم میری عادت کو بھول گئے ماہ مبارک رمضان میں کبھی جامع مسجد کی تراویح ناغہ ہوئی ہے؟ میں اس مہینہ میں رامپور کیونکر رہتا۔ نواب صاحب مانع رہے اور بہت منع کرتے رہے۔ برسات کے آموں کا لالچ دیتے رہے۔ مگر بھائی میں ایسے انداز سے چلا کہ چاندرات کے دن یہاں آ پہونچا۔ یکشنبہ کو غرّہ ماہ مقدس ہوا۔ اُسیدن سے صبح کو حامد علیخاں کی مسجد میں جاکر جناب مولوی جعفر علی

صاحب سے قرآن سنتا ہوں شب کو مسجد جامع جاکر تراویح پڑھتا ہوں کبھی جو جی میں آتی ہے تو وقت صوم مہتاب باغ میں جاکر روزہ کھولتا ہوں اور سرد پانی پیتا ہوں واہ واہ کیا اچھی عمر بسر ہوتی ہے"۔

کسی خط میں میر سرفراز حسین۔ میر نصیر الدین میرن صاحب حکیم اشرف علی کو نہیں بھولتے۔ اور خاص خاص باتیں ہوتی جاتی ہیں خطوط کی عبارت محض عبارت نہیں ہوتی بلکہ اُس سے صاف صاف ایک تصویر نظر آتی ہے جیسے کوئی شخص اپنا سینہ چیر کر بلا کم و کاست ہر چیز کا معائنہ کرا رہا ہے اور کوئی راز کسی قسم کا چھپانا نہیں چاہتا۔ ایک ایک لفظ میں خلوص۔ ایک ایک فقرے میں محبت کی ایک طویل داستان نہاں ہے۔ دیکھنے والا اندازہ کر سکتا ہے کہ وہ کسی حالت میں میر مہدی کو تفتہ سے اور تفتہ کو اپنے قوت بازو اپنے بھائی اپنے رفیق اپنے فرزند سے کم نہیں جانتے۔ ہر خط میں وہی یکسانیت وہی ہمواری۔ کیا مجال کہ بال برابر روش میں کہیں فرق آئے اوّل سے آخر عمر تک ایک ہی رنگ رہا۔ جو آجتک ان خطوط سے جھلک دکھا رہا ہے۔

لالہ بہاری لال مشتاق مالک مطبع اکمل المطابع نے جب اردوئے معلی شائع کی تو میر مہدی سے دیباچہ کی فرمائش کی اور انھوں ہی نے دیباچہ لکھا۔ نمونہ کلام ؎

طالب ہیں اور آپ کو اسیر زاہد	سالک مسلک تسلیم و رضا کہتے ہیں
غیر کو بھلا سمجھے اور مجھکو بُرا جانا	سمجھے بھی تو کیا سمجھے جانا بھی تو کیا جانا
کیا عرض تمنا میں شکوہ نہ ستم کا تھا	ہنے تو کہا کیا تھا اور آپنے کیا جانا

کہا جب دل تو لیجاؤ تو بولے — کہ میرا اور تیرا ہے جدا کیا

تلافی آپ کو کرنی پڑے گی — نہ پوچھو حسرتیں دل میں ہیں کیا کیا

انہوں سے ارتباط نہ غیروں سے اختلاط — یہ عمر آپنی تمنے گزاری خضر کہاں

ڈرو اے شیخ رند بے ادب ہے — ذرا چھوڑو یہ سمجھانے کی عادت

غالب آئے ہیں لاؤ اے مجروح — بادۂ ناب میں ملا کے گلاب

ہوا لازم پتنگے کا جلانا — کیا ہے اُسنے اظہار محبت

اتنی بھی بے ادبی جذب زلیخا بس بس — یوسف مصر کو ظالم سر بازار نہ کھینچ

اللہ اللہ نیستی کے مزے — عیش سرمد بھلا دیا ہم کو

وہ نگاہیں پھیریں تو آفت ہے — یہ زمانے کا انقلاب نہیں

پورا ہوا نہ کوئی زمانے سے اپنا کام — نالہ ہوں میں اگر تو لب نارسیدہ ہوں

کیا کیا نہ بعد مرگ کے آسائشیں ملیں — میں قبر میں مسافر منزل رسیدہ ہوں

گرد دیتی ہے کارواں کا پتہ — یادگار گزشتگاں ہوں میں

وہ مخمور آنکھیں ذرا دیکھنا — یہ مستی کہاں بادۂ ناب میں

کوئی میرے دل ہی سے پوچھے اُسے — تپش ہی جو آہ جگر تاب میں

وہی رقیب سے یکساں ہے اسکا ربط نہاں — ہماری ضد سے زمانہ کو انقلاب نہیں

دل کی بے چینیاں گئیں نہ کہیں
اک خلش سی رہی کہیں نہ کہیں



مشتاق منشی بہاری لال

منشی بہاری لال مشتاق خلف منشی بہادر لال دلّی کے رہنے والے مرزا کے شاگرد تھے۔ ایک مطبع موسوم بہ اکمل المطابع کے مالک تھے اور اسی مطبع سے ایک اخبار موسوم بہ اکمل الاخبار نکالتے تھے جس کے وہ ایڈیٹر بھی تھے۔ لیاقت علمی معمولی تھی جسکا مرزا نے ایک خط میں اشارہ کیا ہے۔ "چونکہ تم کو مشاہدۂ اخبار اطراف و خود اپنے مطبع کے اخبار کی عبارت کا شغل تحریر ہمیشہ رہتا ہے بتقلید اور انشا پردازوں کے تمہاری عبارت میں بھی املا کی غلطیاں ہوتی ہیں میں تم کو جا بجا آگاہ کرتا رہتا ہوں خدا چاہے تو املا کی غلطی کا ملکہ بالکل زائل ہو جائے" مرزا کے تعلقات ان کے ماموں منشی مکند لال سے بہت گہرے تھے چنانچہ خط میں لکھکر مشتاق کو سمجھاتے ہیں کہ "برخوردار بہاری لال مجھکو تم سے جو محبت ہے اوسکے دو سبب ہیں۔ ایک تو یہ کہ تمہارے خال فرخ فال منشی مکند لال میرے بڑے پرانے یار ہیں خوش خو شگفتہ رو بذلہ گو۔ دوسرے تمہاری سعادتمندی اور خوبی اور علم اور بقدر حال علم اردو نظم و نثر میں تمہاری طبیعت کی روانی۔ اور تمہارے قلم کی گلفشانی"

مشتاق بھی ہمیشہ مرزا کے احکام کے تابع اور اُن کی خدمات

کیلیے کمربستہ رہتے تھے۔ چنانچہ اُردو کے رقعات جمع کرکے پہلے انھوں ہی نے اپنی مطبع میں طبع کرائے اور مدت العمر انواع انواع خدمات بجالائے۔ ان کے مطبع کے کاموں میں حکیم غلام رضا خاں۔ میر فخر الدین۔ حکیم غلام نبی خاں بھی معین اور مددگار رہتے تھے جن کے بارے میں مرزا نے مشتاق کو تاکید لکھی ہے کہ ان حضرات کا دامن صحبت ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔ یہ لوگ غنیمت ہیں اور ان کے دم سے تمہارے اخبار کو چار چاند لگے ہوئے ہیں۔

اگرچہ مشتاق سے مرزا کے تعلقات کم نہ تھے مگر ہم شہر ہونیکی وجہ سے خط لکھنے کا اتفاق بہت کم ہوا ہے چنانچہ مجموعہ بھر میں صرف دو خط ان کے نام ملتے ہیں جن میں ایک اُن کے والد کی تعزیت میں لکھا ہے اور ایک میں کچھ معاملات کا ذکر ہے۔

مشتاق کو اپنے افکار اور کاروبار ذاتی کیوجہ سے شعر و شاعری کیطرف توجہ کرنے کی فرصت بہت کم ملتی تھی۔ مگر پھر بھی کبھی کبھی تفنن طبع کے طور پر کچھ کہتے تھے اور مرزا سے اصلاح لیتے تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے ؎

یوں تیرے ساتھ بزم میں دشمن کا بیٹھنا ‏ ‏ وہ اعتراض ہی کہ اُٹھایا نہ جائیگا
ہوگا اثر جو دل میں تو خود جان لینگے وہ ‏ ‏ مشتاق ہم سے عشق جتایا نہ جائیگا

جہاں جاگے وہیں انگڑائیاں لو
یہاں پھیلائی ہے مستی کہاں کی

مہر مرزا حاتم علی بیگ

مرزا حاتم علی بیگ المتخلص بہ مہر آگرہ کے رہنے والے تھے۔ آپکا خاندان اصفہانی تھا۔ مگر آپ کے بزرگ کئی پشت سے آگرہ میں رہتے تھے ۱۲۳۰ھ میں بمقام آگرہ پیدا ہوئے اور یہیں تعلیم و تربیت پاکر سن شعور کو پہونچے۔ مرزا فیض علی بیگ آپ کے والد بزرگوار کا نام تھا جو عہد ایسٹ انڈیا کمپنی میں علیگڑھ کول کے تحصیلدار تھے آپ کے دادا مرزا مراد بیگ بعہد نواب شجاع الدولہ لکھنؤ آئے اور رُکن الدولہ خطاب پایا اور ایک زمانہ میں رائے بریلی کے ناظم بھی رہے۔

معمولی تعلیم کے بعد ۱۴ برس کی عمر میں مہر کو شاعری کیطرف رجحان ہوا۔ اور اسی زمانہ میں شعر کہنا شروع کیا۔ شعر گوئی کی تحریک کا بڑا سبب یہ ہوا کہ اِن کے بھائی مرزا عنایت علی بیگ ماہ خواجہ آتش کے شاگرد تھے اُنھوں نے اسیوجہ سے ناسخ کی شاگردی اختیار کی اور مہر تخلص رکھا۔ ۱۸۴۰ء میں امتحان پاس کرکے چنارگڑھ ضلع مرزاپور میں بعہدہ منصفی مقرر ہوئے جیسا کہ اپنے ایک شعر میں کہتے ہیں ؎

ازبسکہ سوز ہجر کے خوگر ہوئے ہیں ہم
منصف چنارگڑھ کے مقرر ہوئے ہیں ہم

ایک عرصہ تک ہائیکورٹ کے وکیل بھی رہے۔

جب ۱۸۵۷ء میں ہنگامہ غدر زور پر تھا۔ افراتفری پڑی تھی۔ ہر شخص گوشۂ عافیت ڈھونڈھ رہا تھا اُسی زمانہ میں مہر نے چند انگریزوں کی جان بچائی اور اپنے گھر میں پناہ دی۔ جسکے صلہ میں ہنگامہ فرو ہونے کے بعد دو گاؤں سرکار انگریزی سے اُن کو جاگیر میں دیے گئے۔

مختلف جگہوں میں رہنے کے بعد وہ اپنے وطن مالوف آگرہ میں آ گئے اور یہاں آنریری مجسٹریٹ کے فرائض انجام دیتے رہے ۱۸۷۹ء میں اٹیہ گئے جہاں اون کے بیٹے مرزا سخاوت علی تحصیلدار تھے اور اسی سن میں وہیں انتقال کیا۔ اون کا مذہب امامیہ تھا۔ مگر نہایت بے تعصب اور نیک نہاد تھے ہندو مسلمان ہر ایک سے یکساں برتاؤ تھا۔ مہاراجہ بلونت سنگھ بنارس والے اونکے شاگرد تھے جسکے صلہ میں پچاس روپیہ ماہوار بطریق وظیفہ ملتا تھا۔

مہر کی تصانیف بہت ہیں۔ چنانچہ دیوان اردو موسوم بہ المباس درخشاں (تاریخی نام) یا "خیالات مہر" ۱۳۰۰ھ میں ان کے پوتے مرزا قاسم حسین نے شائع کرایا۔ ایک رسالہ "پیرایہ عروض" فن عروض میں۔ ایک ابتدائے عہد انگریزی کی مختصر تاریخ موسوم بہ ایاغ فرنگستان۔ ایک مثنوی "داغ نگار" جو ایک دن میں تصنیف کی تھی۔ ایک واسوخت "داغ دل مہر"۔ ایک مثنوی شعاع مہر۔ ایک کتاب شبیہ عشرت۔ ضبط انتقام۔ ہمدم آخرت۔ عہد قیصر" پنجۂ مہر۔ توقیر شرف۔ اور کچھ نظمیں ہیں۔ ان میں سے بعض کتابیں مطبوعہ ہیں بعض ہنوز غیر مطبوعہ۔

مہر ایک کہنہ مشق شاعر۔ ناسخ کے رنگ کے پیرو تھے۔ اور اُس رنگ میں بہت خوب کہتے تھے۔ تاریخ گوئی میں خصوصیت سے ید طولیٰ حاصل تھا۔

مرزا کے ہموطن مگر نادیدہ دوست تھے جیسا کہ مرزا اپنے ایک خط میں اُن کو لکھتے ہیں "کیا فرض ہے کہ جب تک دیدوادید نہ ہولے اپنے کو بیگانۂ یکدیگر سمجھیں البتہ ہم تم دوست دیرینہ ہیں" یہ صحیح معلوم نہیں کہ کس طرف سے خط و کتابت کی ابتدا ہوئی۔ مگر یہ ضرور ہے کہ سلسلہ مراسلت جاری ہوا۔ اور اس طرح سے کہ انداز مکالمت کو شرما دیا۔ صرف ایک دوسرے کو آنکھیں نہ دیکھ سکتی تھیں۔ باقی ساری وہی باتیں تھیں جو ایک دوسرے کے ملنے میں میسر ہو سکتی ہیں۔ ہنسی۔ مذاق۔ لطیفے۔ چٹکلے۔ پھبتیاں غرض کہ تمام وہ باتیں تھیں جو مواجہہ میں ہوا کرتی ہیں۔

ایک روز مہر کی وجاہت ظاہری کا حال اپنے یہاں مرزا غالب بیان کر رہے تھے۔ مرزا یوسف علیخاں عزیز بھی اس جلسہ میں موجود تھے اور سب سن رہے تھے۔ مرزا نے اثنائے کلام میں کہا کہ مہر کے دیکھنے کو جی چاہتا ہے۔ خیر اُس وقت تو ذکر ہو کر رہ گیا۔ مدت کے بعد کہیں عزیز آگرہ گئے۔ مرزا کے یاد کرنے کا ذکر آیا۔ مہر نے خط لکھا اور کہا کیوں صاحب یوں ہمارا حلیہ سر محفل بیان کیا جاتا ہے۔ مرزا نے جواب لکھا تو اس طرح کہ دونوں شخصوں کی تصویریں ایک آئینہ میں کھنچ گئیں۔ صرف خط و خال میں فرق رہا۔ باقی سرمو تفاوت نہیں۔ لکھتے ہیں

" بھائی تمہاری طرحداری کا حال میں نے مغل جان سے سُنا تھا جس زمانہ میں وہ نواب حامد علیخاں کی نوکر تھی اور اُس میں مجھ میں بے تکلفانہ ربط تھا تو اکثر مغل جان سے پہروں اختلاط ہوا کرتے تھے۔ اُسنے تمہارے شعر اپنی تعریف کے بھی مجھکو دکھائے۔ بہر حال تمہارا حلیہ دیکھکر تمہارے کشیدہ قامت ہونے پر مجھکو رشک نہ آیا کس واسطے کہ میرا قد بھی درازی میں انگشت نما ہے۔ تمہارے گندمی رنگ پر مجھکو رشک نہ آیا کس واسطے کہ جب میں جیتا تھا تو میرا رنگ چنپئی تھا۔ اور دیدہ ور لوگ اُسکی ستائش کیا کرتے تھے۔ اب جو کبھی مجھ کو وہ اپنا رنگ یاد آجاتا ہے تو چھاتی پر سانپ سا پھر جاتا ہے ہاں مجھکو رشک آیا اور میں نے خون جگر کھایا تو اِس بات پر کہ داڑھی خوب گھٹی ہوئی ہے وہ مزے یاد آگئے۔ کیا کہوں جی پر کیا گزری بقول شیخ علی حزیں ؎

تا دسترسم بود زدم چاک گریباں
شرمندگی از خرقۂ پشمینہ ندارم

جب داڑھی مونچھ میں بال سفید آگئے تیسرے دن چیونٹی کے انڈے گالوں پر نظر آنے لگے۔ اس سے بڑھ کر یہ ہوا کہ آگے کے دو دانت ٹوٹ گئے۔ ناچار مِسّی بھی چھوڑ دی اور داڑھی بھی مگر یہ یاد رکھئے کہ اس بھونڈے شہر میں ایک وردی ہے عام ملّا۔ بساطی۔ نیچہ بند۔ دھوبی۔ سقہ۔ بھٹیارہ۔ جولاہہ کنجڑا منہ پر داڑھی سر پہ بال فقیر نے جسدن داڑھی رکھی اوسی دن سر منڈایا۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العظیم کیا بک رہا ہوں۔"

مہر کی کوئی محبوبہ معشوقہ مرگئی۔ مرزا کو خبر ہوئی۔ تعزیت کا خط لکھا۔ مگر ایسا کہ پڑھتے ہی دل سے رنج و غم جاتا رہے لکھتے ہیں " سنو جناب مرزا صاحب آپ کا غم افزا نامہ پہونچا میں نے پڑھا۔ یوسف علیخاں عزیز کو پڑھوا دیا۔ اُنھوں نے جو میرے سامنے اِس مرحومہ کا اور آپکا معاملہ بیان کیا۔ یعنی اوسکی اطاعت اور تمہاری اُس سے محبت سخت ملال ہوا اور رنج کمال ہوا۔ سنو صاحب شعرا میں فردوسی اور فقرا میں حسن بصری اور عشاق میں مجنوں۔ یہ تین آدمی تین فن میں سر دفتر ہیں۔ شاعر کا کمال یہ ہے کہ فردوسی ہو جائے۔ فقیر کی انتہا یہ ہے کہ حسن بصری سے ٹکر کھائے عاشق کی نمود یہ ہے کہ مجنوں کی ہمطرحی نصیب ہو۔ لیلے اوسکے سامنے مری تھی۔ تمہاری محبوبہ تمہارے سامنے مری۔ بلکہ تم اُس سے بڑھ کر ہوئے کہ لیلی اپنے گھر میں اور تمہاری معشوقہ تمہارے گھر میں مری۔ بھئی مغل بچے بھی غضب ہوتے ہیں جس پر مرتے ہیں اوسکو مار رکھتے ہیں۔ میں بھی مغل بچہ ہوں۔ عمر بھر میں نے بھی ایک بڑی ستم پیشہ ڈومنی کو مار رکھا ہے۔ خدا اُن دونوں کو بخشے اور ہم تم دونوں کو بھی کہ زخم مرگ دوست کھائے ہوئے ہیں مغفرت کرے "

ایک جگہ اسی بارے میں کہتے ہیں "مصری کی مکھی بنو شہد کی مکھی نہ بنو۔ کسیکے مرنیکا وہ غم کرے جو آپ نہ مرے۔ کیسی اشک فشانی۔ کہاں کی مرثیہ خوانی۔ آزادی کا شکر بجا لاؤ غم نہ کھاؤ۔ اگر ایسے ہی اپنی گرفتاری سے خوش ہو تو چُنّا جان نہ سہی مُنّا جان سہی "

دستنبو کی طباعت اور اُسکی تزئین کے اہتمام میں مہر کا

بھی بڑا حصہ تھا اوس کی تاریخ بھی کہی اور مرزا کے کہنے کے بموجب اُسکی جلد بندی بھی کرائی ۔ مرزا سے شعر و شاعری میں برابر تبادلہ خیالات ہوتا رہتا تھا مہر مرزا کے پاس اور مرزا مہر کے پاس اپنا کلام بھیجتے رہتے تھے ۔ ایک مرتبہ مہر نے کوئی قصیدہ بھیجا ۔ مرزا اوسکے جواب میں لکھتے ہیں۔ "ناسخ مرحوم جو تمہارے اُستاد تھے میرے بھی دوست صادق الوداد تھے ۔ مگر ایک فن کے تھے صرف غزل کہتے تھے ۔ قصیدہ اور مثنوی سے اون کو کچھ علاقہ نہ تھا سبحان اللہ تم نے قصیدہ میں وہ رنگ دکھایا کہ انشا کو رشک آیا"

مہر نے دستنبو کی مناسبت سے نام ید بیضا تلاش کیا جسکی مرزا نے بڑی داد دی ۔ ایک مرتبہ مہر کی مثنوی دیکھی تو تحسین کی اور یہ شعر لکھ بھیجا ؎

خدا سے میں بھی چاہوں از رہ مہر ۔۔۔ فروغ میرزا حاتم علی مہر

یہ اتحاد و محبت آخر وقت تک قائم رہا اور ہمیشہ ہی اختلاط و یگانگت کا برتاؤ جانبین سے ہوا کیا مہر کا کلام بالکل اون کے اُستاد کے رنگ میں ہے پھر بھی کہیں کہیں خوب کہتے اور دلی کا بھی اتباع کرتے تھے ۔ نمونہ کلام

چلئے بھی آؤ قیامت بھی ہو چکی صاحب ۔۔۔ بڑا عذاب ہے رہتی ہے انتظار میں روح

نذر دل مانگتی ہیں آپکی سرشار آنکھیں ۔۔۔ عین مستی میں رہا کرتی ہیں ہشیار آنکھیں

کرتا غضب ہے تب تک تو ہمارا دل بیتاب ۔۔۔ روکے ہوئے ڈانٹے ہوئے دھمکائے ہوئے ہیں

کیا بات تری ہے لب جان بخش ہے کیا بات ۔۔۔ عیسٰی بھی ترے وقت میں دم کھائے ہوئے ہیں

ہو گی تمام رات بستر پیچ و تاب میں ۔۔۔ دل پھنس گیا ہے زلف شکن در شکن میں آج

مفتی میر عباسؔ

مفتی میر عباس صاحب اصل میں شوستری تھے۔ مگر عمر کا بیشتر حصہ لکھنؤ میں گزارا اور واجد علی شاہ اختری تاجدار اودھ کے دربار میں بحیثیت مفتی زمرۂ مقربین خاص میں منسلک تھے۔ علاوہ تمام اہل شہر کے خود بادشاہ وقت بھی آپ کی عزت کرتے تھے۔ اپنے وقت کے مجتہد اور علمائے متبحر میں سے تھے! ور فرقہ امامیہ کے بے بدل عالم مانے جاتے تھے۔ تقریباً ساڑھے تین سو کتابیں مختلف علوم و فنون میں آپ سے یادگار ہیں بہت سے ذی کمال آپ سے شرف تلمذ رکھتے تھے۔ چنانچہ سید حامد حسین صاحب عبقات الانوار بھی آپ ہی کے شاگرد تھے۔ فارسی آپ کی اصلی زبان تھی۔ مگر اسیطرح اردو و عربی میں بھی آپ کو کمال حاصل تھا۔ اسیوجہ سے تینوں زبانوں میں آپ کا کلام استادانہ موجود ہے۔ سید تخلص فرماتے تھے۔

مرزا ان کے خاص معتقدین میں تھے اور غالباً اسوقت ان سے ملے تھے جب وہ لکھنؤ آئے تھے۔ اسکے بعد سے مراسلت کا سلسلہ جاری ہوا۔ اور مرزا اپنا کلام بھی بھیجتے رہے۔ مفتی صاحب نے اردو کے خط کا اردو زبان میں اسی انداز اور اسی طرز میں مرزا کو جواب لکھا۔ اور مرزا کی روش کی بیحد تعریف کی مرزا نے اپنی کتاب قاطع برہان بھی مفتی صاحب کے پاس بھیجی تھی اسکے بارہ میں لکھتے ہیں:" قبلہ حضرت کا نوازشنامہ

آیا۔ میں نے اوس کو حرز بازو بنایا۔ آپ کی تحسین میرے واسطے سرمایۂ عزّ و افتخار ہے۔ فقیر اُمیدوار ہے کہ یہ دفتر بے معنی سراسر دیکھا جائے نہ پیش نظر دھرا رہے۔ بلکہ اکثر دیکھا جائے۔ میں نے جو نسخہ وہاں بھجوایا ہے گویا کسوٹی پر سونا چڑھایا ہے۔ نہ ہٹ دھرم ہوں نہ مجھے اپنی بات کی پچ ہے دیباچے اور خاتمہ میں جو کچھ لکھ آیا ہوں سب سچ ہے۔ کلام کی حقیقت کی داد جُدا چاہتا ہوں۔ طرز عبارت کی داد جُدا چاہتا ہوں۔ نگارش لطافت سے خالی نہوگی۔ گذارش لطافت سے خالی نہوگی۔ علم و ہنر سے عاری ہوں لیکن پچپن برس سے محو سخن گزاری ہوں۔"

مفتی صاحب نے ایک قطعہ بھی قاطع برہان کی تعریف میں مرزا کے پاس بھیجا تھا جسکے جواب میں مرزا نے لکھا کہ "قطعہ تاریخ کا کیا کہنا ہے۔ گویا یہ کتاب معشوق اور یہ قطعہ اوسکا گہنا ہے" چونکہ مرزا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی نے آپکی مبسوط سوانحعمری لکھی ہے اسلیے آپکے حالات وغیرہ لکھنا تحصیل حاصل سمجھکر صرف نمونۂ کلام پر اکتفا کیجاتی ہے ؎

شہید عشق ہوا میں تو کیا تعجب ہے	ترا مزار پر آنا البتہ تعجب ہے
گزر ہوا کا بھی ہرگز نہیں ہے اُس گلی تک	پیام وصل کا کہنے کہا تعجب ہے
طپش ہے قلب میں اور آہ سرد ہے لب پر	یہ گرمی اور یہ ٹھنڈی ہوا تعجب ہے
فائدہ کیا ریش پر رنگ خضاب آیا تو کیا	اے ضعیفی عارضی ایسا شباب آیا تو کیا

فارسی

من کہ عالی ہمت و والا نژاد افتادہ ام	بر زمیں از دست چرخ کج نہاد افتادہ ام

سست و بے حس گشتہ ام از پیری عمر رواں | میرم چوں ابر تند و چوں جماد افتادہ ام
خستہ حالم خستہ جاں دل نازک و تن ناتواں | دوستاں رحمی کہ در اہل عناد افتادہ ام
از پریشاں حالی و جاے قرار من مپرس | ہمچو برگ خشک اندر گردباد افتادہ ام
ہمرہ عمر رواں جسم نزارم دادہ اند | بر ہواے صرصرے مشت غبارم دادہ اند
آہ گرم و دامنے چوں لالہ زارم دادہ اند | درمیان نار و جنت اختیارم دادہ اند

میکش میر احمد حسین [1]

میر احمد حسین میکش ابن میر کرار حسین دلی کے رہنے والے نہایت متین و مہذب جوان صالح تھے۔ گو اِن کا سلسلۂ نسب سادات عظام بارہہ سے ملتا تھا۔ مگر خاص اونکا گھرانہ مدتوں سے دلی ہی میں آباد تھا اور نہایت عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ چنانچہ اِن کے بھائی میر امداد علی جو آشوب تخلص کرتے اور میر نظام الدین ممنون سے اصلاح لیتے تھے اپنی لیاقت ذاتی اور وجاہت خاندانی کیوجہ سے اپنے اقران میں بہت معزز و ممتاز اور دربار شاہی سے خطاب خانی سے سرفراز تھے۔ وضعداری کا یہ عالم تھا کہ اسکے لیے لوگوں میں مشہور تھے۔ بلکہ دیکھنے والے کہتے تھے کہ اس قسم کے پابند وضع لوگ دیکھے نہیں گئے۔

میکش رسم زمانہ کی موافق زیادہ تر فارسی میں شعر کہتے تھے۔ کبھی

اردو کی طرف بھی توجہ کرتے تھے۔ نہایت ذکی اور ذہین تھے۔ طبیعت میں آمد بہت تھی۔ مرزا سے شرف تلمذ حاصل تھا اور دونوں زبانوں کے کلام پر انھیں سے صلاح لیتے تھے۔ پانی پت میں بھی کچھ سلسلۂ قرابت تھا۔ چنانچہ وہاں کے بعض لوگوں سے بہت ارتباط تھا۔ میر مہدی مجروح کے احباب خاص میں تھے اور وہ بھی اپنے متعدد خطوں میں مرزا سے ان کا حال پوچھتے رہتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ غدر کے ہنگامے کے کچھ روز بعد میکش کی نسبت دریافت کیا تو مرزا نے لکھا کہ میکش اچھا ہے دلّی میں لوٹ کی کتابیں خریدتا پھرتا ہے۔ ایک جگہ میر مہدی مجروح کو لکھتے ہیں کہ " میر احمد حسین کا بھتیجا مر گیا ہے۔ حکیم میر اشرف علی کو دعا کہنا۔ اور کہنا کہ اگر تم میں اُنھیں راہ و رسم تعزیت و تہنیت ہو تو میر احمد حسین کو خط لکھو۔" اسیطرح سے میر مہدی کے خطوں میں متعدد جگہ اِن کا ذکر کرتے ہیں ایک جگہ اُنکو لکھتے ہیں " مار ڈالا یار تیری جواب طلبی نے۔ اس چرخ کج رفتار کا بُرا ہو۔ ہم نے اِسکا کیا بگاڑا تھا۔ ملک و مال جاہ و جلال کچھ نہیں رکھتے تھے۔ ایک گوشہ و توشہ تھا۔ چند مفلس و بینوا ایک جگہ فراہم ہو کر کچھ ہنس بول لیتے تھے ؎

سو بھی نہ تو کوئی دم دیکھ سکا اے فلک

اور تو یاں کچھ نہ تھا ایک مگر دیکھنا

یاد ہے یہ شعر خواجہ میر درد کا ہے۔ کل سے مجھ کو میکش بہت یاد آتا ہے۔ سو صاحب اب تم ہی بتاؤ کہ میں تم کو کیا لکھوں۔"

اگرچہ میر احمد حسین کے نام دو ہی رقعے ملتے ہیں مگر خلوص و محبت کا

ایک ایک حرف سے پتہ چلتا ہے ایک خط میں اون کی بیماری کا حال سُنکے اون کو لکھتے ہیں "میاں عجب القلق ہے نہ میں تمہارے دیکھنے کو آسکتا ہوں نہ تم میرے دیکھنے کو قدم رنجہ فرما سکتے ہو۔ قدم رنجہ کہاں سے کرو سراپا رنجہ ہو۔ لاحول ولاقوۃ تعطیل کے دن کیا ناخوش گزرے یوسف مرزا سے۔ میر سرفراز حسین سے تمہارا حال سُن لیتا ہوں اور رنج کھاتا ہوں۔ خدا تمہارے حال پر رحم کرے اور تم کو شفا دے۔ خواہش یہ ہے کہ ناتوانی کا عذر نہ کرو اور اپنا حال اپنے ہاتھ سے لکھو۔"

میکش مرزا کے ہم صحبتوں اور حاضر باشوں میں تھے۔ شعر و شاعری سے خاص تعلق رکھتے تھے۔ مگر افسوس کہ اب نمونہ کلام کے لیے ایک شعر کے سوا کچھ نہیں ملتا ؎

گفتمش دی با کہ میرفتی خراماں سوے باغ
گفت میکش بودہ باشد کاں گرفتارِ من است

نساخ۔ ابو محمد عبدالغفور

عبدالغفور نام نساخ تخلص ابو محمد کنیت تھی قاضی فقیر محمد مصنف جامع التواریخ وکیل عدالت عالیہ صدر دیوانی کلکتہ کے خلف الرشید زیدی النسب تھے۔ اصل سکونت ضلع فریدپور بنگال کی تھی تعلقات معیشت

کیونکہ ان کے والد کلکتہ میں اقامت گزیں ہو گئے تھے اور خود ضلع راج شاہی میں ڈپٹی مجسٹریٹ اور ڈپٹی کلکٹر تھے۔ حکام رس۔ ہر دلعزیز جوہر قابل مشہور و معروف افراد میں شمار ہوتے اور اپنے امثال واقران میں ممتاز و معزز خیال کیے جاتے تھے۔ اردو فارسی عربی تینوں زبانوں میں بہت کافی دستگاہ رکھتے تھے۔ نظم و نثر کیطرف ابتدائے عمر سے توجہ تھی۔ جیسا کہ خود تحریر فرماتے ہیں کہ " ہنوز باغچہ عمر میں نسیم شعور کی آمد آمد اور فرش سبزہ رشادفضائے سن و سال میں ممتد بھی نہ تھا کہ سر میں سودائے نگردیاں مضامین پیدا ہوا۔ دل غنچہ لبان معانی کا شیدا ہوا۔ کلام اساتذہ کا شوق رہا۔ غیروں کے کلام کا ذوق رہا۔ تھوڑے دنوں میں بہت سے دواوین نظر سے گزرے۔ عرصہ قلیل میں تذکرہ ہائے کثیر دیکھے " نہایت زبردست نقاد اور سخن فہم عروض قافیہ سے باخبر تھے۔ محض شعراء سے ملنے کے لیے دلی اور لکھنؤ کے کئی سفر کیے اور اساتذہ وقت کی صحبت سے مستفیض ہوئے۔ اسی ولولہ و شوق میں باوجود کثرت اشغال بارہ برس کی محنت شاقہ کے بعد تذکرہ سخن شعرا تمام کیا جس میں تنقید کلام اور سخن سنجی کی داد دی گئی ہے اور مزید براں یہ کہ اسی دوران یعنی ۱۲۷۶ھ میں قطعات شعرا کا ایک تذکرہ موسوم بہ قطعۂ منتخب تحریر کیا۔ اسیطرح ایک رسالہ موسوم بہ زبان ریختہ ۱۲۷۵ھ میں لکھا تھا نیز ایک رسالہ لکھا کہ جس میں اسیر مرحوم کے مراثی پر بہت سے شاعرانہ اعتراضات کیے ہیں مگر افسوس کہ اب وہ نہیں ملتا۔ دیوان دفتر بے مثال

کے نام سے ۱۲۶۵ھ میں شائع کرایا۔ اور اسکے بعد دوسرا دیوان شائع ہوا پہلا دیوان مرزا کے پاس بھی ہدیۃً بھیجا گیا تھا۔ جسکے جواب میں مرزا لکھتے ہیں۔
" دفتر بیمثال کو عطیہ کبریٰ اور موہبت عظمیٰ سمجھ کر یاد آوری کا احسان مانا۔ پہلے اس قدر افزائی کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ حضرت نے اس ہیچمیرز کو قابل خطاب اور لائق کتاب جانا۔ میں دروغ گو نہیں۔ خوشامد میری خو نہیں۔ دیوان فیض عنوان اسم بامسمیٰ ہے دفتر بیمثال اسکا نام بجا ہے الفاظ متین۔ معانی بلند۔ مضامین عمدہ۔ بندش دلپسند۔ ہم فقیر لوگ اعلان کلمۃ الحق میں بیباک و گستاخ ہیں شیخ امام بخش طرز جدید کے موجد اور پرانی ناہموار روشوں کے ناسخ تھے۔ آپ ان سے بڑھکر بصیغہ مبالغہ بے مبالغہ نساخ ہیں۔ تم دانائے رموز از دو زبان ہو۔ سرمایۂ نازش قلم و ہندوستان ہو۔ خاکسار نے ابتدائے سن تمیز میں اردو زبان میں سخن سرائی کی ہے پھر اوسط عمر میں بادشاہ دہلی کا نوکر ہو کر چند روز اُسی روش پر خامہ فرسائی کی ہے نظم و نثر فارسی کا عاشق و مائل ہوں۔ ہندوستان میں رہتا ہوں مگر تیغ اصفہانی کا گھائل ہوں۔ جہاں تک زور چل سکا فارسی زبان میں بہت کچھ بکا۔ اب نہ فارسی کی فکر نہ اردو کا ذکر۔ نہ دنیا میں توقع نہ عقبےٰ کی اُمید۔ میں ہوں اور اندوہ ناکامی جاوید۔
جیسا کہ خود ایک قصیدہ نعت کی تشبیب میں کہتا ہوں ؎

چشم کشودہ اند بکردار ہائے من
زاندہ ناامیدم و از رفتہ شرمسار

ایک اردو کا دیوان ہزار بارہ سو بیت کا۔ ایک فارسی کا دیوان دس ہزار کئی سو بیت کا تین رسالہ نثر کے یہ پانچ نسخے مرتب ہو گئے۔ اب اور کیا کہوں گا۔ مدح کا صلہ نہ ملا۔ غزل کی داد نہ پائی۔ ہرزہ گوئی میں ساری عمر گنوائی اب بقول طالب آملی ؎

لب از گفتن چناں بستم کہ گوئی
دہن بر چہرہ زخمے بود و بہ شد (الخ)

یہ رقعہ طویل ہے اس واسطے بقیہ عبارت سے قطع نظر کی۔ اس رقعہ کی نسبت مرزا نے خاص طور پر لکھا تھا کہ اسے میری عبارت نثر میں شامل کر دیا جائے۔ مرزا یہ خط بھیجکر متمنی ہوئے ہیں کہ آئندہ بھی مراسلت کا سلسلہ جاری رہے مگر افسوس کہ مجموعہ خطوط میں ان کے نام مرزا کا اور کوئی دوسرا خط نہیں پایا جاتا۔ بہت ممکن ہے کہ یہ سلسلہ غاز ہی کیساتھ اختتام کو پہونچ گیا ہو۔ نمونہ کلام ؎

پوچھو نہ حال گرمی حسن شباب کا ۔۔۔ ہے دوپہر کو گرم مزاج آفتاب کا
حاصل ہے اشارہ میں مزا لطف بیانکا ۔۔۔ لیتا ہے وہ نوک مژہ سے کام زبانکا
ہر نگاہ مست ساقی میں ہے کیفیت نئی ۔۔۔ ایک سی تاثیر میں ہوتی نہیں ہے ہر شراب
اتنے گناہ کرتے ہیں جنکا نہیں شمار ۔۔۔ تنگ آگئے ہیں کاتب اعمال دوش پر
پرز ہر آبلے کو مرے دل کے دیکھئے ۔۔۔ دیکھا نہو اگر گہر آبدار سبز

مبتلا ہجراں میں ہو کر بڑھ گئے غمہائے دل
حیف دل افسوس دل واحسرتا دل ہائے دل

جب ترے عشق میں یہ راز کھل گیا کوئی نہیں ہے جان کا دشمن سوائے دل

اُمید وصل و بیم ہجر میں بس دن گزرتے ہیں
عجب کچھ زیست ہے اپنی نہ جیتے ہیں نہ مرتے ہیں

بھرتے جو اب صاف سے ہیں کاسۂ سوال اس عہد کے بخیل بھی حاتم سے کم نہیں

ہے وصل میں وہ زلف گرہ گیر گلے میں اب طوق گلے میں ہے نہ زنجیر گلے میں

وہ میرے عشق صادق کے اثر سے میرا مفتوں ہے
جو مجنوں تھا وہ لیلی ہے جو لیلی تھا وہ مجنوں ہے

یہ اعتماد رہا ان کی بیوفائی پر کہ وہ عدو سے ملے اور ہمیں گماں نہ ہوا

نعش پر بے پردہ آئے اور سب دیکھیں اُسے ہائے جینے سے بھی بدتر اپنا مرنا ہو گیا

ہو گیا دشمن جو کی اُس پر محبت کی نگاہ ! دیدۂ الفت مگر چشم عداوت ہو گیا

دور فلک ستمگر جب جب سما تھا آہوں میں بھی اثر تھا نالہ بھی تب رسا تھا

ستم ڈھانے کو میرے پاس بیتابانہ آتے ہیں
کمند گردن خوبان ہے ہر نقش قدم میرا

اک زخم دل کو اور لگا وہ بے نصیب دشمن بھی رات میری طرح بیقرار تھا

وفا۔ نواب میر ابراہیم علیخاں

میر ابراہیم علیخاں نام تھا۔ وفا تخلص کرتے تھے۔ سورت کے

رئیس تھے۔ ۷ر اکتوبر ۱۸۶۵ء کو جب مرزا نواب کلب علیخاں مرحوم فرمانروائے رامپور کے جشن مسند نشینی میں شرکت کیلیے روانہ ہوکر ۸ر جنوری ۱۸۶۶ء کو بعد اختتام جشن مسند نشینی دہلی واپس آئے تو ایک خط سید احمد حسن مودودی کا ملا جس میں نواب میر غلام بابا خاں کا خط سفارشی رکھا ہوا تھا اور تحریر تھا کہ نواب میر ابراہیم علیخاں وفا اور میر عالم علیخاں کے کلام پر اصلاح دیدیا کیجیے۔ مرزا نے خط پڑھا اور سید احمد حسن صاحب کو جواب لکھا کہ "نواب میر غلام بابا خاں میرے دوست اور میرے محسن ہیں۔ راہ و رسم نامہ و پیام باہم گر جاری ہے انکا حکم بے تکلف مانونگا جناب میر ابراہیم علیخاں صاحب اور حضرت میر عالم علیخاں کی خدمت گزاری کو اپنا فخر و شرف جانونگا۔ اسوقت بکس کھولا ہے خطوط اطراف و جوانب دیکھ رہا ہوں پہلے حضرت کے خط کا جواب بطریق اختصار لکھا ہے" اس سے پتہ چلتا ہے کہ وفا ۱۸۶۶ء میں مرزا کے شاگرد ہوئے اور بعدہ یہ اور ان کے ہموطن دوست میر عالم علیخاں برابر مرزا سے انکے حین حیات تک اصلاح لیتے رہے۔ مرزا اپنی فطرتی مروت اور اخلاق کیوجہ سے ان پر بھی مہربان ہوگئے اور بجان و دل اس خدمت کو انجام دیتے رہے یہ حضرات بھی مرزا کو مالی امداد پہونچاتے رہے جسکا خطوط سے پتہ چلتا ہے۔

میاں دادخاں سیاح کی معرفت مرزا صاحب نے اپنی تصویر بھیجی۔ اور وفا نے اپنی تصویر مرزا صاحب کو بھیجی تھی جسکا یوں ذکر کرتے ہیں "تصویر مہر تنویر مجھے پہونچی اور میں نے رسید لکھ بھیجی عجب ہے کہ آپ کو اسکے پہونچنے

میں تردد ہے۔ امسال فقیر نے جو اپنی خاکساری کا خاکا یعنی تصویر منشی میاں داد خاں کی معرفت نذر کی ہے۔ یقین ہے وہ بھی پہنچی ہوگی "

نواب صاحب کے ہاں بیٹا پیدا ہوا تو مرزا نے ایک رنگین عبارت ایک رباعی اور ایک قطعہ تہنیت کا خود لکھا۔ اور بہاری لال مشتاق مالک مطبع اکمل المطابع اور فخر الدین منیجر مطبع سے بھی تاریخیں لکھوائیں اور اکمل الاخبار میں شائع کرائیں۔ مرزا کی رباعی اور قطعہ یہ ہے ؎

رُباعی

حق داد بہ سید زپے انعامش | فرخ پسرے کہ واجب اکرامش
تاریخ ولادتش لو دبے کم و بیش | ارشاد حسین خاں کہ باشد نامش

۱۲۸۵ھ

قطعہ

غالب چو سال سنین ہجری | معلوم کن از خجستہ فرزند
۱۴۰۹
چوں یک صد و بست و چار ماند | انیست شمار عمر دلبند

۱۴۰۹ میں سے سنہ ولادت کے ۱۲۸۵ لیے تو ایک سو چوبیس بچے اون کو دعائے عمر مولود قرار دیا۔